بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ
وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ

اَنْوَارُ الْهُدٰی

فِی

سِیْرَةِ الْمُصْطَفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

جلد اوّل

از

ناچیز فقیر فضل احمد کمترین غلامانِ قطب العالم سید الاولیاء محبوب الٰہی
حضرت مرشدنا و مولٰنا صاحبزادہ محمد عمر صاحب (بیربل شریف، شاہ پور)

پنجاب بک ڈپو۔ لاہور

تعداد ۱۱۰۰

ناشر .. .. .. چوہدری افتخار احمد

مطبوعہ .. .. .. استقلال پریس لاہور

قیمت .. بارہ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنتساب

جن کا ذِکر اُن کی نذر

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

فقیر ناچیز فضل احمدؒ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

تحدیثِ نعمت

(فَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ)

تیری دوستی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا　　تیرے عشق نے بنایا میری زندگی فسانہ

اصلاحِ باطن اور شرح صدر کی باتیں قلم کی زبان کیسے بیان کرے؛ ہاں! اتنا ضرور ہے۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم　　تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

۱۹۴۲ء کی مبارک گھڑیاں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے اس ناچیز کو اپنی آغوش میں لے لیا اور غوثِ زمانہ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک پر قطب العالم محبوب الٰہی دانائے اسرار محبت مرشدنا حضرت صاحبزادہ محمد عمر صاحب بیربلوی دام ظلہ کی پہلی زیارت ہوئی۔ حضور کی ایک ہی نظر نے میرے دل کی دنیا بدل دی۔

آپ نے اپنی مبارک زبان سے فرمایا۔

صد کتاب و صد ورق در نار کن　　رُوئے دل را جانبِ دلدار کن

درس و تدریس سب فراموش ہو گئے اور فکر نے ایک اور راستہ لیا جس کی تمنا تو تھی لیکن نشان نہ ملتا تھا۔ یہ جو کچھ آپ کے سامنے ہے کسی کی نظر کا فیض ہے۔

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد　　وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ناچیز فضل احمد عفی عنہ

۲۵ محرم الحرام ۱۳۷۹ھ

مطابق یکم اگست ۱۹۵۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

(از جُنید زمانہ قطب العالم، محبوبِ الٰہی حضرت مرشدنا و مولانا صاحب زادہ محمد عمرؒ صاحب دام ظلہ العالی (بیربل شریف ضلع شاہ پور)

فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰیؕ

آخر آمد بود فخر الاوّلین

یا صاحب الجمال و یا سید البشر — من وجهك المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقّہ — بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اللہ تعالےٰ کے ساتھ انسان کے تعلق ذاتی کے سب سے بلند درجے کا نام رسالت ہے اور اس سے نچلے درجے کا نام نبوّت ہے۔ اور سب سے آخری درجے کو ولایت کے اصطلاحی نام سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ تعلق کسی ظاہری شکل و شباہت۔ ڈیل ڈول یا کسی اعلےٰ خاندان کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتا۔ بلکہ جسے ذاتِ اقدس عزاسمہٗ اپنے لئے (وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ) کے مطابق چن لے۔ اور جس درجہ پر چن لے۔ اس کے فضل و کرم کی عنایت ہوتی ہے لیکن جب اسے اپنے انتخاب میں لے لیا جاتا ہے تو پھر اس تعلق اور نسبت کی وجہ سے اس کے تمام افعال و حرکات، عادات و اخلاق، افکار و خیالات اتنے بلند ہو جاتے ہیں کہ اس زمانے کا کوئی آدمی ان سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے بھی وہ شمع ہدایت ہوتا ہے۔ اور اس کی ہر حرکت اور ہر فعل، اس کی ہر عادت اور ہر خُلق، اس کا ہر فکر اور ہر خیال انسانوں کے لئے نمونہ کامل ہو کر (لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ) عوام و خواص کو اپنی پیروی میں جذب کرتا ہے۔ اور ایک پوری ملّت اس کی تابعداری اور اتباع کو حیاتِ ظاہری اور باطنی خیال کرتی ہے اور اپنی نجاتِ دینی اور دنیوی اسی اتباع میں تصوّر کرتی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ کیوں ؎

تیری دوستی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا — تیرے عشق نے بنایا میری زندگی فسانہ

صرف اس تعلق الٰہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ تعلق رگ و ریشہ میں جا کر دل و دماغ کو اتنا روشن کرتا ہے کہ جسم خاکی بھی تمام ہی نورٌ علیٰ نور نظر آتا ہے۔ ہر انسان سخت دل بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ بلکہ اس کی بشری صورت خدائی جلوہ گاہ ہی کا نظارہ پیش کرتی رہتی ہے اور ایک دنیا سر تسلیم خم کرنے پر فطرتاً مجبور ہو جاتی ہے۔

نبی کریم کی ذاتِ اقدس اس تعلق الٰہیہ کا آخری اور بلند ترین درجے کا نمونہ ہے۔ نہ اتنا تعلق الٰہیہ پہلے کسی کو نصیب ہوا۔ بعد کا تو ذکر ہی کیا۔ جب کہ آپ خاتم النبیین ٹھیرے۔ ع آخر آمد بود فخر الاولین، کے شرف کی مُہر آپ کی ذاتِ اقدس پر دنیا میں لگ چکی۔ اور یہ شرف مخصوص آپ کی ذاتِ انور پر ختم ہو چکا ہے۔

جب سے دنیا قائم ہوئی اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ رسول اور نبی آتے رہے۔ اور ہر رسول اور ہر نبی کے پیرو ہو کر اہلِ عالم ہدایت پاتے چلے آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی اُمتیں آج تک زندہ ہیں۔ اور مسیحی دنیا تو اتنی ہے کہ کوئی امت اس کے مقابلے پر تا ایں دم نہیں آسکتی۔

ہر امت کے پیرؤوں نے اپنے ہادی، اپنے پیغمبر کے حالات لکھنے میں کمی نہیں کی۔ اور اس کے اسوۂ حسنہ کو پیش کرنے میں پورا پورا زور لگایا ہے لیکن جو افضلیت اور جو شرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو اس اُسوۂ حسنہ میں ملا کسی دوسرے کو اس کا عُشرِ عَشیر بھی نہیں ملا۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں سے بھی بڑھ کر آپ کے سوانح حیات لکھے گئے۔ اور لکھے جا رہے ہیں۔ اور آپ کی حیات طیّبہ کا کوئی ایک واقعہ بھی فروگذاشت نہیں ہوا۔ بلکہ معمولی معمولی حالات بھی قلم بند ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ ع فکر ہر کس بقدر ہمت اوست، کے مطابق یہ شرف حاصل کرنیوالا ہر ایک شخص اپنے اچھوتے نظریے سے حضور کے حالات اور سوانحات پر اپنے خیالات کا اظہار کرتا چلا آ رہا ہے۔

لیکن موجودہ دور سے پہلے تمام کے تمام مؤلفین نے جو کچھ لکھا۔ اس تعلق الٰہیہ کے ماتحت لکھا۔ یعنی نبی کے حالات کو نبوّت کے بلند ترین درجہ کے اساس پر لکھا۔ اور نبوّت کو محورِ فکر بنائے رکھا۔ بدقسمتی کہوں یا عیّاری زمانہ سے اسے تعبیر کروں۔ مادی دنیا نے اتنا پلٹا کھایا کہ اس دنیوی زندگی میں وہ روحانی رشتہ ہی نظر سے اٹھ گیا۔ اور روح کو چھوڑ کر جسم یا ظاہر کو سامنے رکھ لیا گیا۔ اور اب جو کچھ آنحضرتؐ کی پاک

سیرتوں میں لکھا جا رہا ہے وہی کچھ ہے جو دنیاوی سیرتوں میں سجایا جاتا ہے۔ جن اخلاق کو دنیاداری پسند کرتی ہے۔ نبی کے اخلاق کو بھی اسی درجے پر گرانے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ دنیاداروں کے دل متوجہ ہوں۔ بے شک یہ بھی ایک موجودہ دور کا کارنامہ پسندیدہ ہے لیکن جسم میں جان نہ ہو۔ تو جسم کس کام کا بجلی کے قمقمے میں بجلی کی لہر نہ آئے تو قمقمے کی خوبصورتی سے اور شیشے کے رنگ برنگ ہونے سے دل پر اور آنکھوں پر کیا اثر ہوگا؟ اب مسلم دنیا اس پر اتر آئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جرنیل کی صورت میں پیش کیا جائے۔ ایک سیاسی اور انقلابی لیڈر دکھایا جائے۔ ایک دوسرا اٹھتا ہے اور اپنا کمال یہ دکھاتا ہے کہ آپ بہت بڑے تاجر تھے۔ کیا نبوّت کی یہی شان ہونی چاہیئے کہ اپنے نبی آخرالزمان کو ایک اچھا گڈریا ثابت کرنے میں اپنا قلم توڑا جائے۔

یہ جرنیلی، یہ لیڈرشپ تو ساری دنیا میں پھیلی پڑی ہے اور کوئی ملک اس سے خالی نہیں۔ لیکن وہ تعلق جو آپ کی ذات اقدس کو اللہ تعالےٰ کے ساتھ تھا۔ اور جس درجے کا تھا۔ آج تو کیا جب سے آپ گذرے کوئی دوسرا دکھا سکتا ہے؟ معجزات، ہم کلامی وغیرہ جو کچھ انبیا علیہم السلام سے اس تعلق الٰہیہ کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئے۔ وہ بھی اپنی جگہ بہت بلند درجہ کے تعلقات ہیں۔ لیکن ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہو کر ہمکلامی کا شرف حاصل ہونا۔ یہ آخری اور بلند ترین عرفان کسی کو نصیب ہوا؟ اور "فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحٰی" کے پاک الفاظ تو اس درجہ بلندی پر لے گئے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مَاۤ اَوْحٰی میں کیا کچھ رازہائے دروں خانہ (حریم قدس) سے آشنا فرمایا گیا۔ اور اپنے علوم سرمدیہ سے کس درجے تک نوازا گیا۔ تا آنکہ یہ بھی فرمانے کی ضرورت ہوئی مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی یہ شناسائی یہ معرفت الٰہیہ آپ کے جسم و جان پر اس درجہ غالب ہو گئی کہ آپ کی ذاتِ اقدس کے ہر فعل اور ہر حرکت کو ذاتِ الٰہی کی طرف منسوب فرمایا گیا۔ اور فرمایا وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی۔ اور کسی دوسری جگہ "وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی" فرمایا گیا۔

غرض آپ کے افکار، آپ کے علوم اور آپ کے اخلاق و عادات سب کچھ اس نشۂ معرفت کی روشنی میں چمکتے اور دمکتے تھے۔ اور تمام کی آبیاری ذات عزّاسمہٗ کی ذاتِ اقدس سے ہر گھڑی اور ہر آن ہو

رہی ہوتی۔ اپنا کچھ نہ تھا سب کچھ ان کا تھا جن کی یہ ساری دُنیا ہے۔ اور جن کا بنایا یہ سب کھیل ہے۔ وہ خود شہنشاہ نہ تھے بلکہ خلیفۃ اللہ تھے۔ قُل کا لفظ اس پر شاہد ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہ قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ہ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ وغیرہ۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ شل کیسے۔ ہم سب کچھ خود ہیں اپنے ارادے سے سب کچھ کرتے ہیں۔ اور اپنے خیال سے جیتے مرتے ہیں۔ لیکن وہاں یہ کہاں۔ خود کہاں۔ جو کچھ ہیں وہی۔ اپنا پتہ تک نہیں۔ جینا مرنا سب ان کے لئے۔ اپنے لئے نہیں۔

دنیاوی لیڈرشپ خود ہی خود ہے۔ اس کے اندر کسی کا انعکاس نہیں ہوتا۔ بلکہ سب سے اچھا لیڈر وہی ہے جو اپنے افکارِ بلند سے سب کچھ بنائے اور بگاڑے۔ لیکن نبوّت و رسالت میں ایک قدم بھی اپنی مرضی سے اٹھایا نہیں جاسکتا۔ جو کچھ ہے حکم کی تابعداری۔

ایسے حال میں دنیاوی رہنماؤں اور سیاسی پیشواؤں کے ساتھ نبوت کو کھڑا کرنا۔ ایک مسلمان کو کتنا دکھ دینے والی بات ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اس تقابل سے آپؐ کی ذات اقدس کو روشن کرنا مقصود ہو۔ لیکن پھر بھی جب تک اصل رشتۂ الٰہی کو روشن تر کر کے نہ دکھایا جاوے یہ تقابل بھی حرام ہے ہمیں تو نبی کریمؐ کی ذات اقدس ایک فقیرِ بے نوا کی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ جس کے فقرِ بے نوا نے شہنشاہیت کے پرخچے اڑا دیئے۔ اور جس کے سایہ ہما پایہ نے دنیا کے ہر خطرہ کو امن میں تبدیل فرما دیا اور جس کی شیریں کلامی نے دنیا کو ذاتِ الٰہی کی طرف متوجہ کر دیا۔ جس نے دنیا کی خوبصورتی کو ایک بدصورت بڑھیا سے تعبیر کر دکھایا۔ اور جس نے برائی سے بچا کر ہمیں ہر نیکی کی طرف متوجہ فرما دیا۔ کفر سے نکال کر مسلمان بنایا۔ اور اس دنیاوی زندگی سے نکال کر اس پاک زندگی کی راہ دکھائی۔ جو ہمیشہ کے سرور و خوشی سے پُر ہے ؎

کس خوشی کی خبر سنا کے ہمیں غم کا پُتلا بنا دیا تُو نے

دنیاوی نظم و نسق کے لئے عقل سب سے بڑی منتظم و مہتمم ہے۔ لیکن روحانی زندگی یا روح کے لئے

اس کے استدلال، اس کے افکار بیکار ہیں۔ لیکن جیسے جسم، جان کے بغیر کسی کام کا نہیں ہوتا۔ اسی طرح عقل قلب و دل کے بغیر کسی کام کی نہیں۔ اقبال مرحوم کہتے ہیں ؎

؎ خرد کی گتھیاں سُلجھا چکا میں
میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

یہ کیوں کہا! صرف اس لئے۔ کہ صرف عقل پریشانی کے سوا کچھ نہیں۔ جب تک عقل کے ساتھ قلب پاک نہ ہو وساوس و خطرات پیچھا نہیں چھوڑتے۔ دنیاوی کارسازی کے لئے عقل بڑی دولت ہے۔ لیکن روح کے اطمینان و آرام کے لئے قلب پاک ہی ایک سہارا ہو سکتا ہے۔

خدائے قدوس جو سراسر جان عالم ہے۔ اور ہر مادیات سے پاک ہے اس کو اگر تعلق ہے تو جسم اور مادیات کے ساتھ نہیں۔ بلکہ روح اور جان کے ساتھ ہے۔ اور روح و جان کا تعلق قلب کے ساتھ اتنا ہے کہ اس کے بغیر زندگی زندگی نہیں رہتی۔ بلکہ موت طاری ہو جاتی ہے۔

نبوت بھی سراسر جانِ عالم ہوتی ہے اور دنیا کی تمام روحیں، کیا انسان اور کیا حیوان۔ کیا اشجار اور احجار تمام کی روحی زندگی نبوّت کی روح سے آبیاری کئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ گو مادی اسباب پر ایمان رکھنے والا اس تخیل پر ایمان نہیں لا سکتا۔ لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالےٰ نے اپنے لئے منتخب فرمایا۔ اور جن کو اس راہِ محبت میں لگایا اور جن کو اپنی ہستی مطلق کی لَو لگائی وہ پورے اطمینان کے ساتھ دنیا کو یہ راستہ دکھلانے میں تازہ دم پائے جاتے ہیں۔ کہ دنیاوی اسباب و علل کے پیچھے کچھ ایسی روحِ مطلق کارفرما ہے کہ جس کی عکّاسی کے بغیر دنیا ایک منٹ زندہ نہیں رہ سکتی۔

کسی زمانے میں ہر مسلمان کا یہی عقیدہ تھا۔ صرف لفظی نہیں بلکہ پورے یقین کے ساتھ وہ دنیا کو اس کی دعوت دیتا تھا۔ اور ایک آن کی آن میں مخاطب کو اس پر لے آتا تھا کس سے؟ زبان سے نہیں۔ بلکہ اپنی قلبی شعاعوں سے۔ اور اپنے کامل یقین اور اپنی مستانہ نظر سے۔ لیکن آج کا مسلمان کیا۔ ایک عالم بھی عالمِ اضطراب میں پھنسا نظر آتا ہے۔ اور دنیاوی علل و اسباب کے سوا اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ بلکہ یوں کہو کہ خدائے ذوالجلال بھی اس کو علل و اسباب کے اندر جکڑا نظر آتا ہے۔ ایسی صورت میں جو کچھ بھی نبوّت و رسالت کی بابت کوئی

لکھے۔ تو اسی نظریہ کے ماتحت نہ لکھے تو کیا لکھے۔ جب خود اندھا ہے۔ تو دوسرے اندھوں سے وہی کچھ کہے گا۔ جو ہاتھوں سے ٹٹول کر دیکھے گا۔ نہ اپنی نظر ہے اور نہ کسی دوسرے کی نظر سے کام چل سکتا ہے۔ ایسے لوگوں سے رہبری کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ لیکن آج کی دنیا بے کار نہیں بیٹھ سکتی۔ اپنے فکر و نظر پر کچھ نہ کچھ دکھانا اپنا فرض خیال کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی آخر الزمان کی صورت و سیرت کا نقشہ مادی خاکے اور سانچے میں ڈھال کر ایک خدمتِ دین تصوّر کرتا ہے۔ نہیں دین کی خدمت تو کجا، قومی اور ملی خدمت تصوّر کرتا ہے۔ نہ خدائے قدوس سے تعلقات کی ضرورت نہ نبوّت سے واسطہ پیدا کرنے کا خیال۔ اپنی نظر و فکر اپنا اللہ ہے اور اپنا شک و گمان اپنا نبی ہے۔

ایسے حال اور وقت میں ضرورت تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ ایسا اٹھے۔ جو تعلق باللہ کے ساتھ نبوّت سے بھی واسطہ رکھتا ہو۔ اور جس کے افکار و خیالات پورے ایک مسلمان کے خیالات و افکار کی جھلک میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ وہ عالم باعمل ہونے کے باوجود صاحبِ فکر بھی ہو۔ اور سیرتِ نبی کریم کو ایک ایسی دلکش صورت میں پیش کرے۔ کہ ہر مسلمان پڑھنے کے بعد حقیقی صورتِ نبوت سے آشنا ہو جائے اور عقل کے پردوں کو ہٹا کر نورِ نبوّت کو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ اور اس کے خدوخال سے آشنا ہو کر دین کا حقیقی مفہوم سمجھے۔ اور دینِ الٰہیہ کو صرف واحد ذریعہ نجات دنیا و آخرت سمجھے۔ اور اس پر ایمان لائے

فطرتِ صحیحہ اپنے عمل کو وقتی طور پر چھوڑ سکتی ہے لیکن فراموش نہیں کر سکتی۔ رسالت کی حقیقت اور اس کی تاثیرات نے ہمیشہ قلبی انقلاب پیدا کئے۔ اور ہمیشہ دل کی یہ پیاس اندر ہی اندر ہدایت کا پانی طلب کرتی رہتی ہے۔ اور ہدایت کی خاموش آواز قلوب کو گرماتی رہتی ہے۔ رازِ فطرت کے کھولنے والے کبھی کبھی اللہ تعالےٰ ظاہر فرماتے رہتے ہیں۔ تاثیراتِ نبوت کیا ہیں؟ کتابِ ہدایت کا یہ ایک مضمون ہے ہدایت کے اسی روشن خیال کو ہمارے عزیز مولانا حاجی فضل احمد صاحب خطیب جامع مسجد نور نے روحی تربیت کے بعد اپنے دل و دماغ میں لیا اور ہمیشہ اپنے خطبہ جمعہ وغیرہ میں بیان کیا۔ ان کی حالت بفضلہ تعالیٰ سے

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں فقیروں پر اسرارِ شہنشاہی

(خدا معلوم اقبالؒ کا "اسرارِ شہنشاہی" میں کیا تصوّر ہو۔ ہمارا تصوّر و خیال تو یہ ہے کہ اسرارِ شہنشاہی سے مراد اسرارِ الٰہیہ ہیں۔ باقی اسرار کیا ہوں گے۔ افکار ہوتے ہیں اور خیالات) اس مضمون کے عین مطابق ہے۔ جن لوگوں نے آپ کو دیکھا اور آپ سے کچھ سنا۔ یا جمعہ کی اقتدا کی۔ ان کو زیادہ بتلانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن دوسرے ناظرین کتاب خود دیکھ لیں گے۔ کہ ان کی تحریر جادو بھری کیا کچھ لکھ جاتی ہے۔ جو لکھنے میں نہیں آتا۔ اور کس طرح وہ عقلی حجابات کو ہٹا کر نورِ مطلق کے اندر چلے جاتے ہیں۔ اور کس درجہ پر رسالت و نبوّت علی صاحبہا الصلوٰۃ کے ساتھ ان کو وابستگی ہے اور کیسے دینِ حق کی حقیقت کو دیکھتے ہیں۔ اور کس درجہ آخرت و قیامت پر ان کا ایمان ہے۔ اور جنّت و دوزخ کے تصوّر کو یقین کے کس درجہ پر رکھتے ہیں۔ ایک مسلمان کا راس المال یہ کچھ ہی ہے۔ کہ دین کے ہر عقیدے پر حقیقی طور پر ایمان لائے۔ اور دنیاوی معاملات کی طرح ان پر یقین رکھے اور وقت کے تقاضوں سے بلند ہو کر دین کے تقاضوں کو مقدم خیال کرے۔ اور کسی قسم کی لچک اس کے دل میں نہ ہو۔ صدیقؓ و عمرؓ کے ایمان کی روشنی اس کے دل و جان پر مستولی ہو۔ عثمانؓ و علیؓ کے کردار کا نمونہ ہو۔

نام

کتاب کے نام کئی تجویز ہوئے۔ لیکن ایک دوست کا تجویز کردہ نام اَنْوَارُ الْھُدٰی فِی سِیْرَۃِ الْمُصْطَفٰے اس تالیف و تصنیف کے ساتھ زیادہ موزوں نظر آیا۔ اس نام کا ایک پہلو ظاہر ہے۔ یعنی یہ کتاب انوار الہدیٰ سیرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لکھی گئی۔ لیکن حقیقی اور باطنی معنے یہ ہیں۔ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے اندر ہدایت کے انوار بھرے ہیں۔

اَللّٰہُ یَجْتَبِیْۤ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْۤ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ۔

اللہ تعالےٰ اپنی (محبت کی طرف) جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور اپنی طرف اُس کو راہنمائی فرماتا ہے جو اس کی طرف مائل ہو۔

اللہ تعالےٰ کے دستِ قدرت میں ہدایت کا سارا ساز و سامان ہے۔ لیکن اس نورِ ہدایت کو حاصل کرنے کے لئے انسانی توجہ اور توجہ کے بعد جد و جہد نہایت ضروری ہے ورنہ ایمانی کیفیات اور صراطِ مستقیم کا حصول مشکل ہے۔ بزرگوں کا فرمان ہے۔

که "فیضِ حق ناگاه مے رسد ولیکن بر دلِ آگاہ مے رسد"

؎ در طلب کوش و مدہ دامن امید ز دست　　دولتے ہست کہ یابی سرِ راہے گاہے

اس لئے ایسی کتابوں کا مطالعہ جن سے ہدایت کے اسباق ملتے ہیں اور روحانی بیداری پیدا ہوتی ہے ہر مسلمان مرد اور عورت کے لئے از بس ضروری ہے۔

آخر میں مولےٰ کریم سے التجا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اس روشن کتاب کو قبول فرمائے اور قبولیت عامہ سے اسے سرفراز فرمائے۔ اور اس کی طرف مسلمانوں کو متوجہ فرمائے اور پڑھنے پڑھانے کی توفیق بخشے اور پڑھنے کے بعد اس درجہ ہمارے ایمان کو روشن فرمائے جو ایک مسلمان دل کے لئے ضروری ہے۔ اور جس سے ہماری دینی و دنیاوی فلاح ہو۔ بلکہ وہ دل ہو جاوے۔ جو مؤلف اور مصنف کا دل ہے۔ تاکہ یہ رشتہ الٰہی ہمارے دلوں میں پختہ ہو جائے اور نجات اخروی ایک کامیاب نجات ہو یہ چند حروف احباب اور مؤلف صاحب کی خواہش پر لکھے۔ ورنہ میں کیا اور یہ لکھنا کجا۔ شاید کہ ان کے ساتھ ہم بھی تُل جائیں اور پار نکل جائیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

محمد عمرؒ کان اللہ لہٗ۔ از بیربل شریف ضلع شاہ پور
۱۵ رجب ۱۳۷۷ھ۔ ۵ فروری ۱۹۵۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

مقدمۃ الکتاب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم (امابعد)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

الہامی اسرار و رموز

انسان ساری کائنات میں اشرف المخلوقات ہے۔ باقی تمام زمینی اور آسمانی مخلوق اس کی تابع اور خدمتگزار ہے۔ اس کی زندگی کا یہ زمینی دور نہایت پرمعنی، بے حد نازک اور نہایت ہی صبر آزما ہے۔ بنی بنائی آباد اور رونق بھری دنیا میں ایک خاص مقصد دے کر اسے بھیجا گیا۔ لیکن اس مقصد خاص کو سامنے رکھنے کی بجائے اور اس مقصد میں اپنی کامیابی کے ذرائع اور ناکامی کے اسباب پر غور کرنے کی بجائے اسے بھرپور دنیا میں مختلف قسم کی کمیاں نظر آتی ہیں۔ اور انہیں کمیوں کو پورا کرنے میں اپنی زندگی کی قیمتی گھڑیاں برباد کرکے یہ رخصت ہو جاتا ہے اور موت کے بعد جہان اَبد میں جاکر عذاب، رنج اور ندامت کی نہ ختم ہونے والی پائیدار زندگی بسر کرنے پر اسے مجبور ہونا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات بے حد رحیم و کریم ہے۔ اس نے اپنے فضل و کرم سے ہر انسان کی اپنی بھلائی برائی کی الہامی دریافت اور فطری سمجھ کو ناکافی جان کر ہدایت کا اتنا بڑا روحانی سلسلہ ظاہراً قائم کر دیا کہ ساری دنیا اس کی لپیٹ میں آگئی۔ عقلی دریافتوں کے علاوہ الہامی دریافتوں نے مذہب کی صورت اختیار کی اور دنیا میں ہر لحاظ سے بہترین انسانوں کے سینوں کو اللہ تعالیٰ نے کھولا اور وحی و الہام کے ذریعے آسمانی رموز و اسرار سکھائے اور نہایت واضح الفاظ میں ان اسرار کو بیان کرنے کا حکم دیا۔

بعض الہامی اسرار و رموز یہ ہیں

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی رسالت اس بے خبر دنیا میں نہایت شان سے موجود ہے۔

۳۔ انسانی زندگی کا مقصد الغیب کی طاقتوں کے ساتھ عبادت کے ذریعے تعلق پیدا کرنا ہے۔

۴۔ اس عالمِ دنیا کے علاوہ اور جہان موجود ہیں۔

۵۔ یہاں سے رخصت ہونے والا انسان دوسرے جہان میں جا کر آباد ہوتا ہے۔

۶۔ وہاں کی زندگی کا تمام سرمایہ اور سارے اسباب اس مختصر زندگی میں حاصل کئے جانے ضروری ہیں۔

۷۔ یہاں کی زندگی کا راحت و رنج، دکھ سکھ اور خوشی، غمی یہاں عکسی اور عارضی صورت میں موجود ہیں۔ لیکن وہاں اپنی حقیقی اور پائیدار شکل میں قائم ہیں۔

۸۔ وہاں کی زندگی دو جہانوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک رنج و غم اور درد و الم کا جہان ہے، جسے جہنم کہتے ہیں۔ جہنم میں سب سے بڑا عذاب اور درد وصلِ محبوبِ حقیقی سے دوری اور مہجوری کا درد و عذاب ہے اور طرہ یہ کہ وہ مدت کبھی ختم نہ ہوگی۔ دوسرا عیش و راحت اور لذت و سرور کا عالم ہے جسے جنّت کہتے ہیں اور جنت کی سب سے بڑی لذت اور سب سے بڑی کامیابی وصلِ محبوبِ حقیقی ہے اور وہ وصل جس کو فراق و جدائی کا کوئی خدشہ نہیں ہے۔ اور یہ وہ نعمت ہے جس کو کبھی زوال نہ ہوگا۔

۹۔ یہ دونوں جہان ہمارے یہاں کے خیال اور عمل کے نتیجے سے وابستہ ہیں۔ اگر وہاں کی زندگی کو تسلیم کر لیا۔ پھر الہامی احکام کے مطابق عمل شروع کر دیا اور خیال و عمل کے دوام سے نتیجہ اعمال کی انتظار میں حقیقی ایمان لانے کے بعد اخلاص و تقوے سے عمل کرتے رہے اور خاتمہ ایمان پر ہو گیا تو حیاتِ دنیا کے ختم ہونے کے فوراً بعد نہایت قابلِ رشک اور آرام و عیش کے اسباب سے بھری ہوئی پر سرور زندگی حاصل ہو جائیگی اور اگر دوسری زندگی کو تسلیم نہ کیا اور اس کے تقاضوں کے مطابق اپنی زندگی کو نہ ڈھالا اور اپنے تخیل عمل اور نتائج عمل کا الہامی معیار چھوڑ کر صرف عقلی، مادی اور ظاہری معیار جب چاہا مقرر کر لیا تو ایسی

زندگی مقصدِ حقیقی سے دور پھینک دے گی اور یہ کفر و الحاد اور فسق و فجور کی زندگی ہو گی، اور پھر ایسی ناپاک زندگی کی پاداش میں وہاں کی زندگی نہایت پر آشوب، درد و الم اور رنج و غم سے بھری ہوئی جسمانی عذاب اور ذہنی پریشانیوں سے پُر زندگی مرنے کے فوراً بعد ملنے والی ہے اور اس مصیبت بھری زندگی سے چھٹکارا ناممکن ہوگا۔

۱۰۔ اگرچہ حیاتِ دنیا اور بعد الموت کی زندگی میں انسان کی تمام ضروریات اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ ہیں۔ لیکن دنیوی زندگی میں اس ذات بے مثل و بے مثال کا ظہوری جلوہ باطن کے پردوں میں چھپا ہوا ہے۔ جس کا ڈھونڈنا انسان کا فریضۂ حیات ہے اور یہی ایک انسان کا معراج کمال ہے۔ کہ وہ اس زندگی میں دل کی آنکھیں ایسی روشن کرے کہ باطن کے پردوں سے رازِ حقیقت کو جھانک سکے۔ لیکن دوسری زندگی میں اس ذات اقدس کا جلوہ و ظہور اپنی پوری تابانی سے رونق محفل ہے اور اس جلوہ کا ظہور اتنا غالب ہے کہ منکر سے منکر بھی وہاں انکار کی گنجائش نہیں پاتا۔ اور سراپا اقرار و تسلیم بن جاتا ہے لیکن اس وقت اقرار و تسلیم کا اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس عالم روح کی سفارت یہاں قائم ہے اور سفارت کے فرائض انجام دینے والے ایسے بہترین لوگ ہوتے ہیں جو اپنے وقت کے سب سے زیادہ با اعتبار انسان ہوتے ہیں جنہیں نبی اور رسول کہا جاتا ہے۔ وقت کے پیغمبر کی گفتگو کا زیادہ حصّہ اس عالم سے متعلق ہوتا رہا ہے جس عالم کے منوانے کے لئے اسے یہ منصب عطا ہوا۔ اور پیغمبر کا اپنا عمل تمام انسانوں کے لئے بہترین نمونہ ہوتا ہے

۱۱۔ حکومت الٰہیہ اور اس کی سفارت کی تسلیم کے بعد ماننے والے کے لئے ایک لائحہ عمل ہوتا ہے اور زندگی بسر کرنے کا نہایت اعلےٰ طریقہ جس میں اس طریقۂ کار کی اکثر حکمتیں پوشیدہ اسرار کے علاوہ ظاہری بے شمار فوائد اپنے اندر رکھتی ہیں۔ بعض ایسے کاموں[1] کے کرنے کا حکم ہوتا ہے جن کی حکمت اور فوائد عوام پر کھلے نہیں ہیں اور بعض طبعی تقاضوں[2] کے روکنے کا فرمان ہوتا ہے اور نہایت عجیب و غریب واقعات اور امثال کے ساتھ اچھے اور برے انسانوں، فرمانبردار اور نافرمان لوگوں کے انجام کار کو پیش کیا جاتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ تسلیم و اتباع کا ظاہری نتیجہ یہ ہے اور انکار و سرکشی کا انجام یہ ہے۔

---

[1] اوامر [2] نواہی

اس کی مختصر توضیح یہ ہے کہ پیغمبر اور ان کے تربیت یافتہ حضرات دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اور ان کے مقابلے میں آنے والے سرکش لوگ آخرت میں تو ذلیل و خوار ہوں گے ہی وہ دنیا میں بھی تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا قصہ، موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور اس کی قوم کی حکایت اور ایسی ہی دوسری حکایات پڑھیں تو نتیجہ آپ کے سامنے آجائے گا۔

دنیوی زندگی میں جدوجہد کا محرّک

مستقبل کی بھلائی کا خیال اور آنے والے وقت کی بہتری کا تصوّر ہی تمام محنتوں اور مشقتوں کی بنیاد ہے۔ اور عالم کی تعمیر میں عزم اور محنت کا جتنا حصّہ ہے اس سے کہیں بڑھ کر مستقبل کے تصوّر کا دخل ہے۔ کوئی اپنی ذات کے لئے جان کھپاتا ہے۔ کوئی بال بچّوں کے لئے پسینے بہاتا ہے۔ کوئی قوم اور وطن کی بھلائی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگاتا ہے۔ بہر حال آنے والا وقت ہر شخص کو محنت پر اکساتا ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ ایک وکیل قانون کی باریکیوں کو سمجھتا ہے اور وہ غیر وکیل کی قانون کے متعلق رائے کو کچھ وقعت نہیں دیتا۔ اسی طرح ڈاکٹر اپنے فن کو جانتا ہے اور بدن کی صحت اور بیماری کے معاملے میں وہ اپنی رائے پر اعتماد رکھتا ہے۔ اسی طرح ایک سائنسدان اپنی معلومات پر بھروسہ رکھتا ہے۔ اپنے آلات کو جانتا ہے۔ اور ان کو اپنی منشا کے مطابق استعمال کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک باوقار سائنسدان کے فن میں کسی غیر واقف کا دخل دینا دخل در معقول کے برابر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قانون کو سمجھنے اور اس کو استعمال کرنے کے لئے ہر شخص وکلا کی طرف رجوع کرتا ہے اور ہر بیمار حکیم اور ڈاکٹر کی رائے کو بیماری کی تشخیص اور علاج میں قابلِ اعتماد جانتا ہے اور اپنی عقل و فہم کو اور اپنی ہر قسم کی قابلیت کو ان کے مقابلے میں پست اور ناقابلِ اعتماد جانتا ہے۔

یہ علوم اور یہ فنون سب ظاہری احوال سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ہر شخص اپنی عقل و دانش سے انکے اصول و فروع کو سمجھ سکتا ہے لیکن نہایت تعجب کی بات ہے کہ روحِ انسانی، عالمِ غیب اور آسمانی احوال جن کے کسی جزو یا کل

کو عقل انسانی دریافت کرنے سے عاجز ہے۔ اس کے بارے اکثر ناواقف اور ناتربیت یافتہ لوگ اپنی رائے قائم کریں اور اس کو جا و بے جا استعمال کریں۔ یا ان اہم اور ضروری مسائل کے بارے میں اہل فن اور تربیت یافتہ حضرات سے رجوع نہ کریں تو یہ بہت بڑی نا سعادت مندی ہوگی۔ ہر کارے و ہر مردے کی مثال کے مطابق علم روح اور عالم آخرت کے بارے انبیاء علیہم السلام اور ان کے تربیت یافتہ حضرات ہی سند ہو سکتے ہیں۔ اس واسطے ان اہم مسائل میں انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے ارشادات حرف آخر ہو سکتے ہیں لیکن اس دنیوی زندگی میں بعض پوشیدہ تقاضے ایسے بھی ہیں جو انسان کی سعادت کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ بنے رہتے ہیں۔ ان تقاضوں کی رب سے خطرناک پیداوار شیطان اور نفس ہیں۔ شیطان جنّات کی ذات سے تعلق رکھتا ہے جو انسانی جسم میں آسانی سے آ جا سکتا ہے اور نفس انسانی اپنی ہی سرکش طاقتوں کا ایک مرکب ہے جو انسان کے اپنے اندر پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں طاقتیں مل کر انسان کے اندر ایسی کھلبلی پیدا کر دیتی ہیں کہ اس کی دور بین نگاہیں عارضی حیات کے وقتی تقاضوں سے دور کی ہر ایک بات سوچنے اور دیکھنے کی طاقت کھو بیٹھتی ہیں — اور انسان اشرف المخلوقات بنائے جانے کے باوجود ذہناً اور عملاً ارذل المخلوقات بن کے رہ جاتا ہے اور اپنی سعادت کے راستے صاف کرنے کی بجائے اپنے اوپر بند کرنے میں اپنی زندگی کی سنہری گھڑیاں خرچ کرتا ہے

انبیاء علیہم السلام اللہ تعالےٰ کے حکم سے جب بھی تشریف لائے نفس اور شیطان کے فریب میں آئے ہوئے انسان نما حیوان ان کے آسمانی اشارے نہ سمجھے، اور ان کو اپنی ظاہری عیش پرستی اور دنیا دوستی کے خلاف دیکھ کر ان کے مقابلے میں آ گئے۔ ایسے لوگ ظاہراً کسی بھی حالت میں ہوں پیغمبروں کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ لیکن زیادہ تر ان کی دنیوی حیثیت ظاہری جاہ و جلال سے بہرہ ور رہتی ہے اور اسی زور و زر کے دھوکے میں آ کر وہ بے بصیرت ہونے کے باوجود اپنے آپ کو عقلمند بھی سمجھتے ہیں۔ اور ان کی محدود یک طرفہ خردمندی مادی دنیا میں تو انہیں بعض فائدے پہنچا بھی دیتی ہے لیکن وہ تمام تر فائدے مستقبل قریب کے فائدے ہوتے ہیں۔ چونکہ مستقبل قریب کا ہر فائدہ انسان کو طبعاً محبوب و مرغوب ہے اور اس کے لئے وہ ہر قسم کی قربانی اور محنت و مشقت برداشت کرتا ہے۔ اس واسطے اہل دنیا عارضی فائدوں کو چھوڑنا کسی طرح بھی گوارا نہیں کرتے اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کا کوئی ارشاد عارضی فائدوں کا ذمہ نہیں لیتا۔ اس لئے کوتاہ اندیش اور غیر سعادت مند لوگ

انبیاءعلیہم السلام کی باتوں کو اپنی نادانی اور کوتاہ اندیشی سے غیر مفید سمجھتے ہیں۔

چونکہ سلسلہ ہدایت کے نمائندے یعنی انبیاءعلیہم السلام آدمی کو اس کے اپنے مستقبل کے حقیقی فائدے اور پائیدار نفع سے روشناس کراتے ہیں اور مشاہداتِ ظاہر سے کہیں دور مقصود کو دیکھنا اور اس کی طرف قدم بڑھانا روحانی بیداری اور روح کی قوت و توانائی سے وابستہ ہے اور پیغمبروں کے مخالفین اپنی سرکشیوں اور گناہ گاریوں سے دل کی روحانی قوت ضائع کر بیٹھتے ہیں اس لئے وہ پیغمبروں کی الہامی دریافتوں کا انکار کر دیتے ہیں، نہ صرف انکار ہی کرتے ہیں بلکہ اپنے مشاہدات پر اعتماد کرتے ہوئے الہام کے پوشیدہ اسرار کو غیر معقول سمجھتے ہیں اور انبیاءعلیہم السلام کو جھٹلاتے ہیں اور ان کی مخالفت کرتے ہیں اور اس مخالفت میں اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں آہستہ آہستہ ان کی یہ دشمنی ذاتی دشمنی بن جاتی ہے اور سلسلۂ ہدایت کو مٹانے میں اپنی جان تک کی بازی لگا دیتے ہیں۔ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ (کفار اللہ تعالےٰ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ تعالےٰ اپنے نور کی تکمیل فرمانے والا ہے اگرچہ کافر ناپسند کریں)

ہدایت کے نور میں بے پناہ قوت ہوتی ہے۔ انبیاءعلیہم السلام اسی قوت کے خزانہ دار ہوتے ہیں اور چونکہ تعمیری قوتیں تعمیر کے قابل اجزا کی ہر قیمت پر سلامتی چاہتی ہیں اس لئے کچھ وقت تو مخالفین کی سرکشیاں اور ان کی ہر قسم کی زیادتیاں نہایت صبر و تحمّل سے برداشت ہوتی رہتی ہیں لیکن دوسری جانب انبیاءعلیہم السلام کے مخالفین ان کی ظاہری شان و شوکت کو کمتر دیکھتے ہیں اور ان کی باطنی بے پناہ پوشیدہ قوتوں سے بے خبر ہوتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے سامنے جو بے کسی اور ناتوانی ہے وہ بجلی کے اس تار کی مانند ہے جو بظاہر تانبے کا ایک کمزور تار ہے لیکن سارے کا سارا بجلی گھر اس کی اپنی قوّت ہے اور وہ ہر وقت اس کی امداد پر تیار ہے، جب بھی کسی نے اس تار سے گستاخی کی گویا سارے پاور ہاؤس کو دعوتِ مقابلہ دی۔

اس لئے انبیاءعلیہم السلام کی مخالفت میں قدم بڑھانا بظاہر ان کے لئے آسان ہوتا ہے اور جب کوئی شخص مرکزِ ہدایت سے بیر مول لیتا ہے اور اپنے ہادی کا استحقار اس کے اندر چلا جاتا ہے تو اس کی اپنی اندرونی روشن قوتیں ختم ہونا شروع ہو جاتی ہیں تا آنکہ اس کا دل کفر و عصیان کا ظلمت کدہ بن جاتا ہے۔ اور

جب کسی قوم یا فرد میں قبولِ خیر کی نورانی شعاعیں ختم ہو جاتی ہیں اور ان کے قلوب پر ظلمت غالب آجاتی ہے اور وہ اپنے قوائے شر و فساد کو خیر کی قوتوں کے خلاف استعمال کرنے میں بے باک ہو جاتے ہیں تو قدرت کا زبردست ہاتھ ان سے انتقام لینے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے اور جب کسی کے خلاف آسمانی عذاب کا فیصلہ ہو چکتا ہے تو سوائے توبہ و استغفار، انابت اور رجوع الی اللہ کے کوئی طاقت اسے ٹال نہیں سکتی۔

حقائق عالم چاند تاروں کی طرح ہمیشہ چمکتے رہتے ہیں اور ذرا سی روحانی عقل رکھنے والا انسان ان حقائق کو اپنی بصیرت کی آنکھ سے نہایت آسانی سے دیکھ سکتا ہے۔ سلسلہ ہدایت کی ایک تاریخ ہے۔ اور ضلالت (گمراہی) کی بھی ایک تاریخ ہے اور یہ تاریخ اپنے اپنے وقت میں بھی ہمیشہ دہرائی جاتی رہی۔ اور آنے والی نسلوں نے بھی اسے دہرایا اور تصویر کے یہی دونوں رخ الہامی کتابوں میں خالقِ کائنات نے پیش کئے۔

انبیاء علیہم السلام ہادی عالم بن کر دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔ اور ہمیشہ ایسے وقت میں پیغمبر کا ظہور ہوتا ہے جب گمراہی اپنے سفر کی بیشتر منزلیں طے کر چکتی ہے۔ پیغمبر وقت جب بھی تشریف لایا اس نے دنیا پر چھائی ہوئی شیطنت کے خلاف آواز اٹھائی۔ شیطنت کو یہ کبھی بھی گوارا نہیں کہ کوئی اسے مٹا کر اور اسے فنا کر کے اپنا سکہ چلائے۔ اس لئے وہ ہمیشہ اپنی بقا کے لئے ہدایت کے ساتھ دست و گریبان ہو جاتی رہی ہے۔ اور یہ عجب ہے کہ پیغمبر کے پاس مادی لحاظ سے ہمیشہ بے سر و سامانی کا سامان ہوتا رہا ہے۔ اور بے کسی و غربت کے بغیر ظاہر اسباب کا اس کے پاس کوئی حصہ بھی نہیں ہوتا رہا۔ ایک درویش خدا مست اکیلا تن تنہا اپنی فطرت کی صلاحیتوں کو اور فرمان الٰہی کی طاقت کو لے کر اٹھتا ہے اور سرکشی اور ضلالت کے لاؤ لشکر کے مقابلے میں آجاتا ہے۔ گمراہی اپنے تمام ہتھیار صرف ایک مردِ خدا کے خلاف استعمال کرتی ہے لیکن الغیب کی بے پناہ قوتیں اس کی ہر حرکت کو نفرت سے دیکھتی ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (اللہ کریم مددگار ہیں ایمان والوں کے۔ اور کافروں کا کوئی مددگار نہیں) اور اس کی جرأت پر ہنستی ہیں اور انجام کار اس کی تمام کوششوں کو خاک میں ملا کر رکھ دیتی ہیں۔ بے سر و سامانی سامان پر غالب آجاتی ہے اور بے کسی ہر قسم کے لاؤ لشکر کو پسپا کر دیتی ہے۔

بعض اخلاص بھرے سینوں میں ہدایت کی نورانی قوتیں بیدار ہوتی ہیں اور نہایت تھوڑے وقت میں پیغمبر کے سینے کا نور اور اس کے دل کی گرمی ان کی تمام قوتوں کی تربیت فرما دیتی ہے۔ وہ امیر ہوں خواہ فقیر، پڑھے لکھے ہوں خواہ ان پڑھ سب کے سب ایک رنگ میں رنگے جاتے ہیں اور اپنے پیغمبر کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ اور ہدایت کی شمع پر پروانہ وار فدا ہوتے ہیں۔ پھر مادی قوتوں سے سرشار اور بدمست انسانیت کے مقابلے میں یہ بے سروسامان خدامست فداکاروں کی مٹھی بھر جماعت کفر کے مقابلے میں آتی ہے۔ پھر اس مقابلے کو کائنات کا ذرہ ذرہ آنکھیں کھول کر دیکھتا ہے کہ کفر و عصیان تباہ ہو جاتا ہے اور حق و انصاف غالب کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ (البقرہ) (بسا اوقات چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی بڑی جماعتوں کو شکستِ فاش دیتی ہیں۔

آپ ذرا غور کریں حضرت نوح علیہ السلام کے مقابلے میں قوم نوحؑ کی تعداد دیکھیں۔ ان کی قوت دیکھیں پھر دیکھیں ایک مردِ فقیر کے درد بھرے سینے سے کفر و سرکشی کے خلاف ایک ہوک اٹھتی ہے جو دنیا کے سارے نظام کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔

ابراہیم خلیل اللہ ایسے ماحول میں پیدا ہوتے ہیں جہاں توحید کا خیال کسی کو خواب میں بھی نہیں آتا۔ اللہ کا یہ خلیل توحید کی دلنواز بنسری بجاتا ہے۔ بت پرستی اور طاقت پرستی اس آواز سے گھبرا کر سامنے آتی ہے۔ قوت و استدلال اپنے تمام تیر، ترکش سے نکال لیتے ہیں۔ اللہ کا یہ مرد اپنے دل و جان کی متاع لے کر میدان میں آجاتا ہے۔ کفر سے دو دو ہاتھ ہوتے ہیں۔ انجام کار اے سننے والے! تیری آنکھیں دیکھتی ہیں کہ نمرود شہنشاہ بابل ایسی ذلت کی موت مرتا ہے جو تمام دنیا کے لئے عبرت ہے۔ مچھر کا تو صرف بہانہ ہی تھا۔ الغیب کی غیر محدود قوتوں نے مچھر کی امداد کی اور نمرود کو ذلت کی موت مار کر فی النار کیا۔

موسیٰ علیہ السلام ایک ایسی قوم کے فرد ہیں جو ہر قسم کی شرافت کے باوجود انتہائی ذلت کے گڑھے میں گر چکی ہے اور ایک سرکش انسان کا زبردست ہاتھ ساری قوم کی ہڈیوں کا گودا بھی نکال کر کھا گیا ہے۔ اس قاہر و غالب قوت اور مکمل سرکشی اور طغیان کے مقابلے میں اللہ تعالےٰ کا صرف ایک مردِ فقیر اٹھتا ہے جو زبانِ حال و قال سے یہ پکار رہا ہے رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ (القصص) (الٰہی میں

تیری رحمت کی طلب میں ایک بے نوا فقیر ہوں۔

فرعون با سامان اپنی ہر قسم کی قوتوں کو حرکت میں لاتا ہے اور تمام ظاہر و پوشیدہ طاقتوں کو میدان میں لا ڈالتا ہے۔ اے صاحب بصیرت! تیری آنکھ نے دیکھ لیا۔ کہ فرعون کا انجام کیا ہوا۔ اور اس کی قوم کہاں گئی

ہمارے ہادی اعظم امام الانبیاء حبیب کبریا اللہ کے فرمان واجب الاذعان سے مکے کی سرزمین میں میراث خلیل تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں بھی ابلیس اپنے تمام ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے اور کفر و گناہ کی سب فوجیں مقابلے میں لا کھڑی کرتا ہے۔

نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریف پنجہ شکن نئے

وہی فطرت اسداللہی وہی مرحبی وہی عنتری

لیکن اے صاحب بصیرت مردِ خدا! تو نے دیکھا کہ اہل مکہ کا حشر کیا ہوا۔ بیشک سرورِ دو عالم کو دکھ دینے میں وہ کامیاب رہے۔ آپ کے غلاموں کو پریشان کرنے میں وہ فتح مند ہوئے حضور کو شہر بدر کرنے میں وہ جیت گئے۔ لیکن عارضی اور فنا ہونے والی کامرانی کامیابی نہیں۔ بچوں کا کھیل ہے اَلْحَقُّ یَعْلُوْا وَلَا یُعْلٰی یعنی حق ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے اور ناکام نہیں ہوتا۔ انجام کار کفر کو وہ شکست ہوئی جو پہلے آسمان نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ قریش کے سردار مارے گئے۔ مکہ فتح ہو گیا۔ عرب بھر میں اسلام کا ڈنکہ بجنے لگا۔ اور آفتاب اسلام کی شعاعیں دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ گئیں۔ اور قیامت تک کے لئے خدا دوستی، حق پرستی اور آخرت شناسی کی راہیں اہل عالم پر کھل گئیں اور یہی نورِ ہدایت اور پیغام ہدایت کا مقصد اول و آخر تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عالمِ خلق اور عالمِ امر

لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ

عالمِ خلق اور عالمِ امر دونوں اسی (اللہ تعالےٰ) کے قبضے میں ہیں

اس عالمِ خلق میں ہر ایک چیز اسباب سے وابستہ ہے۔ اگرچہ مخفی طاقتیں سب کچھ کرتی ہیں اور پوشیدہ قوتوں کے بغیر کوئی سبب مفید اور مؤثر نہیں ہے تاہم ظاہر بین آنکھ اسباب کو دیکھتی اور اسباب ہی کو مؤثر سمجھتی ہے اس واسطے مسلمان کے لیے اس حقیقت کا جاننا ازبس ضروری ہے کہ جہان دو ہیں ایک خلق کا جہان اور دوسرا امر کا جہان۔

عالمِ خلق تو یہی ہے جس کو قرآن حکیم میں دنیا کہا گیا ہے اور یہاں کی زندگی کو قرآن مجید نے حیات الدنیا فرمایا ہے۔ لفظ دنیا کے معنی "پست" کے ہیں لہذا حیات الدنیا سے مراد پست زندگی ہے۔ اسی عالم کو "دار الاسباب، دار المحن اور دار الغرور" کہتے ہیں۔ ان ناموں سے آپ اندازہ لگائیں کہ یہاں کی زندگی کیسی پرخطر زندگی ہے۔

مرنے کے بعد جس جہان میں روحیں جاتی ہیں وہ بہت ہی وسیع جہان ہے۔ قرآن کریم میں اس جہان سے متعلق یوں فرمایا گیا ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۔ (قرآن کریم۔ سورۃ الکہف)

اگر سمندر سیاہی بن جائیں اور اللہ تعالےٰ کی باتیں لکھنے لگیں تو سمندر ختم ہو جائیں اس سے پہلے کہ اللہ تعالےٰ کی باتیں ختم ہوں اور اگرچہ ایسے سمندر اور بھی لے آئیں۔

یہ آیتِ پاک اور اس قسم کی بیسیوں آیات ایسی ہیں جو عالمِ امر کی وسعت سے متعلق ہیں۔ وہ جہان بے انتہا لطیف ہے، ہماری عقلیں اس کی لطافت کو نہیں پہنچ سکتیں۔ یہ ایتھر اور اس قسم کی دوسری سائنس کی دریافتیں تمام عالمِ خلق سے متعلق ہیں جن کو ابھی تک مکمل طور پر دریافت نہیں کیا گیا۔ اور بڑے بڑے سائنسدان یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ ہماری جدوجہد کی مثال سمندر کے کنارے بیٹھے ہوئے ایک بچّے کی ہے جو سمندر کے گھونگھوں سے کھیل رہا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ چوٹی کے سائنسدانوں کا یہ اعتراف عالمِ خلق کے عجائبات کے بارے میں ہے اس لئے کہ عقلِ انسانی کو صرف عالمِ خلق سے متعلق ہر طرح کی دریافت کی قوت دی گئی ہے اور عالمِ امر اتنا لطیف عالم ہے کہ عقلِ بشری اس کی حقیقت کو پہنچ نہیں سکتی۔

عالمِ امر کے مراتب

جس طرح مادی جسم کی تخلیق اس مادی دنیا میں ہوئی ہے اسی طرح ہر روح کی تخلیق کا تعلّق عالمِ امر سے ہے قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ (آپ کہہ دیں کہ روح میرے اللہ کے امر سے ہے اور تمہیں تھوڑا علم دیا گیا ہے) اگرچہ عالمِ امر اس عالمِ دنیا کو محیط ہے اور اس عالمِ دنیا میں جاری و ساری ہے۔ تاہم مدارج اور مناصب کے لحاظ سے عالمِ امر کے بھی اس عالمِ خلق کی طرح مدارج اور مراتب ہیں، اس کے سفلی مراتب بھی ہیں۔ جن کی ابتدا نباتات سے ہوتی ہے کہ یہاں نباتی روح ترکیبِ آب و گل سے خود جسم کے اندر پیدا ہوتی ہے، اور بعض نباتاتی تخم زمینی مواد سے مل کر ایک خاص قسم کی تاثیر پیدا کرتے ہیں اس آمیزش سے وہ نباتی روح وجود میں آجاتی ہے جس کے ذریعے نشوونما ہوتی ہے، اس مقام پر عالمِ خلق کی بلند ترین طاقتیں عالمِ امر کی اسفل ترین قوتوں سے مل جاتی ہیں جس سے روحِ نباتی کی تخلیق ہوتی ہے۔

اس کے بعد عالمِ امر کے وہ مراتب ہیں جو حیوانی جسموں میں حیوانی روحوں کی تخلیق کا مقام ہیں، پہلے مرتبوں سے یہ مقام بلند ہے، نباتات میں اگرچہ روح موجود تھی لیکن ظاہر حال میں ارادہ اور حرکتِ ارادی کا فقدان تھا۔ لیکن اس مرتبہ یعنی حیوانی زندگی میں اگر جسم میں جان آئی تو وہ ارادہ اور حرکتِ ارادی کی قوت سے بھی

سرفراز تھی - اگرچہ یہ ارادہ اور یہ قوتِ ارادی اپنی اپنی طبقاتی حدود سے کسی طرح متجاوز نہ ہوسکتی تھی - یعنی ہر چھوٹا بڑا حیوان اپنی خصوصیات کو عمر بھر قائم رکھتا ہے اور خارج کی تربیت کا اثر اس میں نفی کے برابر ہے۔

عالم امر میں وہ مقام بلند ترین مقام ہے جہاں جسم کے لحاظ سے عالم خلق میں بہترین مخلوق یعنی انسان کیلئے اس کے شایان شان روح کی تخلیق ہوئی ہے۔ یہ روح اگرچہ فرشتوں کی سی نورانیت تو اپنے اندر نہیں رکھتی اور عرش وکرسی وافلاک کی ارواح کی طرح بھاری بوجھ برداشت بھی نہیں کرسکتی - لیکن اس روح کی پیدائش میں خالق کائنات نے اپنی کمال قدرت کی مکمل نشانیوں کا اظہار فرمایا ہے۔ یہ روح ذاتِ الٰہی اور صفاتِ خداوندی کا مقام خلافت حاصل کرنے کے لئے ذات وصفات کا ایسا کامل مظہر بننے کی جامع کمالات کی حامل بنائی گئی کہ دوسری مخلوق کو خواہ ملائکہ مقربین ہی کیوں نہ ہوں ایسا کمال عطا نہ ہوا۔

روح کیا ہے؟

روح کا مسئلہ مادی اشیاء کا علم نہیں کہ مشاہدے کی قوتیں اور عقل کی طاقتیں جسے حل کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہتی ہیں - روح کا مسئلہ ہمیشہ فلاسفۂ عالم کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ رہا ہے اور دنیا بھر کے فلاسفر اس امر الٰہی کے بارے کوئی قطعی رائے قائم نہیں کرسکے۔ روح انسانی کو حیوانی روح فرض کرلینا اور اسے باقی حیوانات کی روحوں کی طرح زمین کی مخلوق سمجھنا عقل کی کوتاہ اندیشیوں کا ایک واضح ثبوت ہے۔ انسانی روح ایک ایسی نورانی مخلوق ہے جس کی تخلیق اس وقت ہوئی جب جسمِ انسانی کی ہئیت کذائی کا نقشہ تقدیر کے پردوں میں نہاں تھا اور اس کی صورت وسیرت سے کائنات کی کوئی شے آشنا نہ تھی۔ هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَذْكُورًا۔ کیا انسان پر وہ گھڑیاں نہیں گزریں جب یہ کوئی ایسی چیز نہ تھا جس کا زمانے میں ذکر ہوتا۔

فرشتوں کی روحیں ہیں، شجر وحجر کی روحیں ہیں، بحر وبر کی روحیں ہیں اور ہر ایک روح کو ایک خاص جسم دیا گیا ہے۔ جب کسی چیز کا ذکر ہوتا ہے تو اس کی روح مراد ہوتی ہے جب اللہ تعالےٰ نے آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر اپنی امانت پیش کی اور ان سب نے امانتِ الٰہی اٹھانے سے انکار کیا۔ تو ان پیشکش

کا مخاطب کون تھا؟ اور انکار کس نے کیا؟ وہ روح افلاک اور روح ارضی ہے اور وہی روح کوہ و دمن ہے۔ جس کو امانت الٰہی اٹھانے کا حکم ہوا۔ اور اسی روح نے ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ادھر انسان اس مادی جسم میں ابھی نہیں آیا تھا اور نہ ہی اسے اپنی صورت جسمانی اور اپنی ہیئت بدنی سے شناسائی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو جسے افلاک نے نہ اٹھایا جسے زمین نے اٹھانے سے انکار کر دیا اور پہاڑوں سے وہ امانت نہ اٹھائی گئی، اس کے سامنے رکھا تو اس کی مستعد اور بے باک طبیعت نے امانت کو اٹھانے کا اقرار کر لیا اور ناقابل برداشت بوجھ کو اٹھا لیا۔

ے آسماں بار امانت نتوانست کشید
قرعہ فال بنام منِ دیوانہ زدند

اس جہان میں جس قدر مختلف اجسام نظر آتے ہیں چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک حیوانات میں اور رائی سے لے کر بڑے بڑے عظیم اشجار تک نباتات میں اور ذرے سے لے کر پہاڑ تک جمادات میں ان کی ہزاروں اجناس اور لاکھوں انواع ہیں۔ ان میں سے ہر ایک جنس کی روح بھی اس کی شکل و صورت کی طرح مختلف ہے اور جس طرح ہر جنس کی صورت اور سیرت مختلف ہے اسی طرح ہر روح کی صورت اور اس کے خواص جداگانہ ہیں۔ فرشتوں کی روح میں مکمل نورانیت اور خالص عبادت و طاعت ہے۔ جنات کی روح میں سرکشی طغیان اور نافرمانی کا غلبہ ہے۔ حیوانات کی روحیں اپنے اپنے خواص میں مختلف ہیں۔ کسی میں اطاعت کا عنصر غالب ہے کسی میں سرکشی کا مادہ زیادہ ہے اور کسی میں ضرر رسانی کی بھرمار ہے اور کسی میں سراسر فائدہ ہے لیکن کوئی روح بھی ایسی نہیں جو کسی وقت بھی اپنے مخصوص دائرۂ عمل سے باہر نکلے۔ فرشتوں کی ذاتِ اقدس سے سرکشی اور نافرمانی ناممکن ہے۔ اسی طرح حیوانات مَلَکیت کی خوبیوں سے ناآشنا ہیں۔

صرف انسان ہی ایک ایسی عظیم مخلوق ہے جس میں عرش سے لے کر فرش تک کی تمام زمینی اور آسمانی مخلوق کے جسمانی اور روحانی خواص اور تاثیرات کامل حکمت کے ساتھ ایک معین مقدار سے بھر دیئے گئے ہیں متضاد اور مختلف قسم کی گوناگون قابلیتوں کے عطا ہونے سے انسانی روح کو تمام قسم کی مخلوق کے خواص و کمالات بھی حاصل ہیں۔ تاثیر و تاثر بھی اس درجے کا اسے حاصل ہے کہ کوئی دوسری مخلوق اس کا

مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور ہر قسم کی متضاد صفات کی تربیت میں بھی ید طولیٰ رکھتی ہے جب بلندی کی طرف رخ کرتی ہے تو آسمانی فرشتے بھی اس کی گرد کو نہیں پہنچتے اور پستی کی طرف قدم بڑھاتی ہے تو اسفل السافلین کی خبر لاتی ہے۔ نورانیت حاصل کرنے لگے تو خود خالقِ اکبر کے نور مبین میں غوطہ لگا کر فنافی اللہ کا درجہ حاصل کرتی ہے۔ اور اگر ظلمت کے دلدل کی طرف متوجہ ہو تو بحرِ ظلمات کی شبِ تار کو بھی پیچھے چھوڑتی ہے۔ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ۔ (اندھیرے تہ بہ تہ ہیں) یہ نفسِ انسانی کی گراوٹوں کا ایک نقشہ ہے۔

اس کی خیر کی قوتیں تربیت پا جائیں تو قربِ خداوندی کا انتہائی مقام حاصل کر لیتی ہیں۔ اور اگر شر کی طاقتیں پروان چڑھیں تو اس سے بدتر کوئی دوسری مخلوق نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ باقی مخلوق کا خیر و شر سب جبلّی اور فطری ہوتا ہے لیکن انسان کا خیر و شر کسبی اور اختیاری ہے۔

ربوبیت کا اتم درجہ ذاتِ باری کے بعد اسے حاصل ہے۔ اپنی اور غیر کی ہر قوت کی تربیت اس کے لئے آسان ہے۔ کَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا

اس کے عزم و ارادہ میں تسخیرِ عالم کا راز پوشیدہ ہے اور اس کی مخفی طاقتیں ظہور کی مسند پر بیٹھ کر نظمِ عالم کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتی ہیں۔ ؎

آدمی زادہ طرفہ معجونے است ۔۔۔ از فرشتہ سرشتہ و از حیواں

گر کند میل آں شود بہ ازیں ۔۔۔ ور کند قصد ایں شود بہ ازاں (سعدیؒ)

(آدمی کا بیٹا عجیب و غریب معجون ہے جو فرشتوں اور حیوانات کی طاقتوں سے مرکب ہے۔ اگر حیوانیت کی طرف جائے تو حیوانات سے کم تر۔ اور اگر ملکیت کی طرف بڑھے تو فرشتوں کو پیچھے چھوڑ دے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا

اس آیہ کریمہ سے انسان کی جامعیت صفات کا راز ظاہر ہو رہا ہے کہ اسے خالق و مخلوق کے درمیان وہ برزخیت حاصل ہے کہ تمام مخلوق کی ادنٰے و اعلیٰ صفات بھی اس میں موجود ہیں۔ اور خالقِ اکبر کی صفات کا پرتو قبول کرنے کی پوشیدہ قوتیں بھی اس کے وجود میں موجود ہیں۔ انسان کو کائناتی ارتقا کا مقامِ اعلےٰ

سمجھنا اور صرف اسفل قوتوں کے ابھار کا آخری نتیجہ ماننا نہ صرف الہامی تعلیمات کو جھٹلانا ہے بلکہ انسانی عظمت اور شان کے خلاف بھی ایک ناقص اور قبیح جذبہ کا اظہار ہے اور یہی خود عقل کی ناقصیت کی دلیل بھی ہے انسانی روح قدرتِ خداوندی کا شاہکار ہے اور اس کی بلندیاں اس مقام پر ہیں جہاں عقل کی نگاہ کی رسائی نہیں ہے اسے حیوانیت کا نمائندہ قرار دینا اور اسے حیوانی روح کی ترقی یافتہ شکل قرار دینا ایک محدود شعور کی نشانی ہے۔ اور قلبی قوتوں کی عدم بیداری کی دلیل ہے۔ انسانی روح کی برتری عالم امر کے بلند ترین مقامات سے وابستہ ہے جس کا اشارہ قرآن پاک میں ان الفاظ میں موجود ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔

جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا کیا تو اس کو خلیفہ بناتا ہے جو زمین میں فساد کرے گا اور خون گرائے گا اور ہم تیری تعریف اور پاکیزگی کا ورد کرتے ہیں۔ فرمایا! میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

فرشتوں پر اللہ تعالٰے نے یہ ظاہر کیا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ یہ تو زمین میں فساد بپا کرے گا اور خون ریزی کرے گا۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے کہ آدم کی تخلیق میں جو جامعیت صفات رکھ دی گئی ہے وہی اسے خلافت دلانے کا سبب بن رہی ہے۔

حضرت آدمؑ خلافتِ الٰہی کے تخت پر بٹھائے گئے۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس ہمارے نائب کی اطاعت اور فرمانبرداری کا عملی اقرار کریں اور آدم کے سامنے سربسجود ہو جائیں فرشتے یہ حکم پاتے ہی سجدے میں گر گئے ابلیس نے آدم کے سجدے سے انکار کر دیا اور اللہ تعالٰے نے پوچھا کہ اے ابلیس! کیوں تو نے سجدہ نہ کیا وہ کہنے لگا الٰہی! میں آدم سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا۔ آدم کو مٹی سے بنایا۔ یہاں اللہ تعالٰے شیطان پر ناراض ہوتے ہیں کہ اس نے حکمتِ خداوندی اور فرمانِ الٰہی دونوں کے سامنے سرکشی اور طغیان اختیار کیا۔ اللہ تعالٰے نے اسے اپنے قرب کی نعمت سے محروم فرما دیا اور اس کے گلے میں

لعنت، (یعنی دوری) کا طوق ڈال دیا اور معرفتِ الٰہی کا درجہ اس سے چھین لیا۔ یہ تمام گفتگو قرآن کریم پارہ ہشتم سورۂ اعراف میں ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ (اعراف رکوع ۲)

بے شک جب ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورت بنائی تو ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کا سجدہ کرو۔ سب نے آدم کو سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا (اے ابلیس) تجھے کس چیز نے روکا کہ میرے حکم سے سرتابی کرے۔ وہ کہنے لگا۔ میں آدم سے بہتر ہوں۔ مجھے اے خدا! تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے بنایا ہے۔ فرمایا یہاں سے نیچے چلے جاؤ اور تجھے یہ حق نہیں کہ تو یہاں تکبر کرے۔ نکل جا، پس تو ذلیل لوگوں میں ہو گیا۔

آدم کی برتری اور آدم کی فوقیت شیطان کو نہ بھائی۔ اس نے اپنی بڑائی ثابت کرنا چاہی۔ فرمانِ الٰہی سے سرکشی کی اور وہ اپنے مرتبے سے گر گیا۔ آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت سے دشمنی کی ٹھان لی۔ آدم کے اجزائے ترکیبی سے واقف تھا۔ بطبع آدم سے اسے آشنائی دلائی گئی تھی۔ اللہ تعالےٰ سے اپنی زندگی بڑھانے کی درخواست کی۔ حکم ہوا کہ ایک معین وقت تک تجھے مہلت ہے" اس پر وہ کہنے لگا کہ جس چیز کے عوض تو نے اے خدا مجھے گمراہ کیا میں اولادِ آدم کے لئے بھی وہی چیز اس طرح تیار کروں گا کہ تیرے سیدھے راستے پر بیٹھ جاؤں گا اور انہیں ٹیڑھے راستے دکھاتا رہوں گا۔ میں ان کے سامنے سے آؤں گا۔ پیچھے سے آؤں گا۔ دائیں سے آؤں گا اور بائیں سے آؤں گا۔ پھر ان کی کثرت کو تو اپنے شکرگزار بندے نہیں پائے گا۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۔ ترجمہ: بولا تو جب تو نے مجھے بدراہ کیا ہے میں بیٹھوں گا ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر۔ پھر ان پر آؤں گا آگے سے اور پیچھے سے اور داہنے سے اور بائیں سے اور نہ پائے گا تو اکثر ان میں شکرگزار۔

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

روحِ انسانی کی تربیت

روحانی اور جسمانی تربیت میں فرق

حیاتِ انسانی جسم و جان کے باہم ملنے سے وجود میں آتی ہے۔ جب تک یہ اتّصال موجود ہے حیاتِ دنیوی موجود۔ جب جسم و روح میں انفصال ہوگیا تو دنیوی زندگی ختم ہوگئی۔ جسم کو دیکھنے والی آنکھ قدرت نے پیدائش کے دن ہی کھول دی تھی۔ اور روح کو دیکھنے والی آنکھ کو روح کی طرح پوشیدہ رکھا۔ جس طرح جسم کا جہاں جسم ہی کی آنکھ دیکھ سکتی ہے اسی طرح روح کا عالم روح کی آنکھ ہی دیکھ سکتی ہے۔ جب تک وہ پوشیدہ اور خوابیدہ آنکھ نہ کھلے۔ تب تک روحانی زندگی کا کوئی عکس ہماری یہ جسمانی زندگی قبول نہیں کر سکتی۔

جسم کی تربیت کے اسباب سے دنیا بھری پڑی ہے۔ زمین میں اگلنے کی قابلیت جسم کی تربیت کے لئے رکھی گئی۔ آسمان سے پانی برسا اسی کی پرورش کے لئے۔ نباتات و حیوانات سب اسی کے قیام و بقا

ؔ واضح ہو کہ اس حقیقت کا جان لینا ہر خاص و عام کے لئے از بس ضروری ہے کہ سرورِ کائنات فخرِ موجودات تاجدارِ مدینہ حضور پر نور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد صرف اور صرف روحانی تربیت ہے۔ یہی اسلام کی روح ہے اور اس کتاب کی غرض و غایت بھی صرف اسی حقیقت سے آگاہ کرنا اور اس کے حاصل کرنے کی ترغیب دلانا ہے۔

روحانی تربیت کے بغیر صرف دینِ اسلام کا علم ایک تنِ بے روح ہے

جسم خواہ خوب صورت ہو یا بد صورت، چھوٹا ہو یا بڑا روح کے بغیر بہر حال مردہ ہے لیکن موجودہ دور میں اس اظہر من الشمس حقیقت سے اس قدر بے اعتنائی برتی جا رہی ہے کہ معرفتِ الٰہی کو دینِ اسلام سے بالکل الگ تھلگ کر دیا گیا ہے جیسے کہ یہ اسلام سے کچھ واسطہ ہی نہیں رکھتی۔ حالانکہ اسلام کا اصل مقصد صرف معرفتِ الٰہی ہے۔ صاحب کشف المحجوب ابوالحسن علی بن عثمان بن علی الجلابیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی قیمت معرفتِ الٰہی سے ہے جسکو معرفتِ الٰہی نہ ہو اس کی کوئی قیمت نہیں۔"

کے لئے بنائے گئے۔ غرضیکہ ہر قسم کی مخلوق جمادات، نباتات، حیوانات سب جسمِ انسانی کی مختلف ضرورتیں پوری کرنے کے لئے وجود میں آئے۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ اس نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے ہی لئے بنائیں۔

روحِ انسانی جو ایک نورانی مخلوق ہے اور صنعتِ الٰہی کا شاہکار ہے اور جس کے بغیر انسان اینٹ پتھر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اس کو بھی تربیت کی ضرورت ہے لیکن مادی اسباب اس کی تربیت کے لئے شایاں نہیں۔ اس کی تربیت اور حفاظت کے لئے روحانی اسباب کی ضرورت ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد

انبیاء علیہم السلام کی آمد کا مقصد اسی آسمانی روحِ خفتہ کو بیدار کرنا اور اس کے شعور کو حیوانی شعور پر غلبہ دلانا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا اپنا شعور عام انسانی شعور سے کہیں بلند ہوتا ہے۔ ان دونوں میں دریا اور قطرے کی نسبت اور آفتاب اور ذرے کی نسبت ہے۔ اس بلند شعوری میں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے مشاہدات بیان فرماتے ہیں۔ اپنے احساسات میں آئی ہوئی محسوسات کو پیش کرتے ہیں۔ فرشتوں کا صرف نام ہی نہیں لیتے بلکہ ان کو دیکھتے ہیں۔ ان سے ہاتھ ملاتے ہیں اور ان سے گفتگو کرتے ہیں۔ ان سے مشورے لیتے ہیں

آسمان پر چڑھنے کا تخیل مادی دنیا میں راکٹوں کے ذریعے بھی اس ترقی یافتہ دور میں ابھی خواب و خیال ہے۔ لیکن عالمِ امر کی قوتوں کو استعمال کر کے انبیاء علیہم السلام ایک چشم زدن میں اس جسم کو آسمان پر لے جاتے ہیں اللہ تعالےٰ کا صرف نام ہی نہیں لیتے بلکہ خدا تعالےٰ کے جلوے دیکھتے ہیں۔ اس سے کلام کرتے ہیں۔ اس کی محبت کی مستی میں سرشار ہوتے ہیں، اس کی اپنی زبانی ہدایات حاصل کرتے ہیں۔ اس کی ذات کے انوار اپنے قلب پر لیتے ہیں۔ اس کی صفات سے تعلق پیدا کرتے ہیں۔

آسمان کی جانب کوئی دروازہ کھلا نہیں ہے۔ عالمِ امر کی چیزوں کا نام تو ہر ایک کو معلوم ہے لیکن ظاہر میں ان کا نشان موجود نہیں۔ عالمِ امر کی نمائندگی اس خاکدان میں رہ کر انبیاء علیہم السلام فرماتے ہیں۔

وہ اس طرح کہ ان کے اشاروں سے بغیر اسباب کے ایسے کام ظہور میں آتے ہیں کہ اسباب اور دوران وقت کے بغیر ان کا ظہور میں آنا بظاہر ناممکن ہوتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی ذات اگرچہ دوسرے انسانوں کی طرح انسانی جسم میں ہوتی ہے لیکن ان کی روح کی لطافتیں اپنی اصلی حالت پر ہوتی ہیں نفس امارہ کے ہر قسم کے غلبے سے پاک، شیطان کے وساوس سے بالکل الگ، معصومیت اور پاکیزگی کی انتہائی بلندیوں پر جلوہ افروز ہوتی ہے۔

روح پیغمبر کی لطافت، نورانیت اور قوت اس قدر غالب کہ آسمانی تعلق کا ہر وقت غلبہ۔ ذات خداوندی کا مشاہدہ موجود۔ عالم آخرت کے ہر قسم کے نظارے پیش نظر، اشیا کے حقائق سامنے۔ محبت، انس، مودت اپنے پورے جوبن پر۔ اطاعت اور فرمانبرداری کے نتائج سے آگاہ۔ ظلم اور نافرمانی کے انجام سے واقف ذاتی احساسات بے انتہا تیز۔ نظر ہمہ وقت آسمان پر۔ خدا تعالیٰ کی قوتوں کا مشاہدہ اور اندازہ سامنے۔ جواس ظاہری مکمل طور پر باطنی قوتوں کے تابع۔ حالات ظاہری میں حسن صورت، حسن سیرت سے آراستہ۔ عقل کامل اور اخلاق عالیہ کے شاندار لباس سے مزین۔ خاندانی لحاظ سے برتر و اعلیٰ۔ بچپن سے لے کر جوانی تک ان کے کسی عمل پر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں ہوتی۔

علوم آسمانی کے سرچشمے انکے سینے سے جاری۔ استدلال ایسا کامل کہ مخالف مبہوت ہو جائے۔ کلام ایسا مؤثر کہ دشمن دوست بن جائے۔ غرض نبی اور رسول کی ایسی مقدس ذات ہوتی ہے جو اللہ تعالےٰ کی مقبولیت کے انتہائی درجے پر فائز۔ خلافت الٰہی کا تاج سر پر رکھے۔ دنیا میں بھولے بھٹکے غافل انسانوں کو ان کی اپنی حقیقت یاد دلانے کی خاطر ذات باری انہیں اپنا خصوصی پیغام دے کر گمراہ اور دھوکے میں آئی ہوئی انسانیت کو صراط مستقیم دکھلانے کی خاطر دنیا میں بھیجتی ہے۔

روح انسانی جسم انسانی میں آنے سے پہلے

روح انسانی اپنے موجودہ وطن میں عقل و شعور سے آراستہ ہے ورنہ دنیا میں آنے سے پہلے اس پر تجلیات الٰہی کا غلبہ اس قدر تھا کہ یہ ان تجلیات میں محو تھی۔ اس طرح جیسے آفتاب کی روشنی میں ذرات عالم

محو ہوتے ہیں۔

روحِ انسانی جسمِ انسانی میں آنے کے بعد

انسان کا معصوم بچّہ جب دنیا میں آتا ہے تو کامل بے خبری اور بے شعوری میں ہوتا ہے۔ دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے لیکن پہچان جو شعور کی جان ہے وہ مفقود، نہ نفع کا پتہ نہ نقصان کا علم۔ نہ خوشی سے واقف نہ غم سے آشنا۔ نہ اپنے سے محبت نہ بیگانے سے نفرت۔ نہ دوست سے الفت نہ دشمن سے بیر اس حال میں مردہ بدست زندہ کی صورت میں صرف آسمانی روح اور گوشت پوست کا ایک مختصر سا مجسمہ ہمارے سامنے ہوتا ہے۔

ہماری صحبت میں رہ رہ کر اور آب و دانہ کی تاثیر سے وہ آہستہ آہستہ شعورِ دنیا کی دولت حاصل کرتا ہے۔ میٹھے کڑوے کی طبعی الفت اور نفرت، درد اور آرام کی فطری تکلیف اور راحت سے نکل کر اپنے بیگانے کی معرفت کے زینے پر چڑھتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اس کا شعور ترقی کرتا ہے اور ماں باپ، گھر والے اس کے دوست بنتے ہیں۔ پھر محلے کے بچّوں سے محبّت اور نفرت کرنا سیکھتا ہے اور اس کا شعور ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا تیزی سے آگے بڑھتا ہے۔ اس کے جسم کے ساتھ ساتھ اس کی محبّت اور الفت بھی جوان ہوتی ہے۔ اس کی نفرت اور عداوت بھی اپنے جوبن پر آتی ہے۔ ابتدائے شعور سے سنِ شباب تک یہ اسباب کے عالم کو دیکھتا ہے، آزماتا ہے اور نفع و نقصان، ترقی اور تنزل کے اسبابِ ظاہر سے خوب واقف ہو لیتا ہے۔

غیر تربیت یافتہ روحِ انسانی کے مشاغل عالمِ دنیا میں

بچّہ جوں جوں جوان ہوتا جاتا ہے اس کا شعور زمین کی مخلوقات کو تیرتی ہوئی نگاہ سے دیکھتا جاتا ہے جمادات، نباتات اور حیوانات کی قسمیں، ان سب کے فائدے اجمالی طور پر اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ فلسفہ اور سائنس سے اسے طبعی لگاؤ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے شعور کا قریب ترین ٹھکانہ فلسفہ اور

سائنس کے مشاہدات اور مصنوعات ہیں اور یہ اپنے شعور کو اپنی طبیعت کے لگاؤ سے آب و گل کے ان کھلونوں سے اچھی طرح مانوس کر لیتا ہے اور حسبِ وقت اور مناسب حال کبھی کبھی اپنی دانش کا استعمال یوں بھی کر لیتا ہے ۔ کہ بھاپ اور بجلی کی تیز تیز طاقتیں اپنی عقلِ خداداد سے جمادات کے آلات میں بھر لیتا ہے ۔ وہ یوں کہ اپنی صنعت یعنی مشینوں اور ان زمینی طاقتوں یعنی بھاپ اور بجلی کے امتزاج سے ایک ایسی مخلوق وجود میں لاتا ہے کہ حیوانات کے جسم و روح میں اور اس میں صرف یہی فرق ہے کہ حیوانات شعور اور ارادہ بھی رکھتے ہیں اور ہماری مشینیں شعور اور ارادہ سے محروم ہیں اور انسان کے شعور اور ارادہ کی اتباع میں کام کرتی ہیں ۔ بظاہر تو یہ کمال ایسا ہے گویا انسان نے قدرت کی طاقتوں کو اپنا لیا ہے ۔ اور خلاقیت کی ایک منزل طے کر لی ہے کہیں کہیں پست فطرت انسان کے دماغ میں یہ تخیل جاگزیں ہو جاتا ہے کہ خدائی قدرت بس اسی کا نام ہے کہ فطرت کی طاقتوں کو قابو میں لاؤ اور ان کا استعمال اپنی منشا کے مطابق کرو۔

روحانی تربیت اور معرفت الٰہی سے محروم لوگوں کے پیشوا اور انکی حقیقت

قدیم فلسفے نے انسانی شعور کو اس قدر دھکا لگایا کہ غیر مرئی (آسمانی) مخلوق کے وجود ہی سے انکار کر دیا۔ اور خلا بیرون عالم کو تسلیم ہی نہ کیا اور انسان کے آسمانی شعور کی راہیں بند کر دیں، اور انسان کو دنیا کے گڑھے میں ایسا گرایا کہ حیاتِ دنیا سے آگے کسی دوسرے عالم سے متعلق گفتگو کرنا بھی اس کے نظریے سے خارج کر دیا۔ لیکن سائنس کی موجودہ دریافتوں نے انسانی شعور کو ایک اور کروٹ دی اور غیر مرئی اشیاء کو ثابت کرنے میں اپنی جدوجہد صرف کی اور اپنی کوشش کے مطابق کامیابی حاصل کی اور مادیات کی وادی سے نکل کر روحانیت کی بلندی پر قدم رکھا۔

اب اس حال میں اگر سائنس آسمانی تعلیمات کی راہنمائی قبول کر لیتی اور ایک ایسے عالم کا اعتراف کرتی جہاں کی مخلوق مادی مخلوق نہیں بلکہ امرالٰہی کی پیداوار ہے اور جس کے عدم اور وجود کے لئے اسباب کی ضرورت نہیں وہاں بے سببی ہی سبب بن جاتی ہے۔

اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (قرآن کریم) جب اللہ تعالےٰ کسی چیز کے بنانے

کا ارادہ فرماتا ہے تو فرماتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔

اور امرِ الٰہی کا سب سے زیادہ ظہور انسانی وجود میں ہے اور آسمانی قوتیں اس کے اپنے سینے میں تربیت پاتی ہیں۔ اور انسانی ذات ایک لازوال ذات ہے اس کی فنا میں اس کی بقا ہے۔ مرنے کے بعد یہ زندہ ہے صرف جہان کی تبدیلی ہے اور یہاں رہ کر جس نے اپنی سعی و کوشش کو بعد الموت کے لئے استعمال کیا۔ حیاتِ آخرت کی تمام بھلائیاں اس کے حصے میں ہیں اور جس نے مرنے کے بعد کی زندگی سے انکار کر دیا یا اقرار تو کیا لیکن حیوانی قوتوں کے غلبے کی وجہ سے اپنے شعور کو تربیت نہ دی اور سرکشی قبول کی اور ظلم و عصیان کی زندگی بسر کی۔ اسکے مرنے کے بعد اس کی زندگی تو موجود ہے لیکن اس زندگی میں اس کے لئے درد و الم، ذلت اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ۙ وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی ؕ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی ؕ (والنازعات)

سو جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی بے شک دوزخ ہی (اس کا) ٹھکانہ ہے۔ اور جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو چاؤ سے روکا پس بے شک بہشت ہی (اس کا) ٹھکانہ ہے۔

سائنس کے کمالات کا منبع عقلی قوتیں ہیں اور عقلی قوتیں محسوسات کے دائرہ سے باہر قدم نہیں رکھ سکتیں اس لئے موجودہ دور کے ترقی یافتہ فلاسفروں نے ایسی غیر محسوس اشیا کا اقرار تو کر لیا لیکن اس اقرار کا مدار بھی مادی قوتیں اور ذاتی تجربات تھے۔ قلبی طاقتیں اور روحانی قوتیں اگر دورِ حاضر کی راہنمائی کرتیں تو موجودہ وقت میں تبلیغ حق کے لئے اور غیر مادی جہاں ثابت کرنے کے لئے خود سائنسدانوں کی تحقیقات اور اس کے نتائج راہنمائی کا ایک آلہ بن سکتے تھے لیکن افسوس کہ موجودہ دور کے اہل تحقیق بھی لکڑی کے پاؤں کے سہارے زندگی کی غیر محدود اور مشکل راہ کو طے کرنے کے درپے ہوئے جس کے نتیجے میں انسانی حیات کا مسئلہ لاینحل ہی رہا اور دورِ حاضر کی تحقیقات اور مصنوعات صرف اسی حیوانی زندگی کے راحت و آرام اور خوشی و انبساط میں اضافہ کر سکیں اور ابدی زندگی کے لئے کوشش کا میدان ان کے لئے ویسے کا ویسا ہی خالی رہا۔ اور سائنس

ابدی حیات کے لئے کوئی عقدہ حل نہ ہو سکا۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے انکار کر دیا اور اخلاق و اعمال کی قدریں اہل سائنس نے آسمانی ہدایات سے وضع نہ کیں۔ اور اپنے وقتی اندازوں سے وضع کر لیں جس سے مادی اسباب میں ترقی زندگی کا مقصود قرار پایا اور اسی ہار جیت کے لئے اقوام عالم کے دل و دماغ اور اجسام وقف ہو گئے۔ انسانیت کی ہمدردی صرف خود ساختہ کیپٹلزم، سوشلزم، کمیونزم وغیرہ کے ذریعے ہونے لگی جس کے منافع اور مضرّات حیاتِ حیوانی تک محدود ہو گئے۔

ایک واضح حقیقت

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ "ہر کارے و ہر مردے" وکیل قانون دانی میں ڈاکٹر پر فوقیت رکھتا ہے تو ڈاکٹر صحت اور مرض کے معاملے میں وکیل سے برتر و اعلیٰ ہے۔ ایک صنعت کار مشین والا اپنے فن کا ماہر انسانی معاشرے کا ایک ضروری حصہ، وکیل اور ڈاکٹر دونوں اس کے فن سے ناواقف اور اس ناواقفیت کا اعتراف دونوں میں موجود۔

اب روح کے علم کی طرف آیئے! پہلے بیان ہو چکا ہے کہ روح حیوانی اور ہے اور روح انسانی اور۔ یہ آسمانی روح جس کی بدولت انسان اشرف المخلوقات کہلایا، زمین میں بے شعوری کے عالم میں آئی۔ اگر آسمانی زندگی کا شعور اسے ہوتا اور اپنی موجودہ پستی کا احساس رکھتی تو یقیناً آسمان پر پہنچنے کے راستے تلاش کرتی۔ اور زمینی زندگی سے نفرت کرتی اور اس کو کم تر سمجھتی اور ان ہدایات کو خوش آمدید کہتی جو اسے اس کی برتر و اعلےٰ زندگی حاصل کرنے میں مدد دیں۔ ان ہادیوں کے پاؤں میں آنکھیں بچھاتی جو آسمانی مقدس زندگی کی طرف اس کی راہنمائی کرتے۔ اور وہ طرزِ زندگی ہر قیمت پر اختیار کرتی جس کو عمل میں لانے سے کھوئی ہوئی دولت اور حقیقی ورثہ اسے واپس مل جاتا۔ لیکن اس کے عدم شعور نے آسمانی زندگی کا اس سے انکار کرا دیا

آسمان پر پہنچنے کو ایک واہمہ بتلایا اور تخیل کی کارستانی اس کا نام رکھا اور ان ہدایات کی پروا نہ کی جن کی بدولت اسے حقیقی نفع حاصل ہوتا اور لازوال دولت ملتی اور ہمیشہ کے رنج و غم اور درد و عذاب سے نجات ملتی۔

ہماری انسانی روح اتنی لطیف ہے کہ کوئی نگاہ اسے کسی طرح دیکھ نہیں سکتی اور کوئی عقل اسے دریافت نہیں کر سکتی۔ یہ اس لئے کہ عقل کی تمام کائنات یہی ہے جو آج تک مختلف صورتوں میں ہمارے

سامنے آتی رہی۔ کبھی فلاسفر نے ذہنی کاوش سے ایک تھیوری قائم کی جس کو بعد میں آنے والوں نے جھٹلا دیا اور ایک نئی تھیوری سامنے رکھی اور وہی آخری حد قرار پائی۔ پھر ایک جماعت اور اٹھی جس نے اس کو بھی جھٹلا دیا اور ایک نئی دریافت پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھی۔

بس یہی شکست و ریخت فلاسفۂ عالم کا کمالِ عقل ہے جس کے بل بوتے پر وہ ہمیشہ مذہب کے مقابلے میں آتے رہے اور انسانوں کی گمراہی کا سبب بنتے رہے۔

عقل کے استدلال کی بنیاد خود ساختہ فارمولے ہوتے ہیں جو ہمیشہ بدلتے رہے اور بدلتے رہیں گے۔ یہ اس لئے کہ عقل محسوسات کی محتاج ہے۔ محسوسات کے بغیر اس کا ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اور محسوسات تمام تر مادی ہیں۔ اس لئے عالم امر کا کسی طرح کا احساس عقل کی دسترس سے باہر ہے۔

اَحسَنِ تقوِیم کا شاہکار

البتہ انسانی دل ایک ایسی چیز ہے جس کو اگر تربیت دی جائے تو عالمِ امر کے اجسام، وہاں کے مصنوعات، وہاں کے احساسات سے اسے گونہ واقفیت ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالے کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ بیشک ہم نے انسان کو بہترین بناوٹ میں بنایا۔

اس بہترین بناوٹ سے مراد صرف جسمانی ساخت قد و قامت کی درازی اور چہرے بہرے کی نوزونیت ہاتھ پاؤں کی مفید صورت ہی نہیں بلکہ اس کی عقل رسا اور حساس دل بھی ہے۔ عقل تو ظاہر عالم کے ذرّے ذرّے سے واقفیت حاصل کر سکتی ہے لیکن عقل کی تربیت شرط ہے ورنہ ایک جاہل، ان پڑھ انسان تو انسانیت کے مبادیات سے بھی نا آشنا ہوتا ہے اور اس کی زندگی حیوانوں کی زندگی سے کچھ تھوڑی بلند ہوتی ہے لیکن جب عقل تربیت حاصل کر لیتی ہے اور اپنی پوشیدہ قوتوں کو بروئے کار لاتی ہے تو لوہے اور لکڑی کو فضا میں اڑانا اس کے لئے آسان، آفتاب کی شعاعوں کو برتن میں بھر لینا اس کے لئے سہل۔ آواز کو زیرِ آسمان ہر گوشے میں پہنچا دینا اس کے لئے بازیچۂ اطفال۔ خاکی جسم کو بجلی کے پر لگا کر اڑانا اس کی قدرت میں، بہر حال تربیت کی ضرورت ہے۔ انہماک شرط ہے۔ توجہ کامل لازم ہے۔ وقت اور دولت کی قربانی ضروری ہے

ماحول کی موافقت لابدی، پھر عقل کو اپنے کمالات ظاہر کرنے میں کوئی دریغ نہیں اور پوشیدہ قوتوں کے اظہار میں کوئی مانع نہیں۔

احسن تقویم کے باب میں ابھی لکھا گیا ہے کہ احسن تقویم کے معانی میں حساس دل بھی شامل ہے اور یہی احسن تقویم کا شاہکار ہے۔ دل کے حساس ہونے سے آپ کسی مغالطہ میں نہ رہیں کہ یہ صرف غم اور خوشی کا احساس رکھتا ہے اور محض محبت اور نفرت کی قوتیں رکھتا ہے اور زمین کی زندگی میں عمل کے نتائج محسوس کرتا ہے دل کو صرف یہی قوتیں ہی نہیں دی گئیں۔ بلکہ دل کے اندر آسمانی زندگی کا احساس بھی پوشیدہ ہے۔ اندرون پردہ کے حالات جاننے کی قوت بھی اس میں موجود ہے۔ عالمِ امر کو دیکھنے کی آنکھ۔ وہاں کی آوازیں سننے کے کان اور وہاں کی خوشیوں اور غمیوں سے شادماں اور غمزدہ ہونے کی تمام قوتیں اس کے اندر موجود ہیں۔ وَ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ اور خود تمہارے اپنے نفسوں میں بھی (عجائبات قدرت ہیں) کیا پس تم انہیں نہیں دیکھتے ہو۔

روحانی تربیت سے کیا مراد ہے؟

دل کی سوئی ہوئی قوتوں کو جگانا۔ ان ناتربیت یافتہ قوتوں کو تربیت دینا۔ ضروری ہے۔ جب دل کی چھپی ہوئی طاقتیں راہ پر آجاتی ہیں اور تربیت پالیتی ہیں تو دل آسمانی حقائق سے آگاہ ہو لیتا ہے اور عالمِ بالا کا انعکاس قبول کرتا ہے۔ وہاں کی آوازیں سننے کے قابل ہو جاتا ہے۔ وہاں کے نظارے اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ ذاتِ خداوندی کے انوار قبول کرتا ہے۔ ملائکہ سے قریب کا تعلق حاصل کرتا ہے لطیف اجسام اس کے سامنے اپنی مثالی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ عالمِ امر میں جو تدبیریں اس جہان سے متعلق وقتاً فوقتاً ہوتی ہیں ان سے آگاہی پاتا ہے اور اس آب و گل کے جہان کو ایک قفس سے زیادہ وقعت نہیں دیتا۔ جو مرغ روح کے لئے صانع قدرت نے تیار کیا ہے یہاں گونہ تنگی محسوس کرتا ہے۔ یہاں کی خوشی کو بھی ناقص اور معمولی سمجھتا ہے۔ یہاں کے رنج و غم کو بھی غیر حقیقی جانتا ہے۔ اس زندگی اور مقام زندگی سے وقتی موانست ہی پر اکتفا کرتا ہے۔ یہاں سے چلے جانے کی حسرت کا نشان اپنے اندر نہیں پاتا۔ اپنے اندوختہ کو چھوڑنے کے غم میں نہیں گھلتا بلکہ وہ پرامید زندگی گزارتا ہے کہ اس قید خانہ کو چھوڑنے کے بعد مجھے

ابدی راحت نصیب ہوگی - اور لازوال عزت حاصل ہوگی اور نہ مٹنے والی دولت ملے گی اور میری روانگی سے پہلے محبت کی بنسری بجے گی جس کی سریلی آواز ان لفظوں میں میرے کان سنیں گے۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ہ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي

وَادْخُلِي جَنَّتِي (قرآن کریم سورۃ الفجر)

اے اطمینان حاصل کر چکنے والے نفس! آ! اب اپنے پروردگار کی طرف لوٹ، ہر طرح کی پسندیدگی حاصل کر کے آ اور میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

روحانی تربیت کس کس کے لئے لازمی ہے

اس عالم خلق میں تربیت حاصل کرنے سے کسی انسان کو مستثنیٰ نہیں قرار دیا گیا۔ انبیا علیہم السلام نے بھی اپنے اپنے طرز کی تربیت لی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں رہے۔ اور تربیت حاصل کی۔ اسی چیز کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ترجمانِ حقیقت علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

اگر اب بھی شعیب آئے میسّر ؎ شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اور فخر الانبیا حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی غار حرا کی تنہائیوں میں استاد ازل سے تربیت حاصل کی۔

روحانی تربیت کا طریق کار

روح کی تربیت کا ماحول، اس کے مدارس، اس کا نصابِ تعلیم، اس کا طریقِ تعلیم اور امتحانات ہمارے مدرسوں اور کالجوں سے جداگانہ ہیں۔ یہاں تربیت دینے والے کے سینے کی گرمی اور آنکھ کا نور طالبِ معرفت کے سینے کو گرماتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ گرمی پہنچانے سے حیوانی قوتوں کی کثافت پگھلتی رہتی ہے اور خود بخود جھڑتی رہتی ہے۔

اس سینے کی گرمی کے ساتھ ساتھ ذکر اللہ کا نور بھی شامل کر دیا جاتا ہے اور ذکر اللہ کی خاص مشقیں کرائی جاتی ہیں جس سے دل میں قوت اور چمک پیدا ہوتی ہے۔

کبھی کبھی محنت ہائے شاقہ کی بھٹی میں بھی ڈال دیا جاتا ہے اور تکلیف اور صبر کی متحدہ گرمی سے اس کا تمام کھوٹ جلایا جاتا ہے۔ اور اس بھٹی سے نکلنے کے بعد اسے ایسی جلا آتی ہے کہ اپنی چمک دمک میں وہ نور سے بنی ہوئی مخلوق یعنی فرشتوں کو بھی شرماتا ہے۔ جب سالک کی کثافتیں اور ثقالتیں دور ہو جاتی ہیں اور اس کے سینے میں گرمی آجاتی ہے تو اس کے وجود کے ہر رگ و ریشہ میں نورانی لہریں موجیں مارنا شروع کر دیتی ہیں۔

وہ اپنے اندر ایک نئی قسم کی روح محسوس کرتا ہے جس کے آنے سے پہلے اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک عجیب و غریب روح اس کے باطن میں محوِ خواب ہے اور قدرت جس کی بیداری کے لئے شوق سے منتظر ہے۔ جب یہ روح بیدار ہو جاتی ہے تو تمام وجود پر اور تمام حواس پر اور تمام خواہشات پر اس روحِ اعظم کی حکومت ہوتی ہے۔ اب اس کی نگاہ بلند، عزم راسخ، امید قوی اور محبت تیز ہو جاتی ہے اور اپنا رخ بدل لیتی ہے یعنی پہلے محسوسات سے اسے محبت تھی۔ اور معقولات سے الفت تھی۔ اب ان سب سے ماوریٰ ایک ذاتِ واحد سے ایسی لگن پیدا ہوئی جس نے باقی سب کچھ بھلا دیا ؎

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے　　دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے

اور یہ مستی شراب کی مستی نہیں جو بے ہوش کر دے بلکہ یہ ایسی مستی ہے جس پر ہزار ہوشیاریاں قربان ہوں۔ اب دنیا اور اس کی حقیقت ہر وقت سامنے ہے آخرت اور اس کے عجائبات ہر گھڑی پیشِ نظر بلکہ دنیا اور آخرت میں کوئی فاصلہ نظر نہیں آتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دنیا آخرت میں ہے اور آخرت دنیا میں ؎

فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھہرے
کبھی اس گھر میں آنکلے کبھی اس گھر میں جا ٹھہرے

اب ایک نئی چیز جو حاصل ہوتی ہے وہ ہے ارادے کا مؤثر ہونا۔ ایسا تربیت یافتہ انسان اپنے ارادے سے جدا کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ ہر گھڑی اس کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جو دل میں آتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ گویا اس کا ارادہ خود ذاتِ باری کا ارادہ ہے۔

بی یسمع وبی یبصر[۱] (الحدیث)

---

[۱] مجھ سے سنتا ہے اور مجھ سے دیکھتا ہے۔

؎ گفتہ اور گفتہ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

تربیتِ روحانی کی ابتدا اور انتہا

دراصل لوگ پیغمبری کی حقیقت کو جانتے نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ علمی انکشاف کی کوئی صورت ہے حالانکہ یہ شرح صدر کے کمالات کا ایک مرقع ہوتا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ؕ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۙ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ؕ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

کیا ہم نے (اے حبیب!) آپ کو شرح صدر کی دولت نہیں دی اور ہم نے وہ بوجھ آپ سے نہیں ہٹایا جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی۔ اور ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا۔ بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ پس جب تو فارغ ہو تو ریاضت کر اور اپنے رب کی طرف رجوع کر۔

کلام اللہ کی یہ سورۃ تمام تر روحانی نتائج سے متعلق ہے گویا یہ سورۃ منازلِ روحانیت کی مرتب تاریخ ہے۔ شرح صدر ہی روحانیت کی ابتدا ہے اور شرح صدر ہی اس کی انتہا۔ اور شرح صدر کے بعد نئے حواس کھلتے ہیں ...... ان حواس کے محسوسات سامنے آتے ہیں۔ ان کی لذت محسوس ہوتی ہے تو انسان اس حال سے پہلے کی زندگی کو ایک نہایت تنگی کی زندگی سمجھتا ہے اور اس وقت محسوس ہوتا ہے کہ کتنا حوصلہ شکن بوجھ میری پیٹھ پر تھا۔ اور شرح صدر ہی کی دولت کا ایک نتیجہ ذکرِ جمیل ہے جو جہان میں بغیر کسی ذریعے کے پھیل جاتا ہے اور ہر شخص کی زبان پر ایسے شخص کے تعریفی جملے ہوتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہمعات صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں۔

"پس چوں ایں معنی درویشے از اولیا اللہ ظاہر مے شود۔ از آثار ظہورش آں است کہ رفعت شان وے در میان مردم و صرف قلوب ناس بسوئے وے و اشاعت ذکرِ جمیل وے در ناس بحصول

پیوندد و الہام اشغال مناسبہ بطبائع آں قوم از وظائف ملت مصطفویہ در قلب وے ظاہر گردد۔ و در صحبت و کلام وے تاثیرے و جذبے ودیعت نہند، و انواع کرامات از کشف و اشراف و تصرف در خلق بقوۃ اللہ و استجابت دعا و آنچہ ازیں قبیل است صادر شوند۔

ترجمہ۔ جب یہ حقیقت کسی ولی اللہ میں ظاہر ہوتی ہے تو اس کے ظہور کے نشانات میں سے یہ ہے کہ اس کی شان لوگوں میں بلند ہو جاتی ہے۔ اور لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور اس کی تعریفیں لوگوں میں ہونے لگتی ہیں اور اس جماعت کے مناسب حال موزوں وظیفوں کی تعیین جو اسلامی نکتہ نظر سے جائز ہوں اس کے قلب میں ظاہر ہوتی ہے اور اس کی صحبت میں ایک تاثیر اور کشش پیدا ہو جاتی ہے اور طرح طرح کی کرامات مثلاً کشف اور دل کے بھیدوں پر اطلاع اور اللہ کے حکم سے مخلوق میں تصرف اور قبولیت دعا اور اس قسم کی دوسری کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔

اور یہ سب کچھ خاص خاص محنتوں کے بعد حاصل ہوتا ہے، گویا ہر قسم کی مشقیں ایک عُسر (تنگی) ہیں اور مجاہدہ ہیں کثرت ذکر الٰہی، خلوت (جیسے غار حرا میں ہوئی) خوراک کی کمی اور خلق سے انقطاع جیسے حکمِ خداوندی ہوا۔

وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا ؀ آپ اللہ تعالٰی کے ہو رہیں اور مخلوق سے کٹ جائیں۔

اب اس مجاہدے کا لازمی نتیجہ، اشاعتِ ذکر اور ہر قسم کی کامیابی ہے۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا

اب اس ذوق و شوق اور جذب و کشش اور اصلاح باطن اور ذکر جمیل کی وجہ سے دین کی اشاعت میں جو آسانیاں واقع ہو گئیں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ ہدایت کو عام کریں۔ قلوب کو صاف کریں اعمال کی اصلاح کریں اور استعدادوں کو ٹھکانے لگائیں۔

اور بڑی بات یہ ہے کہ اپنے حال کو بلند کرنے اور گراوٹ سے بچانے کے لیے کسی وقت بھی مجاہدہ سے دست کش نہ ہوں۔

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ۔

پس جونہی آپ اشاعتِ دین کے کام سے فرصت پائیں مجاہدہ کے لئے طیار ہو جائیں - اور اللہ تعالے کے دھیان کو پکائیں۔

اصل مقصود اللہ تعالے کے خیال کو پکانا ہے۔

ذکر اللہ اور مناظر قدرت کا مطالعہ

قانونِ خداوندی کی نگہداشت سے بھی اللہ تعالی کے خیال کو پکانا ممکن ہے بمطالعہ مناظرِ قدرت سے بھی دھیان پکایا جاسکتا ہے لیکن ان ہر دو میں کمی یہ ہے کہ قانون کا استعمال ہر وقت کے لئے نہیں۔ ایسا ہی مناظرِ قدرت کا مشاہدہ ہمہ وقت نہیں - اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ہر چیز قدرت کی صناعی کی گواہ ہے گویا ہر چیز کو غور سے دیکھنا اس وظیفے سے عہدہ برا ہوتا ہے - بے شک ہر چیز مظہر انوار الٰہی ہے لیکن اپنی طبع ناقص کا کیا کریں کہ ہر وقت حصولِ عبرت کے لئے آمادہ نہیں - اور اللہ تعالے کے اسم ذاتی اور اسمائے صفاتی میں تاثیرات ہیں جن کا ظہور تب ہوتا ہے جب اسمائے الٰہیہ کے ذکر کو اپنی روح کی خوراک بنایا جائے اور پھر آہستہ آہستہ یہی ذکر غذائے روح سے گزر کر جانِ روح بن جاتا ہے اس لئے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اپنے پرودگار کے نام کو پکاریں اور وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کریں کا وہی مفہوم ارفع و اعلےٰ ہے جو ہمہ وقت کی لسانی اور قلبی یادداشت سے متعلق ہے۔

ع مرا ز ہر دو جہاں دولت وصال تو بس
وصال چیست ہمیں آمد شد خیال تو بس

میرے لئے دونوں جہان سے بہتر وہی وقت ہے جو تیرے وصال میں گزرے اور وصال تیرا کیا ہے؟ یہی تیرا دھیان اور تیرا خیال (جو پختہ تر ہو جائے)

شرح صدر کی دولت سے بہرہ مند انسان

شرح صدر کی دولت سے بہرہ مند انسان خواہ وہ کسی منصب پر ہو. پیغمبری کی مسند پر جلوہ افروز ہو یا ولایت کے سجادہ پر سجدہ ریز. اس کے سینے میں قدرتِ خداوندی جوش مار رہی ہوتی ہے. اس کے پہلو میں ایک زندہ اور بیدار دل ہوتا ہے وہ حقائق اشیا کو جانتا ہے. اللہ تعالےٰ کی قدرت اس کے لئے کوئی علمی چیز نہیں ہوتی. وہ اپنے سینے کی آنکھ سے ہر وقت اس کا مشاہدہ کرتا ہے. اہل سائنس اور اس کے مشاہدے میں زمین و آسمان کا فرق ہے فلسفی صرف جانتا ہے اور صاحب دل دیکھتا ہے

حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعلی سینا کے بارے میں فرمایا تھا. آنچہ ما مے بینیم او مے داند "جو کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ جانتا ہے. ایسے ہی ابوعلی سینا نے ان کے لئے کہا تھا. "آنچہ ما مے دانیم او مے بینیہ"

اور یہی قوتِ مشاہدہ اپنے اندر تاثیر رکھتی ہے جس سے ہدایت کے سوتے نکلتے ہیں. اور ہدایت ہی سینے کا وہ نور ہے جو گمراہی کی ظلمتوں کو مٹاتا ہے اور مشاہدہ ہی ایک ایسی قوت ہے جس سے یقین کا کمال وابستہ ہے. اب ایسا صاحب یقین اپنے مشاہدے کو جس کے سامنے بیان کرے گا. اگر اس شخص کے اندر قبولِ ہدایت کا ایک ذرہ بھی موجود ہے تو یقیناً وہ ہدایت قبول کرے گا.

ع   دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

اسلام کی تبلیغ کا صحیح طریقہ

وہ چیزیں جن کے تسلیم کرنے سے ایمان پیدا ہوتا ہے وہ تمام ایسی ہیں جو نہایت ہی لطیف پردوں کے اندر پوشیدہ ہیں. مثلاً. خود ذاتِ کبریا جل جلالہ کہ باوجود ھُوَ الظَّاھِرُ ہونے کے وہ محجوب کہیں نظر نہیں آتا. فرشتوں کا وجود. کلام الٰہی کی حقیقت. عالمِ آخرت، رسالت کی حقیقت وغیرہ. یہ سب ایسے حقائق ہیں کہ شرح صدر اور مشاہدہ کے بعد ہی ان کی حقیقت ذہن میں بیٹھتی ہے. اور پھر ایسا شخص اپنے ایمان کی بے پناہ قوت سے کفر کی ظلمتوں کو توڑتا ہے اور کفر کی شکست کے بعد اپنے

ایمان کے نور کا انعکاس مخاطب کے سینے میں ڈالتا ہے جس سے وہ بھی ایمان کے نور سے منور ہو جاتا ہے اور کچھ وقت کے بعد وہی کفر کا پرستار اسلام کا جان نثار بن جاتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جو شخص صاحبِ مشاہدہ نہیں وہ صاحبِ ایمان نہیں؟ بے شک ایسا شخص صاحبِ ایمان ہے لیکن اس کا ایمان کفر کی ظلمتوں کو توڑ نہیں سکتا۔ وہ کسی دوسرے کے سینے میں ایمان کا چراغ روشن نہیں کر سکتا وہ اگر شیطان اور نفس کی متحدہ قوتوں کی یلغار سے اپنے ایمان کو ہی بچا کر نکل جاتا ہے تو بہت بڑا کامیاب انسان ہے۔

تبلیغیں بے اثر کیوں ہیں

یہی وجہ ہے کہ آج ہماری تبلیغیں شرک اور کفر کے میدانوں میں نہیں ہوتیں اور اگر ہوں بھی تو تاثیر ندارد۔ بلکہ ہمارے بعض مبلّغ تبلیغ کا منہ چڑاتے ہیں اور تبلیغ کی ایسی بھونڈی نقل اتارتے ہیں کہ دوسروں کے فائدے کی بجائے اپنا ناقابلِ تلافی نقصان کر بیٹھتے ہیں۔ ان کی مثال اس ناتربیت یافتہ بچے کی ہے جو کسی استاد کے بغیر بارود کی چیزیں بناتا ہے۔ یقیناً ایسا لڑکا اپنی موت کا سامان اپنے ہاتھوں تیار کرتا ہے۔

اسی طرح ہمارے بعض مبلّغ حقیقی کفر اور اصلی شرک کے مقابلے کی قدرت تو اپنے اندر رکھتے نہیں۔ ایسی جرأت تو وہ اپنے اندر پاتے نہیں کہ بت کدوں کے دروازوں پر نعرۂ تکبیر جا بلند کریں۔ اور بت منہ کے بل گریں۔ ان کے نعروں کی گرمی بت پرستوں کے دلوں کو گرما دے اور وہ توحید کی لذت سے آشنا ہو بیٹھیں۔

بلکہ ہوتا یوں ہے کہ خود اسلام کو کفر فرض کر لیا جاتا ہے اور عین توحید یا لازمہ توحید کو شرک کہہ دیا جاتا ہے پھر اسی فرضی کفر و شرک کو مٹانے کے لئے اپنی زندگی کو وقف کیا جاتا ہے اور اہل توحید کے اندر ایسی خلیج حائل کر دی جاتی ہے جو پشت ہا پشت تک مسلمانوں کے درمیان ذہنی دشمنی کی صورت میں قائم رہتی ہے۔

اور ایک خدا تعالیٰ کو ماننے والے ایک رسولؐ کی امت، ایک ہی قرآن کے تابع باہمی دشمنی کے ایسے چکر میں آتے ہیں جو ہمیشہ قائم رہتا ہے اور ایسے منتشر ہوتے ہیں کہ گویا متحد تھے ہی نہیں۔

بر خلاف صاحبِ مجاہدہ اور صاحبِ مشاہدہ اہل ایمان کے کہ وہ اپنی قوتِ ایمان کو آزمانے کے لئے کفر و شرک کا ایسا وسیع میدان مقابلے میں پاتا ہے کہ جس کی حدود کو طے کرنا بظاہر ناممکن ہو لیکن وہ اللہ کا نام لے کر اٹھتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں لوہے کی تلوار کی بجائے مشاہدے کی بے پناہ قوت ہوتی ہے وہ نہایت آسانی کے ساتھ کفر کے اندھیروں کو ہٹاتا ہوا اور ایمان اور اسلام کے نور کو چمکاتا ہوا چلا جاتا ہے۔

اسلام کی اشاعت جو لوگ مسلمانوں کی تلواریں دیکھتے ہیں وہ حقیقی اسلام سے ناواقف ہیں اور مسلمانوں کی اصل قوت سے ناآشنا اس لئے کہ اسلام آسمانی مذہب ہے یہ آسمانی حقائق پیش کرتا ہے جو عقل کی دسترس سے کہیں بلند ہیں۔ جب تک پیش کرنے والے کے اندر یقین کامل کی بے پناہ قوت موجزن نہ ہوگی اور تعلق باللہ کی لذت سے وہ سرشار نہ ہوگا اور عالم امر سے نسبت ظاہر نہ رکھتا ہوگا تب تک کسی دل کو گرما نہیں سکے گا۔ اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کی لذت سے آشنا نہیں کر سکے گا اور اس دنیائے دوں سے ماوراء کسی عالم کا یقین نہیں دلا سکے گا۔

انبیاء علیہم السلام نے اپنی پوشیدہ قوتوں سے تبلیغ دین کا کام لیا۔ اور کفر و شرک کے اندھیروں کو مٹایا اور خدا سے بچھڑے ہوئے بندوں کو ان کے محبوب سے ایسا قریب کیا کہ وہ اس حال میں پکار اٹھے۔

جنہیں ہم ڈھونڈتے تھے آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

انبیاء علیہم السلام کے حقیقی جانشین کون ہیں؟

بعینہٖ یہ کام (جو انبیاء علیہم السلام نے کیا) اولیاء اللہ نے کیا اگرچہ انہیں اپنی اصلاح میں عمر کا خاصا حصہ گزارنا پڑا اور باطنی اصلاح کا کام بہت ہی مشکل ہے۔ قوت غضبی اور قوت شہوانی کی اصلاح کرنا اور قوائے ملکیہ کو ان منقل شدہ قوتوں کا فرمانبردار بنانا کب آسان ہے۔ اس غرض کے لئے مجاہدات کرائے جاتے ہیں۔

بھوک اور پیاس وغیرہ کی مشقیں جو روزہ کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں محض اسی غرض کے لئے ہیں کہ قوائے بہیمیہ کمزور ہوں۔ کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (سورہ البقرہ)

روزے (اے مسلمانو!) تم پر فرض ہوئے جیسے پہلی امتوں پر فرض ہوئے اور یہ اس لئے کہ تم تقوےٰ حاصل کرو تقوےٰ کا نور حاصل کرنا بغیر حیوانی قوتوں کی شکست کے ناممکن ہے۔

اور شب بیداری کا مجاہدہ بھی نفس کی حیوانی قوتیں توڑنے کے لئے ہے اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا (سورہ مزمّل)

ترجمہ۔ بے شک رات کی بیداری یہ نفس کی شدید ترین پائمالی ہے اور بات میں بھی اسی سے تاثیر پیدا ہوتی ہے حیوانی قوتوں کی کمزوری قوائے ملکیہ کی نہ صرف بیداری کا سبب بنتی ہے بلکہ ان کی طاقت کا راز بھی اس پوشیدہ ہے۔

عطّارؒ ہو رومیؒ ہو رازیؒ ہو غزالیؒ ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

جب سینے کی قوتیں، اخلاص، تقوےٰ، محبّت اور خشیت سے بیدار ہوتی ہیں اور ان میں قوت پیدا ہوتی ہے تو ما سوا اللہ سے تعلق خود بخود ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر ذکر اللہ کی کثرت سے ایسی طاقت ور برقی قوت سینے میں پیدا ہوتی ہے جو دو گونہ کام کرتی ہے۔ اوّل تو اپنی استقامت اسی سے وابستہ ہے۔ دوسرے مخاطب کو متاثر کرنا اور ایسا کرنا کہ وہ اپنا سب کچھ چھوڑنے کو آمادہ ہو بیٹھے اس قوت کے بغیر ناممکن ہے۔

ایک نکتہ

اس قوتِ روحانی سے متاثر ہوئے بغیر لوگ مال و جان کی قربانیاں دیتے ہیں، یہ صحیح ہے لیکن ان قربانیوں کی تہ میں ذاتی اغراض یا خواہشات نفسی کام کر رہے ہوتے ہیں۔ ماورائے محسوسات کیلئے یہ قربانیاں ہرگز نہیں ہوتیں کوئی ملک کے لئے جان دیتا ہے کوئی قوم کے لئے قربان ہوتا ہے اور کوئی ذاتی اغراض کی خاطر تکلیفیں برداشت

کرتا ہے۔

للٰہیت کا ان میں نام ونشان تک نہیں ہوتا۔ بخلاف اس کے جہاں روحانی قوت کام کر رہی ہوتی ہے، وہاں اغراض کا نام ونشان نہیں ہوتا بلکہ ذاتی اغراض کا سامنے رکھنا اس کے لئے گناہِ عظیم ہے۔

حضرت امیرالمومنین علی مرتضٰے ایک جنگ میں دشمن کے سینے پر بیٹھ جاتے ہیں قریب ہے کہ اس کا کام تمام کر دیں۔ اس نے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ الگ ہو گئے۔ وہ حیران ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ کہا میں نے تو آپ کو جوش دلانے کی خاطر ایسا کیا کہ آپ مجھے جلدی ختم کر دیں اور آنے والی تکالیف کا بھی تیر ساتھ خاتمہ ہو جائے اور آپ مجھے چھوڑ کے الگ ہو گئے ؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے تمہاری حرکت پر غصہ آیا۔ میں نے دیکھا کہ اب تک میرا یہ سارا کام اللہ کے لئے تھا اب غصہ بھی اس میں شامل ہو گیا۔ میں اللہ کے کام میں اپنے انتقام کو شامل نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ آپ کی اس بات سے نہیں بلکہ آپ کے سینے کے خلوص کی تاثیر سے وہ مسلمان ہو گیا۔

مسلمان کی امتیازی خصوصیت کیا ہے؟

مسلمان کا مایۂ ناز ہنر اور قابلِ ستائش جوہر یہی للٰہیت تھی اور اسی قوت نے کفر کا سر توڑا اور اسلام کا بول بالا کر دیا۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔

بے شک اللہ تعالٰے نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کا مال واسباب سب خرید لیا ہے اور بدلے میں جنت دی ہے (جو اس کی رضا کا خاص مقام ہے)

لیکن آج ہمارے پاس سب کچھ موجود ہے علم ہے عمل ہے صرف للٰہیت نہ ہونے سے مسلمان جسدِ بے جان کی طرح ہو گیا ہے۔

؎ تیرے اک نہ ہونے سے ساقیا نہ وہ دور ہے نہ وہ جام ہے
نہ وہ صبح اب میری صبح ہے نہ وہ شام اب میری شام ہے

عمل کی جان نیّت ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (حدیث)۔ اعمال (کی قدر و قیمت) نیّتوں سے ہے۔

پھر فرمایا ۔ نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ (حدیث) مومن کی نیّت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

شیطان کے وساوس سے نیّت میں خلل آجاتا ہے اور وہ بدل جاتی ہے اس لئے صاحبِ ایمان کے فرائض اعتقادی میں داخل ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی نیّت کو صاف رکھے اپنے سینے سے للّٰہیت کا نور کسی وقت بھی گم نہ ہونے دے اور اس غرض کے لِئے وہ ہمیشہ اپنے دل کا جائزہ لیتا رہے اور ایسے اسباب سے پرہیز کرے جو اس کی نیّت میں فتور پیدا کریں۔

بظاہر یہ کام آسان معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ بہت مشکل ہے اس لئے جب تک ایسے پختہ کار مربّی سے تربیت نہ لی جائے جو اخلاص نیّت کی روح کو عمل کے جسم میں مشاہدہ کر سکے اور اس روح کو پیدا کرنے اس کے بڑھانے کی آسمانی قوّت اپنے سینے میں رکھتا ہو تب تک اس مشکل سے عہدہ برآ ہونا دشوار ہے

ایمان سے اگلا مقام

ایمان کا نور عمل کی مشین کے لئے بجلی اور بھاپ کا کام کرتا ہے جب ایمان موجود ہو پھر طاقت ور ہو تو عمل کے لئے کسی دوسرے محرک کی ضرورت نہیں۔

لیکن انسان کے سینے میں ایمان سے بڑھ کر بھی ایک قوّت ہے جس کے بیدار ہو جانے سے نہ ہی صرف عمل کا وجود اپنی حقیقی صورت قبول کرتا ہے بلکہ اس میں ایک نہایت ہی پاکیزہ روح پیدا ہو جاتی ہے وہ ہے تسلیم و ایقان کے بعد مشاہدۂ باطن۔ ایک نہایت ہی وسیع اور پر رونق جہان اپنے تمام لوازمات کے ساتھ موجود ہے اور آراستہ و پیراستہ ہے۔ اس کے دیکھنے کی آنکھ سینے میں موجود ہے اور ایمان کے بعد مختلف قسم کے مجاہدات سے وہ آنکھ کھل سکتی ہے۔ اور اس عالم کا انعکاسی مشاہدہ کر سکتی ہے اور ایسی

صورت میں دنیا کی زندگی اور اس کی قیمت کا صحیح اندازہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور بعد موت کے لیے کوششوں پر آمادگی بھی پوری طرح ہو سکتی ہے۔

موت کے بعد فطرتاً ہر ایک کی باطن کی آنکھ کھل جائے گی۔ لیکن اس وقت دارالعمل سے انسان کوچ کر چکا ہوگا! ور دار الجزاء سے واسطہ ہوگا۔ اس وقت ہر حسرت بے کار ہوگی اور ہر ارمان باطل ہوگا۔ باطن کی آنکھ کھولنے کے لئے عمل میں سرگرمی دکھاؤ، بالفرض اگر کسی وجہ سے آنکھ نہ بھی کھلی تو عمل کی قیمت پوری کی پوری مل جائے گی اور آنکھ کھلنے پر حسرت و افسوس سے نجات مل جائے گی۔

مقصودِ کائنات کیا ہے؟

جیسا کہ پہلے مفصل بیان ہو چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کی غرض و غایت محض یہ ہے کہ وہ انسانی روح کی بلندی سے انسان کو آگاہ کریں اور اسے حیوانی روح سے بلند ترین روح دکھلائیں اور انسان کو یہ سمجھائیں کہ تو ہی اس عالم میں مقصودِ کائنات ہے باقی سارا جہان تیرے لئے ہے۔

خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے پیدا کیا۔

ؔ نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

اور یہاں رہ کر تجھے صرف آخرت کی تیاری کرنا ہے اور بس۔

عبادت اور اطاعت

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو انسانی زندگی کے لئے نمونہ بنایا۔ انبیاء علیہم السلام اپنی پاکیزہ زندگی کے دستور العمل سے یہ واضح فرماتے ہیں کہ آخرت کی زندگی کی تیاری کے لئے اگرچہ عبادت کے سوا کوئی دوسری چیز مفید نہیں لیکن اگر ایک خاص مقدار میں عبادت کا فریضہ ادا ہو جائے تو دنیا کی زندگی کے لئے جو جدوجہد بھی کی جائے گی وہ ثانوی قسم کی عبادت ہو جائے گی جسے قرآن کریم نے اطاعت کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے

اور اگر عبادت اطاعت کی بنیاد نہ ہو تو پھر اطاعت بے معنی ہے کیونکہ اطاعت کا تعلق سراسر حیاتِ دنیا سے ہے اور دنیا کی زندگی کو خوش حال اور پُرامن بنانے میں مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر ہیں۔

یہی عبادتِ الٰہی مقصد پیدائش کی روح ہے اور فرضِ عین ہے اور خدا کے سوا کسی کی عبادت بھی ہو حرام مطلق ہے لیکن اطاعت جو دنیا کی زندگی کو خدا تعالےٰ کی منشا کے مطابق گزارنے کے لئے ہے اس میں جہاں اللہ تعالےٰ کی اطاعت فرض ہے وہاں عبادتِ الٰہی کرنے والے پر غیر اللہ کی اطاعت بھی فرض ہے۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کرو۔ اور تم میں سے جو حاکم ہو اس کی فرمانبرداری کرو۔

یہ اطاعت اگر عبادتِ حقیقی کے بعد ہو تو ثانوی درجے کی عبادت ہے ورنہ ہوا پرستی اور دنیا کی زندگی کو پرامن اور باآرام گزارنے کے لئے ایک کوشش۔ اور یہی اطاعت دنیا کا ہر امن پسند انسان تھوڑے سے فرق کے ساتھ کرتا ہے۔ اس میں مومن اور کافر کا فرق یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ کہ مومن عبادتِ الٰہی بھی کرتا ہے اور اطاعتِ خداوندی کا فریضہ بھی انجام دیتا ہے۔ اس کی مثال اس نوکر کی ہے جو اپنے آقا کا کھانا پکانے پر متعین ہے کہ اس کی نوکری کی غرض صرف یہی ہے کہ وہ اپنے آقا کا کھانا پکائے لیکن وہ اس کھانے میں سے خود بھی کھا لیتا ہے اگرچہ اس کی نوکری کا مقصد اپنا کھانا پکانا نہیں اصل مقصد اپنے آقا کا کھانا پکانا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنا کھانا پکانے کے لئے اپنے آپ کو نوکر سمجھتا ہے تو وہ دیوانہ ہے اور اگر مالک کے کھانا پکانے کو ثانوی درجہ دیتا ہے تو پھر بھی وہ برخود غلط ہے اور ملازمت کے لئے پرلے درجے کا نااہل ہے۔

پس جو شخص عبادتِ الٰہی کرتا ہے وہ اپنی دنیوی زندگی کے اسباب بھی فراہم کرتا ہے اور اس سے اپنا ممکن آرام بھی حاصل کرتا ہے۔ اس کی زندگی کا اصل مقصد چونکہ پورا ہو رہا ہے اس لئے باقی امن وامان کی ہر کوشش اس کے لئے جائز ہے۔ لیکن بغیر عبادت اس آرام و امن کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ یہاں خدا کی عبادت نہیں اپنے نفس کی اطاعت ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے تربیت کتابوں سے نہیں فرمائی

جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام روح کی تربیت کتابوں سے نہیں فرماتے وہ اپنی صحبت سے تربیت فرماتے ہیں اور جو بلند جذبات ان کی مقدس ذات میں تعلق باللہ کی وجہ سے موجود ہوتے ہیں۔ ان ہی جذبات کو اپنے متبعین کے سینوں میں منتقل فرما دیتے ہیں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی انتقال نسبت کے بارے میں فرمایا۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ پر جو مہربانی فرمائی اس کا ذکر یوں فرمایا۔

مَا صَبَّ اللّٰهُ فِي صَدْرِي صَبَبْتُهٗ فِي صَدْرِ اَبِي بَكْرٍ (الحدیث) اللہ تعالےٰ نے جو فیض، میرے سینے میں برسایا میں نے وہی فیض صدیق اکبر کے سینے میں برسایا۔

اگرچہ انبیاء علیہم السلام کے بعد آسمانی کتابیں موجود رہتی ہیں لیکن وہ تربیت کہاں؟ نہ وہ ذوق و شوق، نہ وہ محبت و آشنائی نہ وہ گرمی عشقِ الٰہی۔ بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسم تو ہے مگر اس میں جان نہیں ہے۔

بجھی آتشِ عشق اندھیر ہے مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

بس صرف تربیت یافتہ سینے کے نہ ہونے سے وہ تمام مضامین جو اپنی جگہ موجود اور محفوظ ہیں بالکل بے تاثیر بن کے رہ جاتے ہیں۔

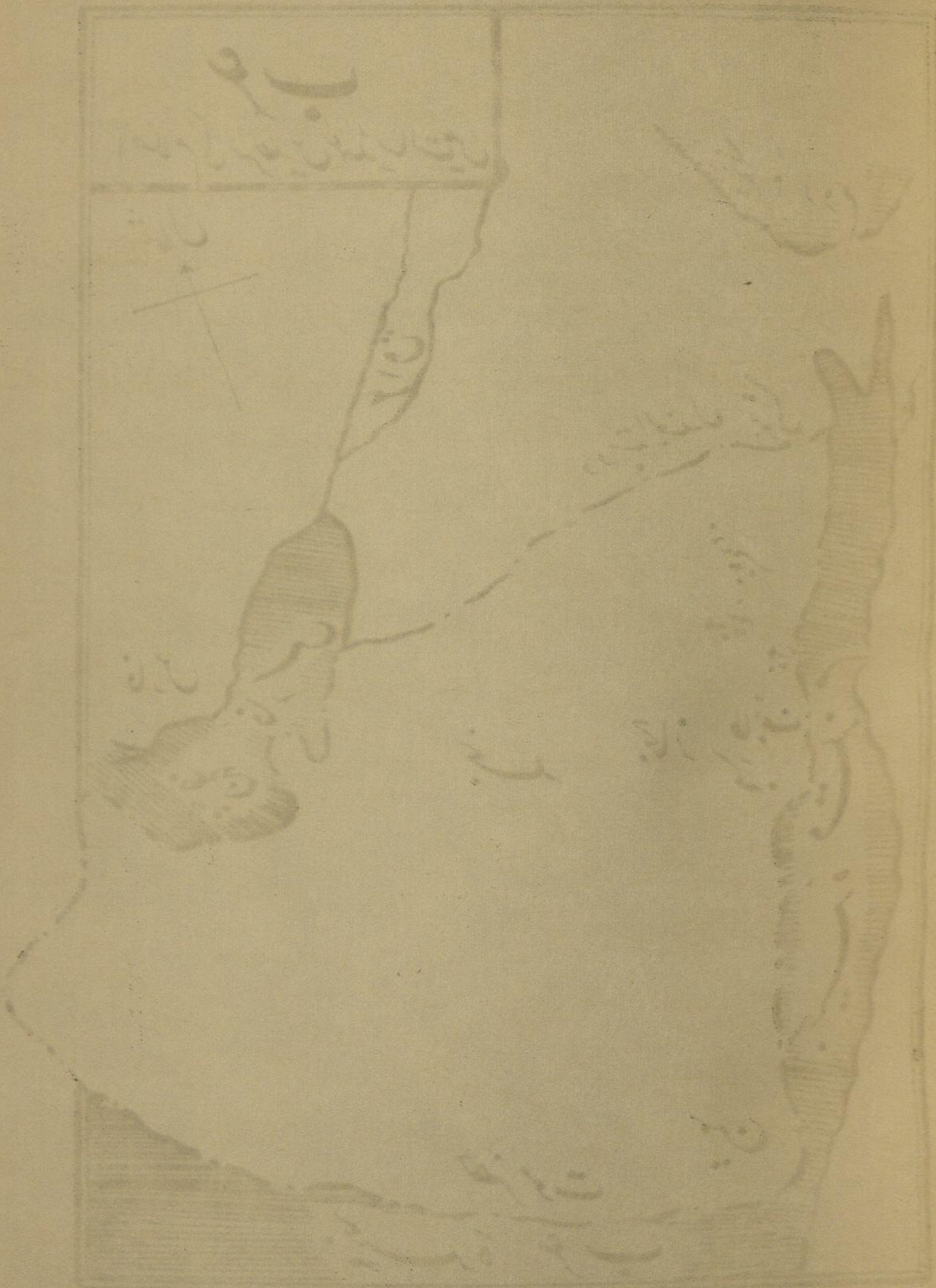
پیغمبر کی تربیت روح کی خوابیدہ قوتوں کو بیدار کر دیتی ہے اور اس کا رخ دنیا کی دلچسپیوں سے سراسر پھیر دیتی ہے اور دنیا کی کوئی چیز اس کی توجہ الی اللہ میں خلل پیدا نہیں کر سکتی۔ مال اور اولاد جو ایک دنیا دار کا مقصودِ حیات ہوتا ہے، تربیت یافتہ انسان اس کو فتنہ سمجھتا ہے اور ایسا بچ بچ کر چلتا ہے کہ گویا اس کی ذرہ سی غفلت اور بے احتیاطی اسے فتنے کے گڑھے میں گرا دے گی اور اس بچاؤ کا نام تقوےٰ ہے کہ ہدایت کا نور حاصل کرنے کے لئے جس کا ہونا اشد ضروری ہے۔ قرآن کریم کی ابتدا میں اسی بلند ترین مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ (ہدایت کا نور متقی لوگ ہی حاصل کر سکتے ہیں۔

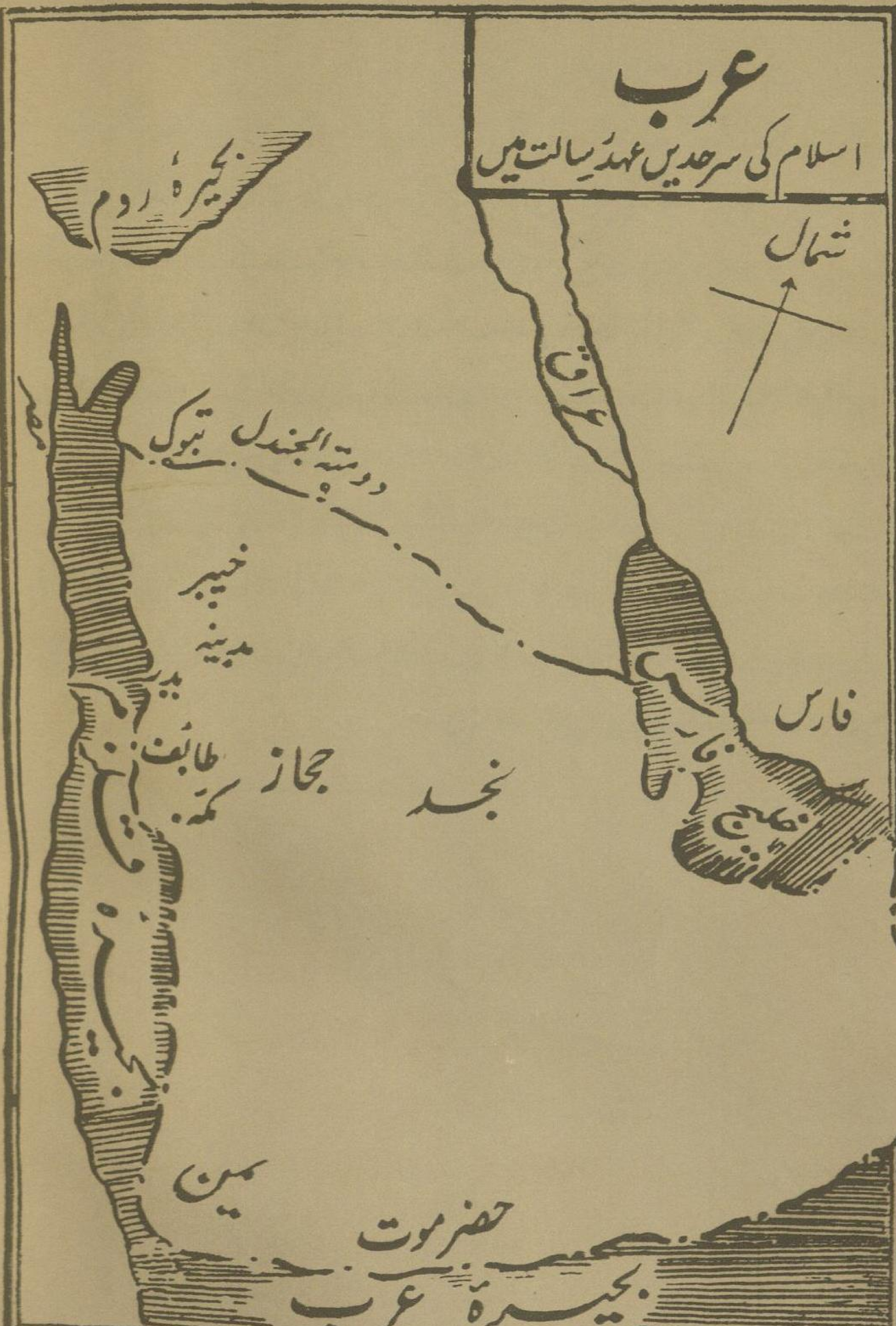
آسمانی کتابیں تمام کی تمام احوال اور کیفیات کا بیان ہوتی ہیں۔ اور پیغمبر اور اس کے تربیت یافتہ حضرات احوال و کیفیات کے مالک ہوتے ہیں۔ تعلیماتِ الٰہیہ کے حاملین کے وجود میں جب تک بلند اور صالح کیفیات

اور احوال پیدا نہ ہوں تب تک آسمانی تعلیمات مکمل نہیں ہو سکتیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نبی کا آ کر امتِ محمدیہ کو تربیت کرنا محال ہے اور ناممکن ہے۔ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (میرے بعد کوئی نبی نہیں) کا ارشاد موجود ہے اور تربیتِ روحانی کے بغیر اسلام نامکمل ہے اور قلوب انسانی اس تربیتِ روحانی کے بغیر گوشت پوست کے ایک لوتھڑے سے زیادہ قیمت نہیں رکھتے

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صاحبِ استعداد صحابہ کی تربیت اس نہج پر فرمائی تھی کہ انہوں نے حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد امت کے قلوب کو پیغمبرانہ طریق پر تربیت کیا اور حضور سرورِ دو عالم کے بعد اس تربیت کے مراکز قائم ہو گئے اور حضور کا فیض ہر زمانے میں ان حضرات کے ذریعے سے بلند استعداد لوگ حاصل کرتے رہے اور یہ سلسلہ تربیتِ علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور مدارس اسلامیہ کے تربیت یافتہ ہمیشہ اپنے روح کی پیاس انہی مراکزِ ہدایت میں بجھا کر امت کے سینے انوارِ الٰہی کے لئے تیار کرتے رہے اور تربیت کا یہ پیغمبرانہ دستور قیامت تک جاری رہے گا اور الہدیٰ یعنی نورِ باطن کے طالب انہیں فیض کے سرچشموں سے قیامت تک اپنی پیاس بجھاتے رہیں گے۔




عرب
اسلام کی سرحدیں عہدِ رسالت میں
شمال
بحیرۂ روم
عراق
مصر
تبوک
دومۃ الجندل
خیبر
مدینہ
بدر
طائف
مکہ
حجاز
نجد
فارس
خلیج
یمن
حضرموت
بحیرۂ عرب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَنْوَارُ الْھُدٰی فِی سِیْرَۃِ الْمُصْطَفٰی

عرب

زمین کا ہر ذرّہ صنعتِ صانعِ مطلق کا ایک جہاں ہے اور پانی کا ہر قطرہ اس کی حکمتوں کے اسرار کا بحرِ بے کراں ہے۔ خشکی ہو کہ تری، جنگل ہوں کہ پہاڑ۔ ہر جگہ اسی ایک خلاق العلیم کی صنعت و حکمت کار فرما ہے۔ حقیقت طلب نگاہیں باغ و بہار کی شادابیوں میں بھی اسی ایک جانِ جہاں کی محبت و جستجو میں سرمست و حیران ہیں اور لق و دق بیابان کی ویرانیوں میں بھی اسی یگانہ مطلوب کی طلب و تلاش میں غمناک و سرگرداں ہیں۔ جس کوہ و دشت میں اس کا جلوۂ دلربا نظر آجائے وہ بیابان بھی رشکِ صد گلستاں ہے۔ اور جس باغ و بہار میں تلاش کے پاؤں بے مقصود رہیں وہ باغ و بہار بھی بدتر از زنداں ہے۔

اے خلافتِ[1] الٰہی کے تخت نشین! جسم و جان کا امتزاج صرف تیری ہی بناوٹ کا امتیازی نشان نہیں بلکہ کائنات کا ہر ذرّہ ھوالظاھر والباطن کے رازہائے آشکارا و نہاں کا آئینہ دار ہے تخلیقِ عالم کے اسرار اور تعمیرِ عرش و فرش کے آثار اپنی ظاہری صورت اور باطنی حکمت کی زبان سے تیرے دل و دماغ کو دعوتِ فکر یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (وہ زمین اور آسمان کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں) دے رہے ہیں۔

اے باغِ جہاں کے گلِ خنداں! آ۔ اور دیکھ تجھے ملکِ عرب کی سرزمین دکھلائیں۔ جہاں پر تیری رنگ و بو اور نقش و نگار کی خوگر آنکھوں کے لیے دلچسپی کا کوئی بھی سامان موجود نہیں۔ وسیع و عریض ملک کی یہ حالت ہے کہ سارے کا سارا ملک ریگستان ہے۔ جہاں صدہا میل ریگِ رواں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ نہ وہاں گل و گلزار ہیں نہ رود بار و سبزہ زار۔ پانی کی یہ حالت ہے کہ دور دراز تک نکل جائیے نہ کوئی کنواں ملے گا نہ چشمہ۔

لیکن یہ خالقِ اکبر کی حکمتِ لم یزلی کا کرشمہ ہے کہ ہدایت کا جو بے پایاں سمندر وہاں ٹھاٹھیں مار رہا ہے

---

[1] مراد انسان۔

وہ کہیں اور نہ ملا ہے نہ مل سکتا ہے۔ اور سعادت و مقبولیت کا جو حصّہ اس مقدس زمین نے پایا ہے۔ وہ کسی دوسرے خطۂ ارضی کو حاصل نہیں۔ اس سرزمین کی سعادتمندی کا کیا ٹھکانا کہ یہاں اللہ کریم نے اپنے حبیب لبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو جلوۂ ظہور سے آراستہ فرمایا۔ اور یہی سرزمین مقصدِ کُن فکان کا مولد و مسکن بھی بنی۔ اور اللہ کی اس مقدس امانت کا مخزن بھی بنی۔ ایسی بے آباد زمین کو اپنے محبوبِ بے مثال کے لیئے کیوں منتخب کیا گیا؟ یہ فعّال مطلق کا کارنامہ ہے جو لاکھوں حکمتوں سے مالا مال ہے۔ ان تمام حکمتوں میں عبرت پذیری کا ایک بے بہا خزانہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ بظاہر مفلس و بے مایہ ابنِ آدم اگر خداشناسی کی دولت سے بہرہ ور ہو جائے تو عیش و آرام میں زندگی بسر کرنیوالے اور دولت و ثروت میں کھیلنے والے ناز پرورده ابنِ آدم سے اسی طرح بہتر ہے جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطنِ مقدس قیصر و کسریٰ کے آباد و شاد ملکوں سے ہزار درجہ بہتر و برتر ہے۔

عرب بظاہر صحرائے بے آب و گیاہ ہے لیکن فی الحقیقت وہ رشکِ صد چمن ہے کیونکہ حکیم مطلق کی حکمتِ کاملہ نے سید المرسلین فخر انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے اسی سرزمین کو منتخب فرمایا۔

ملک عرب ایک جزیرہ نما ہے جو محلِ وقوع کے لحاظ سے ایشیا کا جنوب مغربی خطّہ ہے۔ اور شکل و صورت میں ایک غیر متوازی چوکور ہے۔ اس کے مشرق میں خلیج فارس اور بحیرہ عمان۔ مغرب میں بحیرۂ قلزم۔ شمال میں ملکِ شام ہے اور جنوب میں بحرِ ہند۔ اس کا رقبہ تقریباً بارہ لاکھ مربع میل ہے۔ ملکِ عرب کے تین صوبے ہیں۔ حجاز، یمن اور نجد۔ اس میں ریت کے پہاڑوں کے نہ ختم ہونے والے سلسلے موجود ہیں۔ جہاں پتھریلی زمین آگئی۔ وہاں کچھ اور دکھائی نہیں دیتا۔ سرسبزی و شادابی صدہا میل میں کہیں نظر نہیں آتی۔ بس اوپر آسمان ہے نیچے ریت اور پتھر۔ سمندر کے کنارے کہیں کہیں آبِ شیریں کا کوئی چشمہ بہ نکلے تو وہی اہل ملک کی کل کائنات

ہدایت سے پہلے عرب

اسلام کے نور سے منور ہونے سے پہلے اہلِ عرب کی معیشت کا رنگ یہ تھا کہ کسی چشمے کے کنارے کھجور کے چند درخت ان کی عارضی جائداد ہوتی تھی۔ بھیڑ بکریاں پالنا اور اپنے ریوڑ اپنے ساتھ لیئے پھرنا ان کا

آبائی پیشہ۔ قبیلے کے قبیلے وہیں بسر کرتے تھے۔ اور یہ ضروری نہیں تھا کہ وہاں وطن کی مصنوعی صورت ہمیشہ کے لیئے وہ قائم رکھ سکتے۔ چشمے پھوٹتے بھی تھے اور ختم بھی ہوتے تھے۔ اس لیئے قبائل عرب آج ایک مقام پر فروکش ہیں تو کل دوسری جگہ قیام پذیر۔

اسی جفاکشی اور محنت نے انہیں بہادر بنا دیا تھا۔ جہدُ للبقا کی گوناگون کشمکشوں نے ان کی زندگی میں مختلف قسم کی سخت گیریاں پیدا کر دی تھیں۔ آب و ہوا کی تپش نے ان کی طبائع میں جوش و اشتعال قبول کرنے کی بارودی قوت بھر دی تھی۔ کشت و خون اور باہمی ٹکراؤ ان کا دن رات کا مشغلہ بن گیا تھا۔ رشد و ہدایت کا وہاں کوئی سامان نہ تھا۔ اس لیئے شیطان نے خود انسانیت کا بھیس بدل لیا تھا۔ گناہ نہ صرف اس زمین میں زندہ رہتا تھا بلکہ معیشت کے اربعہ عناصر میں شامل تھا۔ جُوا بازی، شراب نوشی، زنا کاری ان کے دل پسند کام تھے۔ ڈکیتی اور راہ زنی ان کی بہادری کا معیار بن چکا تھا۔ چونکہ جنسی بے راہ روی نے غیرت اور شرافت کی مٹی پلید کر دی تھی۔ اس لیئے غیرت کے مخفی تقاضے دختر کشی کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے قبیلے اپنی اپنی مستقل حکومت رکھتے تھے۔ اپنا ایک سردار منتخب کر لیتے جس کی اطاعت میں وہ صلح و جنگ کے قوانین کی پابندی کرتے اور وہ قوانین معاہدوں کی شکل میں خود ان کے سردار ترتیب دیتے۔

عرب کے مذاہب

اگرچہ عیسائیت اور یہودیت بھی کہیں کہیں ملتی تھی۔ کہیں کہیں ستارہ پرستی بھی تھی۔ الحاد جو کمال عقل کی سند سمجھا جاتا تھا۔ وہ بھی موجود ہے لیکن عرب کی اکثریت بُت پرستی کے دلدل میں پھنسی ہوئی تھی۔ اہلِ مکہ کا دعوےٰ تھا۔ کہ وہ دین ابراہیمی کے پیرو ہیں۔ لیکن یہ دعوےٰ محض رسمی تھا۔ بت شکن، ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کیئے ہوئے کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بت موجود تھے اور ہر قبیلے کا بت الگ تھا۔

بتوں کے بارے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ حاجت روائی کرتے ہیں۔ جنگ میں فتح دلاتے اور مشکلات میں مشکل کشائی کرتے ہیں۔ اور خدا سے ملنے کا ذریعہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا تصور ان کے ذہن میں موجود تھا لیکن یہ تصور جہالت کی تاریکی میں پھنس کے رہ گیا تھا۔ آسمان کی زندگی، حیات بعد الموت، اعمال کا محاسبہ

قیامت کا اقرار، جنّت اور دوزخ کا اعتراف جو توحید کے لوازمات ہیں۔ ان کے ذہن میں بھی نہ آتے تھے۔ ان لوازمات توحید کے انکار نے انہیں ہر قسم کے گناہ کا عادی بنا دیا تھا۔ اور اپنی بت پرستی میں جو انسانی تخیل کی انتہائی پستی ہے وہ مگن تھے۔

مفروضہ ناموں کے اینٹ پتھر کے بُت تراش کر ان سے امیدیں وابستہ کرنا شرافت انسانی کے نام پر دھبّہ ہے۔ اسلام نے نہ صرف توحید کے لوازمات کو ایمان کا جزو لاینفک بنایا۔ بلکہ بت پرستی اور اس کے تمام لوازمات کو حرام قرار دیا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض اہلِ اسلام نے قرآن کی ان آیات کا مطلب سمجھنے میں کوتاہی کی ہے جو بت پرستوں کے تصوّرات ذاتِ الٰہی کے بارے میں موجود ہیں۔ وہ ان آیات کو اٹھا کر قبور اور اہلِ قبور اور پرستارانِ توحید و لوازمات توحید کے سر پر رکھ دیتے ہیں۔ اہلِ حق کو کھلم کھلا مشرک کہہ دیتے ہیں۔ اور ان کے افعال کو اسی قسم کا شرک سمجھتے ہیں جو اہلِ مکّہ میں بت پرستی کی صورت میں تھا۔ اہلِ عرب بت پرست تھے۔ اسلام نے بتوں کو فنا کیا۔ لیکن قبر کو برقرار رکھا اور اس کی حرمت و عزّت قائم کی۔ قربِ خدا [illegible] کا خیال اور عقیدہ بے حد مبارک لیکن اہلِ عرب کا بتوں کے بارے میں یہ عقیدہ کہ "یہ بت ہمیں اللہ کا قرب دلاتے ہیں":

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى — ہم بتوں کی عبادت اس واسطے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب دلائیں۔

سراسر غلط ہے۔ بھلا بُت تقرّب الی اللہ کا سبب کیسے بن سکتے ہیں؛ لیکن کیا انبیا علیہم السلام، صدّیقین اور صُلحا کے بارے یہ عقیدہ رکھنا بھی غلط ہے؟ لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى تاکہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا مقرّب بنائیں۔

اگر اس عقیدہ کو غلط قرار دیا جائے کہ انبیا علیہم السلام تقرّبِ الٰہی کا سبب بنتے ہیں تو پھر اسلام میں کونسی چیز صحیح رہ جاتی ہے؟

تقرب الی اللہ ضروری ہے اور یہی مقام انسانیت کا بلند ترین مقام ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیئے غلط راستوں سے بچنا اور صحیح طریقہ اختیار کرنا لازم ہے۔ اور وہ صرف یہ ہے۔

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ — اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اطاعت کرو اللہ تعالےٰ تمہیں دوست بنا ئے گا۔

یہ اطاعت خالی خولی مطلب کی اطاعت نہیں بلکہ یہ اطاعت وہ اطاعت ہے جس کے نیچے محبت رسولؐ کا پانی بہہ رہا ہے۔ اور اس اطاعت کی طرح حُبّ رسولؐ بھی فرض ہے۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (حدیث) — تم میں سے کوئی ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔

یعنی سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی ہو اور محبت بھی ہو۔ اب اس اطاعت اور محبت دونوں کا جو لازمی نتیجہ ہو سکتا ہے وہ قرب الٰہی ہے اور جہاں محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اطاعتِ حبیبِ خدا مل جائیں وہاں ظاہر و باطن کی وہ صورت جلوہ گر ہوتی ہے کہ حیرت سے ادھر انگلیاں اٹھتی ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ حبِ رسول نے صحابہؓ کو کیسا توحید کا پرستار بنایا تھا۔ اس لیئے صرف زبانی توحید پر اکتفا کرنا ہی کیا کم غلط فہمی ہے۔ کہ اہلِ ذوق و شوق کو الٹا شرک کا طعنہ دینا شروع کر دیا ہے

مغرور سخن مشو کہ توحید خدا — واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

ترجمہ: صرف زبانی دعوے سے دھوکہ نہ کھا کیونکہ خدائی توحید واحد کہنے سے مکمل نہیں ہوتی، واحد دیکھنے سے ہوتی ہے اور حُبِّ رسولؐ کے بغیر توحید کا لطیف اور مشکل سبق یاد بھی کیسے ہو سکتا ہے۔ نبوت کی تاثیرات موجود ہیں، اس کی تعلیمات موجود ہیں۔ لیکن اگر اس وقت کسی چیز کی کمی ہے تو وہ صرف حُبِّ رسول کی کمی ہے۔ اب یہ سودا کسی مکتب اور مدرسے سے تو ملنے سے رہا اور نہ ہی کسی وعظ و تبلیغ سے یہ گتھی سلجھ سکتی ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ ہر فن صاحبِ فن سے سیکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح حُبِّ رسول کی دولت بھی اہلِ محبت کے سینوں کے دفینوں سے مل سکتی ہے۔

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں (اقبال)

اور ایسے اہلِ حق ہمیشہ موجود رہے ہیں جو قلب و نگاہ کے خمخانہ سے جامِ محبتِ رسول اور ساتگینِ مئے توحید پلاتے رہے ہیں ؎

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا (اقبال)

علم اور اس کی تاثیرات سے انکار نہیں۔ علم کے بغیر کلمۂ حق مخلوق کے کانوں تک پہنچ بھی کیسے سکتا ہے۔ لیکن مردہ اور خوابیدہ دل کا علاج علم کے پاس نہیں ہے۔ اور خوابیدہ دل کو دلِ زندہ ہی بیدار کر سکتا ہے۔ اور اس حصنِ حصین کو صرف کامل کی نگاہ کا جادو ہی مسخر کر سکتا ہے ؎

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ نگاہ کی تیغ بازی وہ سپاہ کی تیغ بازی (اقبال)

اس حقیقتِ کبریٰ کو نہ سمجھنا اور علمی ہتھیار سجا کر دنیائے کفر کی تسخیر کے لیئے نکلنا خودکشی کے مترادف ہے علمی توحید ذوق و وجدان سے خالی ہوتی ہے اور بالکل سطحی نگاہ سے کام لیتی ہے اور ایسے اہلِ توحید اپنی جلد بازی سے اہلِ حق کو باطل پرست کہہ کر آپ اپنا نقصان کرتے ہیں۔ کیونکہ اہلِ حق کو باطل پرست کہنے سے اپنی حق پرستی کو عظیم خطرہ لاحق ہے۔ نہ صرف اہلِ اسلام میں تفرقہ ڈالنے کے جرمِ عظیم کا ارتکاب ہے، بلکہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وعید کی زد میں بھی آجاتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کہے تو ایک ان دونوں میں ضرور کافر ہے۔ یعنی جس مسلمان کو کافر کہہ دیا گیا ہے اگر وہ فی الحقیقت کفر میں داخل ہو چکا ہے تو فبہا ورنہ مسلمان کو کافر کہنے کے جرم میں کہنے والا خود کافر بنا دیا جائے گا۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال الرجل لاخیہ یا کافر فقد	حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں، کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی آدمی نے اپنے بھائی سے کہا، اے کافر، تو

باء بها احدهما فان کان کما قال والا رجعت علیہ (رواہ البخاری)

ان دونوں میں سے ایک ہو گیا۔ اگر تو وہ ایسا ہے جیسا اس نے کہا۔ ورنہ وہ حکم اس پر لوٹ آئے گا۔

اسلام سے قبل نہ صرف عرلستان کی سرزمین ہدایت کے نور سے خالی تھی بلکہ دنیا بھر میں بت پرستی، قوت پرستی اور جاہ پرستی کا دور دورہ تھا۔ کفروالحاد کی تاریکی ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔ یہودیت اور نصرانیت پھل پتے جھاڑ چکی تھیں۔ ان کے عالم دنیا پرست ہو چکے تھے اور ان کے راہب شہوت اور خواہشات نفسانی کے طوفان میں بہہ رہے تھے۔ طلبِ حق کی چنگاریاں ان کی راکھ میں موجود تھیں۔ لیکن دبی ہوئی چنگاریوں پر حُبِ دُنیا اور خواہشاتِ نفسانی کے دھارے اس تیزی سے بہہ رہے تھے کہ سب کچھ بہائے لئے جا رہے تھے۔

مکّہ مکرّمہ اور کعبۃ اللہ

آدم علیہ السّلام جب آسمان سے زمین پر اترے کہتے ہیں ان کا پہلا قدم سرزمینِ ہند کے ایک جزیرہ سراندیپ پر پڑا۔ آزمائش کے دن گزارتے، ابتلا کی سختیاں جھیلتے، مختلف مقامات پر پھرتے پھراتے رہے۔ دِل آتشِ فراق پر کباب بن رہا تھا اور ندامت کے آنسوؤں سے پھول جیسے رُخسارے خزاں دیدہ پتّیاں بن چکے تھے۔ تین سو سال اسی حال میں گذرے۔ زمین کی وسعتیں ان کی نگاہ میں تنگ و تاریک تھیں اور آسمان کے نظارے دُوری کے باوجود نزدیک۔ رحمتِ الٰہی نے ان کے حالِ زار پر نظرِ شفقت کی۔ ان کی ندامت کو پسند فرمایا اور توبہ کرنے کا طریقہ القا فرمایا۔ ہاتھ بارگاہِ الٰہی میں پھیلے ہوئے تھے۔ آنکھیں چھم چھم برس رہی تھیں۔ اور بھرّائی ہوئی آواز میں یہ کلمات زبان سے نکل رہے تھے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ۔

ہمارے رب ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمارے قصور کو معاف نہ کیا۔ اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ضرور ہم گھاٹے میں رہیں گے۔

حضرت آدم کی توبہ قبول ہوئی۔ حضرت حوّا کی تلاش میں نکلے۔ عرب کی سرزمین میں پہنچے۔ تلاش جاری

تھی۔ عرفات کے میدان میں حضرت حوا علیہا السلام سے ملاقات ہوئی۔ مزدلفہ سے ہوتے ہوئے اس وادی میں آئے جہاں اب مکہ ہے۔ اس وادی کے عین وسط میں ایک گھر سرخ یاقوت سے بنا ہوا دیکھا یہی وہ کعبۃ اللہ ہے۔ جس کے بارے قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا وَّھُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ۔

بیشک پہلا خانہ خدا جو لوگوں کے لیے بنایا گیا۔ وہ مکہ میں ہے۔ برکت والا ہے اور جہان والوں کے لیے ہدایت ہے۔

اسی گھر کا طواف کیا اور اسی گھر کو قبلہ وصول بنایا۔ پھر مرورِ زمانہ سے یہ مقدس گھر حادثات زمانہ کا شکار ہوتا رہا۔ اور تعمیر ہوتا رہا۔ تا آنکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے نئے سرے سے اس کی بنیاد رکھی۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمَاعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ دونوں بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور کہتے جاتے تھے اے رب ہمارے تو قبول کر ہم سے بے شک تو سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

ابتدائے آدم علیہ السلام سے کعبۃ اللہ مرکزِ عبادت اور منبع انوارِ الٰہی ہے اس مبارک گھر کے قریب رہنے والوں کی جو بستی بنی وہ مکہ یا بکہ کہلائی۔ اس مکہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اللہ کے محبوب، نورِ مجسم، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہورِ قدسی اس مقدس سرزمین میں ہوا۔

سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اجداد

حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی اکرم حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جدِ اعلےٰ ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل میں پیدا ہوئے اور آپؑ نو واسطوں سے حضرت نوح علیہ السلام سے جا ملتے ہیں۔ اس وقت بابل کا بادشاہ نمرود تھا۔ نمرود خود بھی بُت پرست تھا اور اپنی سونے کی مورتی کی پوجا بھی

کروایا کرتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام عنفوانِ شباب میں نورِ نبوت سے فیض یاب ہوئے اور نمرود اور اس کی قوم کی اصلاح کا کام ان کے سپرد ہُوا۔

ہدایت قلبی کا سبق بے انتہا مشکل ہے اس لئے کہ بشریت کے حواس ظاہرہ خود قلبی تربیت کے مخالف ہیں۔ لوگوں کی روحانی اصلاح کے فریضہ کو ادا کرنے کے لئے تمام انبیا علیہم السلام کو بڑی بڑی مشکلات کا سامنا ہوا اور اسی غرض کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دینا پڑیں۔ تب کہیں جا کر یہ عقدہ حل ہونا رہا ہے۔

نمرود کی بُت پرستی کے خلاف بابل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آواز اٹھائی۔ ایسی اجنبی آوازیں اور جراتِ رندانہ سے کہی ہوئی صدائیں بجلی کی تیزی سے دور و نزدیک پھیل جاتی ہیں۔ کچھ دن بعد نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک مباحثہ کیا۔ جس کو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مباحثہ

توحید کا پرستار سیدنا ابراہیمؑ دربارِ نمرود میں توحیدِ الٰہی کا اعلان فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ زندگی اور موت کا سارا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ — میرا رب زندگی بخشتا ہے اور مارتا ہے۔

نمرود بابل کا شہنشاہ تخت پر بیٹھے ہوئے کہتا ہے۔

قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ۔ — میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔

اس پر اس نے ایک پھانسی کے مجرم کو چھوڑ دیا اور ایک بے گناہ کو دربارِ عام میں قتل کرا دیا۔

اگرچہ زندہ کرنے اور مارنے کی یہ کوئی معقول دلیل نہ تھی تاہم دولت کے پجاری اور طاقت کے پرستار، طاقت اور دولت کی ہر جائز و ناجائز حمایت کرتے ہیں۔ وہ اپنے بادشاہ کی اس عملی دلیل سے نہ صرف مرعوب ہو گئے بلکہ اپنے بادشاہ کی کامیابی دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔

ادھر محبتِ الٰہی کا مجسمہ پھر بولتا ہے

رَبِّیَ الَّذِیْ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ — میرا رب وہ ہے جو مشرق سے سورج لاتا ہے

فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ۔ | اب تو ذرا مغرب سے نکال کے دکھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دلیل ایسی دلیل نہ تھی جو تکوینی سلسلے میں پہلی دلیل سے بڑھ کر ہو۔ وہ دفع الوقتی کے لئے یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ مشرق سے سورج میں نکالتا ہوں تو اپنے خدا سے کہہ کہ وہ مغرب سے نکالے۔ اہلِ دنیا حصول اسباب دنیا میں بڑے ہوشیار ہوتے ہیں۔ وہ اپنے فائدے اور نقصان کو خوب سمجھتے ہیں۔ مردم شناسی کا جوہر بھی کسی حد تک رکھتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی کیفیاتِ قلبی کی تاثیریں۔ انکی جرأت اور بلند ہمتی نمرود دیکھ رہا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کی آنکھوں میں جلالِ الٰہی موجیں مار رہا تھا نمرود نے دیکھا۔ کہ اگر میں اس سوال کو بھی کٹ حجتی سے رد کروں اور کہوں کہ مشرق سے سورج میں لاتا ہوں تو اپنے مولا سے کہہ کہ وہ مغرب سے لائے تو ابراہیمؑ کا خدا ابراہیمؑ کی لاج رکھے گا۔ اور مغرب سے سورج نکال دے گا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا جس حیرانی کو قرآنِ پاک نے یوں بیان فرمایا۔

فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔ | تب کافر مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اور اللہ تعالےٰ ظلم کرنے والوں کو ہدایت (کا نور) عنایت نہیں کرتا۔

اس آیت کا تتمہ پورے واقعہ کا نتیجہ ہے کہ حضرت ابراہیم میں اس قدر بے پناہ قوت اور مافوق العادت طاقت دیکھ کر بھی نمرود نے ہدایت کی طرف منہ نہ موڑا۔ بلکہ انتقامی جذبہ سے برافروختہ ہو کر حضرت ابراہیمؑ کی جان کا لاگو بن گیا۔

ہدایت کا معاملہ خود پروردگارِ عالم کے اپنے حوالے ہے اور ظاہر حالات میں قوت اور دولت دونوں ہدایت کے سامنے بہت بڑی رکاوٹیں ہیں۔ اسی لئے بڑے بڑے لوگ ہدایت تقسیم کرنے والوں کے مقابلے میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور نورِ ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔

بتوں کا توڑنا

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک دفعہ موقعہ پا کر نمرود کے بت خانہ میں چلے گئے۔ اور کلہاڑے سے بتوں کی تہس نہس پھیر دی۔ سارے بابل میں سوائے ان کے کسی پر شبہ نہ ہوا۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

جواب طلبی ہوئی۔ مردِ خدا نے ایسا جواب دیا۔ کہ کافر حیران و پریشان ہو کر رہ گئے۔ آپؑ نے فرمایا کہ پوچھو اس بڑے بت سے جو صحیح سالم کھڑا ہے۔ اسی نے تو سب کو فنا نہیں کیا؟ بتوں کی حیات اور سمع و بصر کے بارے خود اہلِ کفر کو یقین ہے کہ وہ زندگی سے بہرہ رکھتے ہیں نہ سمع و بصر سے۔ تاہم وہ آبائی رسم کو جان پر کھیل کر بھی نبھاتے ہیں۔ افسوس ہے ان اہلِ اسلام پر کہ جن کا خدا حیٌّ و قیوم اور سمیعٌ بصیر اور علیمٌ خبیر ہے پھر بھی اسکے ساتھ کئے ہوئے عہد سے عمر بھر منحرف رہتے ہیں۔

پریشانی کے ساتھ انہیں غصہ بھی آیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتش میں جلانے کی سزا تجویز ہوئی اور بابل کے حوالی میں اتنی آگ جلائی کہ روئے زمین پر اتنی آگ بیک وقت شاید کبھی نہ جلی ہو۔ ابراہیمؑ کو اس آگ میں گرایا گیا۔ اللہ تعالےٰ جل شانہٗ نے اس آگ کو اپنی قدرتِ کاملہ سے گلستان بنا دیا۔

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ — ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا۔ اور ابراہیمؑ کے لئے سلامتی بن جا۔

جوانی کی یہ آزمائش بے انتہا کڑی تھی لیکن خلیل اللہ علیہ السلام اس آزمائش میں پورے اترے بڑھاپے میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو برس کی ہوئی تو اللہ تعالےٰ سے اولاد کی دعا مانگی۔ اللہ تعالےٰ نے فرزند عطا فرمایا۔ اسمٰعیلؑ نام رکھا۔ جب یہ حسین و جمیل پیغمبر زادہ عنفوانِ شباب کو پہنچا تو اللہ تعالےٰ نے جوانی کے امتحان اور آزمائش سے بھی بڑے امتحان میں مبتلا کر دیا۔ حکم ہوا کہ اسماعیلؑ کو ہمارے نام پر ذبح کرو۔ اخلاص سے بھرپور دل کو یہ حکم ذرہ بھر ناگوار نہ گزرا۔ نوجوان بیٹے کو ذبح کرنا تھا۔ ان کی رائے لینا ضروری خیال کیا اور فرمایا محبوب بیٹے! میں تجھے اپنے محبوبِ حقیقی (اللہ جل جلالہٗ) کے حکم سے ذبح کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام بولے۔ ابا جان! آپ فرمانِ خداوندی بجا لائیں۔ انشاء اللہ مجھے صبر والوں میں پائیں گے ـــــ

؎ یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھلائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ — جب (حضرت اسماعیلؑ) ـــــ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ چلنے کے قابل ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ۝ قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ۝ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۝ وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

نے کہا اے پیارے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب تو غور کر تیری کیا رائے ہے۔ کہا اے ابا جان آپ کر گزریں جس کا آپ کو حکم ملا ہے۔ مجھے انشاءاللہ صبر والوں میں دیکھیں گے۔ جب باپ بیٹا دونوں نے اطاعت قبول کر لی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے آواز دی اے ابراہیم! آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ بے شک ہم احسان والوں کو یوں ہی بدلہ دیا کرتے ہیں بے شک یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی۔ اور ہم نے بڑی قربانی کو اسماعیل کا فدیہ دیا اور آنے والی امتوں میں ہم نے ابراہیم پر باقی رکھا سلام ہے ابراہیم پر بے شک ہم احسان والوں کو یونہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

یہی ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور یہی اسماعیل ذبیح اللہ ہیں۔ جو حضور سرورِ کونینؐ کے جدِّ اعلےٰ ہیں۔ اور جن کے دین کی تجدید کے لیے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے۔

دین کیا ہے؟

یہ دین کیا ہے؟ تعلق باللہ کا ایک حال ہے جو ہر قسم کی قربانی پر آمادہ کرتا ہے۔ اور ہر قسم کی عبادتِ خداوندی اور اطاعتِ الٰہی کا علمی و عملی مجموعہ ہے۔ عبادت اور قربانی مردِ مومن کا طرۂ امتیاز رہی ہے اور قربانی کے سوا اخلاص کے اظہار کا کوئی دوسرا طریقہ آج تک بتلایا بھی نہیں گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ

اللہ کریم نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور

اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ — ان کے مال و متاع خرید لئے ہیں اور بدلے میں جنت عنایت فرمائی ہے۔

جان، مال اور خواہش کی قربانی سے ایمان و احسان کے مدارج ملتے ہیں۔ لینے والوں کی کمی ہے ورنہ دینے والا وہی رب کریم ہے۔ جس نے ہمیشہ اپنے انعامات کے دروازے کھولے رکھے۔ اور کسی ملک، کسی قوم اور کسی فرد سے اپنی عنایات کو کبھی نہیں روکا۔ شرط صرف یہ ہے کہ کوئی صحیح طالب بنے اور اس کے نام پر اس کے حکم سے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ قربانی کے ساتھ دنیا و آخرت کے انعامات وابستہ ہیں۔ صرف زبانی دعووں سے کچھ بنتا بھی نہیں۔ اس لئے دعوے سے عمل کی طرف منتقل ہونا صاحب ایمان کے لئے شرطِ اوّل ہے ؎

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسماعیلؑ (اقبال)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو ازواج مطہرات تھیں۔ ایک حضرت ہاجرہؓ جو شاہِ مصر کی بیٹی تھیں۔ دوسری حضرت سارہؓ۔ حضرت ہاجرہؓ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور حضرت سارہؓ سے حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسحاقؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ تھے۔ اور حضرت یعقوبؑ کا دوسرا نام اسرائیل ہے۔ اور انہی کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔

حضرت اسماعیلؑ کا کعبۃ اللہ میں آنا

اللہ تعالےٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام جناب ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس مقدس سرزمین میں چھوڑ گئے جہاں اب کعبۃ اللہ ہے۔ یہ بے آب و گیاہ وادی جہاں نہ سبزہ تھا نہ پانی محض اللہ تعالےٰ کے بھروسے پر معصوم فرزند اور پاکدامن بیوی کو چھوڑا۔ حضرت ہاجرہؓ نے اپنے جگر گوشہ کو لٹا دیا۔ اور پیاسے بچے کے لئے پانی کی تلاش میں نکلیں۔ صفا و مروہ دو پہاڑیاں تھوڑے فاصلے پر تھیں۔ ان دونوں پر سات دفعہ چکر لگائے کہ کہیں پانی کا نشان ملے۔ لیکن اس وادی میں پانی کہاں۔

وہ بے قرار واپس آئیں تو عجیب کرشمہ دیکھا۔ کہ بچے نے شدتِ پیاس سے ایڑیاں زمین پر رگڑیں اور وہاں سے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ حضرت ہاجرہؓ نے پانی کے اردگرد مٹی سے ایک منڈیر سی بنا دی۔ اور فرمایا زم زم۔ اس کے معنی ہیں رُک جا۔ رُک جا۔ پانی رک گیا۔ یہ وہی چشمہ ہے جو ہزارہا سال سے حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے بچپن کے معجزے کی یادگار ہے۔ اور اب تک جاری ہے۔ زمزم کعبۃ اللہ کی شرقی جانب مُصلّی شافعی کی دو منزلہ عمارت کے نیچے ایک کنواں ہے۔ جس کا پانی روئے زمین کے مسلمان تبرک کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اس میں شفا رکھی ہے۔ اس مقدس سرزمین میں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پرورش پائی۔ اور تیرہ برس کی عمر میں جان کی قربانی پیش کرکے ذبیح اللہ کا نہ مٹنے والا لقب حاصل کیا۔ جس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

اہل عرب کی تین قسمیں

۱۔ عرب کی وہ قدیم اقوام جو مٹ چکی تھیں مثلاً طسم اور جدلیس وغیرہ۔

۲۔ وہ اصل عرب جو بنی قحطان کہلاتے ہیں۔ بنی قحطان زیادہ تر یمن میں آباد ہیں۔ اور مدینے کے انصار بھی بنی قحطان ہیں۔

۳۔ حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی اولاد۔

حضرت اسماعیل علیہ السّلام مکّہ کی وادی میں رہتے تھے۔ جب آپ جوان ہوئے تو ان کی شادی قبیلہ بنی جرہم کے سردار مضاض کی صاحبزادی سے ہوئی۔ یہ قبیلہ وادی مکّہ کے آس پاس رہتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السّلام نے اللہ کے حکم سے حضرت آدمؑ کی عبادت گاہ کو جو انقلابِ زمانہ سے نابود ہو چکی تھی سنئے سرے سے تعمیر کیا۔

عاشقِ الٰہی باپ اور فداکاروں کا سردار بیٹا تعمیر کعبہ کرتے جاتے تھے اور دعائیں مانگتے جاتے تھے۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا

اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور دعائیں مانگ رہے تھے

تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ
الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ
وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ
وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ
أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ
فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ
آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔

اے ہمارے پروردگار ہم سے قبول فرما بیشک
تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے
پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بندہ بنا اور ہماری
نسل سے ایک گروہ ایسا ہو جو تیرا فرمانبردار ہو۔
اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہمارے
قصوروں سے درگزر فرما بیشک تو ہی بڑا درگزر
کرنے والا مہربان ہے۔ اے رب ہمارے بھیج
ان میں رسول ان ہی میں سے جو ان پر تیری آیات
پڑھے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے بیشک تو غالب حکمت والا ہے۔

سرورِ دو عالم کا سلسلہ نسب

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے۔ قیدار جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دوسرا بیٹا تھا۔ اس کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی۔ اور قیدار کی اولاد میں عدنان نہایت مشہور ہوئے ہیں۔ حضرت اسماعیل اور عدنان میں بعض مورخوں نے ۳۷ اور بعض نے ۳۹ واسطے بیان کئے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عدنان ہی کی اولاد سے ہیں۔

عدنان کے بعد بنی جرہم عدنانی خاندان پر غالب آ گئے اور اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ پھر عدنان سے پندرھویں پشت میں ایک صاحب ہوئے جن کا نام قصی بن کلاب ہے۔ انہوں نے مکہ پر قبضہ کر لیا۔ اور بہت نامور سردار ہوئے ہیں۔ انہوں نے مکے میں نہایت شاندار کام کئے۔

(۱) دار الندوہ انہی نے قائم کیا۔ یہ ایک عمارت تھی۔ جہاں قوم کے اہم امور انجام پاتے تھے۔ قریش کو جب کبھی کسی دشمن سے مقابلہ ہوتا تو اس کی تیاری یہیں کرتے۔ جب تجارتی قافلے دوسرے ملکوں کو جاتے تو یہیں سے تیار ہوتے۔ نکاح اور دوسری اہم تقریبیں یہیں انجام پاتیں۔

(۲) سقایۃ الحاج بھی اسی قصی کا مقرر کردہ عہدہ ہے یہ حُجّاج کو آبِ زمزم پلانے کی خدمت ہے جو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔

(۳) رفادہ کا منصب بھی اسی کا قائم کردہ ہے اور یہ حُجّاج کو کھانا کھلانے کی خدمت ہے اس نے باہم مشورہ سے قریش سے ایک خاص رقم سالانہ وصول کی تاکہ دور دراز سے آنے والے زائرینِ حرم کو مکہ اور منیٰ میں کھانا تقسیم کیا جائے۔ چرمی حوض بھی اس نے بنوائے کہ حج کے موقعہ پر ان میں پانی بھر دیا جاتا تھا۔ اور وہ حجاج کے استعمال میں آتا۔

(۴) مشعر الحرام بھی انہیں کی ایجاد ہے۔ حج کے دنوں میں اس مقام پر چراغ جلائے جاتے تھے۔

(۵) ایک قومی جھنڈا بنایا جس کو لِوا کہتے تھے۔

قصی کے چھ بیٹے تھے۔

عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزیٰ، عبد بن قصی، تخمر، برہ

ہمارے نبی اکرم کے جد اعلےٰ عبد مناف ہیں۔

عبد مناف
|
ہاشم
|
عبدالمطلب
|
عبداللہ
|
سید دو عالم حبیب کبریا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قصی نے اپنے بیٹے عبدالدار کو حرم کے تمام عہدے دے دیئے۔ چونکہ وہ بہت قابل نہ تھا اسلئے یہ سرداری عبد مناف کے قبضے میں آئی۔ پھر ان کے بیٹے ہاشم نے اس عہدے کو سنبھالا اور نہایت دانائی سے کارہائے نمایاں کئے۔ حجاج کو فراخ دلی سے کھانا کھلایا۔ چاہ زمزم کی حفاظت اور منیٰ میں پانی بھرنے کا انتظام کیا۔ قریش کی تجارت کو ترقی دی۔ قیصر روم اور شاہِ حبش سے فرمان حاصل کئے۔ کہ قریش کے مالِ تجارت پر کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔

قریش اپنا سامان تجارت لے کر گرمیوں میں ایشیائے کوچک تک جاتے اور سردیوں میں یمن تک جاتے۔

ملک عرب میں راہزنی عام تھی۔ قافلے لوٹے جاتے۔ ہاشم نے قبائل میں دورے کئے اور ان سے معاہدے کئے کہ وہ قریش کے قافلوں سے تعرض نہ کیا کریں۔ اس کے بدلے میں وہ ضروریات کی چیزیں انہیں پہنچایا کریں گے اور ملک میں بدامنی کے باوجود ان کے تجارتی قافلوں کو کبھی کوئی نقصان نہ پہنچا۔

جناب ہاشم کے تعلقات اہل مدینہ سے

ہاشم مالِ تجارت لے کر شام کو جا رہے تھے کہ راستے میں مدینہ طیبہ میں ٹھہرے۔ وہاں خاندانِ بنی نجار کی ایک پاکباز خاتون سلمٰی سے شادی کر لی۔ کچھ عرصے بعد یہ شام کو چلے گئے۔ اور سفر ہی میں مقام غزہ میں انتقال کیا۔ ادھر سلمٰی کے ہاں فرزند پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ اس نے آٹھ برس تک مدینہ میں تربیت پائی۔ ہاشم کے بھائی مُطّلب کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ مدینے گیا۔ اور اپنے ہونہار بھتیجے کو ہمراہ لایا۔ اس یتیم کی تربیت مُطّلب نے کی۔ اس لئے ان کا نام عبدالمُطّلب پڑ گیا۔

سرورِ دو عالم کے والد ماجدؓ کی قربانی

عبدالمُطّلب کے دس بیٹے تھے۔ منّت مانی کہ اگر دسوں ہی اسکے سامنے جوان ہوئے تو ایک بیٹے کو خدا کے نام پر قربان کر دیں گے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی یہ آرزو پوری کی۔ کعبۃ اللہ میں آئے۔ بیٹوں کے نام پر قرعہ اندازی کی۔ قرعہ جناب عبداللہ والد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نکلا۔ وہ ان کو قربان کرنے چلے ہی تھے کہ خاندان کی مستورات اور جناب عبداللہ کی بہنوں نے رونا شروع کر دیا۔ اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربان کریں۔ دس اونٹوں میں اور جناب عبداللہ میں قرعہ ڈالا گیا۔ پھر بھی انہیں کے نام کا قرعہ نکلا۔ پھر دس اونٹ اور بڑھائے پھر بھی انہی کے نام قرعہ نکلا۔ اس طرح دس دس اونٹ بڑھاتے گئے۔ یہاں تک کہ جب سو اونٹ کے مقابلے میں ان کو رکھا گیا۔ تو سو اونٹ کے نام قرعہ نکلا۔ چنانچہ سو اونٹ قربان کئے گئے یہ اس طرح ذبیح اللہ کہلائے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ اوّل حضرت اسمٰعیلؑ اور دوسرے حضرت عبداللہ۔ یہ کلماتِ سیّدِ دو عالم نے اس انداز میں فرمائے کہ آپ اس پر خوشی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ گویا اللہ کے نام پر کسی کا جان دے دینا خواہ کسی بھی حالت میں ہو وہ بے حد مبارک ہے اور اللہ تعالےٰ کے محبوب کے لئے بھی بے حد قابلِ فخر اور موجبِ فرحت ہے۔ آپ بتلائیں کہ جب سیّدِ دو عالم کی امّت کا کوئی فرد اپنا مال جان اور

وقت اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کرے تو حضورؐ کی کس قدر خوشی اور مسرت ہوگی۔ اے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تیرا تعلق اس حبیبِ خدا سے بہت گہرا ہے۔ تو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں رسائی حاصل کرلے اور اپنی قیمت بنالے ورنہ جب انسانوں کی قیمتیں پڑیں گی تو تو حسرت اور یاس سے ہاتھ ملیگا

اب عبدالمطلب کو اپنے مہتاب لقا عبداللہ کی شادی کی فکر لاحق ہوئی۔ حضرت آمنہ کے حصے میں یہ دولت مقدر تھی۔ حضرت آمنہ قبیلہ زہرہ کے ایک معزز آدمی وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی تھیں۔ اور شرافت و نجابت میں بہت ممتاز تھیں۔

شادی کے وقت حضرت عبداللہ کی عمر ۱۷ برس سے کچھ زیادہ تھی۔ شادی کے بعد جناب عبداللہ مال تجارت لے کر شام کو گئے۔ واپس آرہے تھے کہ مدینہ میں ٹھہرے اور بیمار ہوگئے۔ عبدالمطلب کو جب ان کی بیماری کا حال معلوم ہوا تو اپنے بیٹے حارث کو مدینے بھیجا۔ وہ پہنچے تو عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔

اس خاندان بھر کے محبوب ترین جوان کی موت پر تمام خاندان میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ حضرت عبداللہ کے انتقال کے بعد ان کے ترکہ میں کچھ اونٹ۔ کچھ بکریاں اور ایک لونڈی تھی جس کا نام برکۃ تھا اور امِ ایمن کے نام سے مشہور تھی۔ اور یہی وہ امِ ایمن ہیں۔ جو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں۔ جب حضور کی والدہ کا انتقال مدینہ سے واپسی پر ہوا۔

ضدین سے عالم کا ظہور ہے

یہ دنیا ضدین سے قائم ہے۔ پستی و بلندی، کمتری و برتری، نور و ظلمت اس عالم اجسام کے اعضا ہیں ان کے بغیر ظہور مکمل نہیں۔ اگرچہ عالم روح میں بھی ضدین کی کارفرمائی موجود ہے تاہم اس عالم اور اس عالم کی اس مشابہت میں فرق یہ ہے کہ یہاں پستی و بلندی، کمتری و برتری اور نور و ظلمت بہت تھوڑے فاصلے پر بستے ہیں۔ اور انہیں نہایت قریب سے دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن عالم ارواح میں جہاں بلندیاں اور برتریاں موجود ہیں وہاں پستیوں اور کمتریوں کا نشان نہیں اور جہاں نور موجود ہے وہاں ظلمت کی رسائی نہیں۔ بخلاف اس جہان آب و گل کے کہ یہاں ایک ملک، ایک شہر، ایک محلے بلکہ ایک گھر میں یہ ضدین اکٹھے رہتے ہیں۔

اور یہ بھی مسلم ہے کہ بلندی اور برتری کے حصول کے لئے اپنے درجے کی محنت اور تکلف کو لازماً کام میں لانا پڑتا ہے۔ اور کسی بھی نور[1] کو روشن کرنا ہو محنت اور اسباب کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑتا ہے۔ لیکن پستی، کمتری اور ظلمت کے اپنانے کے لئے کسی محنت کی ضرورت نہیں، کسی تکلف کی حاجت نہیں یہ خود بخود موجود ہو جاتے ہیں اور دنیا اپنے ان منفی عناصر سے بھری پڑی ہے۔ آفتاب عالم تاب کی موجودگی میں بھی لاکھوں مقامات ایسے ہیں جہاں ظلمت ہی کی حکومت ہے اور جہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ مادی قسم کی پستی اور بلندی یہ برتری اور کمتری، یہ نور اور یہ ظلمت ہماری آنکھوں دیکھی چیزیں ہیں۔ ان کے سمجھنے کے لئے کسی منطق کی ضرورت نہیں، کسی فلسفے کی حاجت نہیں۔ ہر شخص کے اپنے حواس اور اپنی ہی خواہشات ان کے عدم و وجود کی روشن دلیلیں ہیں۔

انسان کا وجود پیدائش عالم کی غرض و غایت ہے اور انسانی وجود کے لئے اس حیات الدنیا کے مختصر وقفے میں قدم قدم پر امتحان اور آزمائش ہے۔ سب سے بڑی آزمائش یہ ہے کہ اپنے حواس اور مشاہدات سے باہر اپنے لئے کسی بلندی اور پستی کا احساس اس کے اندر محو خواب ہے اور اس کا جگانا اس کے لئے ابدی سعادت مندی کا پیش خیمہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کی استعدادیں

---

[1] خواہ دل کا نور ہو خواہ ظاہر کا اجالا ہو

اس کے اندر بہت زیادہ اور بہت بلند ہیں۔ لیکن پستیوں اور کمتریوں سے انس پکڑ کر انہیں کے ہو رہنے کی مہلک عادت کا شکار ہو جانا بھی اس کے اپنے اندر موجود ہے

ہدایت کا آفتاب بارہا چمکا۔ بارہا پردے سے دوسری جانب نہایت سریلی بنسریاں بجیں۔ لیکن انسان کی اپنی بینائی اس کی دشمن ہو گئی اور اس کے اپنے کان اس سے سرکشی کرنے لگے۔ انسانی دل کو نور و معرفت کا گہوارہ بنانے کے لئے ہزارہا سامان پیدا کئے گئے لیکن عدم اعتماد کی قوت نے اعتماد کو ابھرنے نہ دیا۔

رات کا تاریک اور عالمگیر پردہ دنیا کے ذرّے ذرّے پر جب چھایا ہوتا ہے تو اس کے ہٹنے کی توقع ظہورِ آفتاب عالم تاب سے وابستہ ہوتی ہے۔ جب خورشید تاباں افق مشرق پر نمودار ہوتا ہے تو ظلمت اپنے پر و بال جھاڑ دیتی ہے۔ اور گہرے نہاں خانوں کے سوا اسے کہیں ٹھکانا نہیں ملتا۔

جس طرح آفتاب کی نورانی شعاعیں اس کے ظہور سے پہلے ہی رات کے تاریک پردوں کے اندر داخل ہو جاتی ہیں اور نور و ظلمت کا ایک سہ رنگا پردہ سامنے آجاتا ہے۔ بالکل اسی طرح ہمیشہ ظہور آفتاب ہدایت سے پہلے قدرت خداوندی سے ایسے آثار نمودار ہوتے رہے ہیں جن کے ظہور سے انسانی استدلال اور اس کی عدم تسلیم کی عادت اپنے رویّے پر نظر ثانی کرنے کے لئے ٹھٹک جاتی رہی ہے۔

آسمانی راہنمائی زمین کے بسنے والوں پر ایک قاطع برہان اور ایک کامل حجت قائم کرنا چاہتی تھی اور ایک ایسا عالمگیر سامان ہدایت دنیا کے سامنے آنے والا تھا جس کی نظیر آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ ابن مریمؑ تک نہ کسی نے دیکھی نہ سنی۔ اس لئے کفر و عصیان کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں آثار نور کو نمایاں کرنے کے لئے ایسی تیز تیز بجلیاں چمکیں جنہوں نے راستے کے نشانات آنکھوں کے سامنے کر دیئے۔

سرورِ دوعالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ خلافتِ الٰہیہ کا آخری آفتابِ ہدایت تھا جس سے ظلمتِ کفر و عصیان اور شیطانی سلسلہ ضلالت کو قیامت تک کے لئے اپنے تسلّط سے دست بردار ہونا تھا۔ اس لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ایسے ایسے واضح نشانات ظاہر ہوئے جو اس حقیقت کا پتہ دیتے کہ ابھی ابھی ہدایت کا آفتاب طلوع ہوا چاہتا ہے۔

نورِ محمدی کی الہامی تاریخ

سیدالانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور بعد از خدا بزرگ تو ئی قصہ مختصر کی عظمت وشان کا صدر نشین ہے۔ اسلئے اس نور کی الہامی تاریخ پر ذرا نظر دوڑائیے۔

الہامی تاریخ کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے کہ ذاتِ الٰہی کے سوا کچھ بھی نہ تھا نہ عالم خلق تھا اور نہ عالمِ امر تھا۔ جب اللہ تعالےٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے حقیقتِ محمدیہ کا ظہور اپنے نور سے فرمایا۔ پھر اس حقیقت عالیہ سے تمام جہانوں کو پیدا فرمایا۔ بلندیاں بھی اسی نور سے ظہور میں آئیں اور پستیاں بھی اسی نور سے پیدا ہوئیں اور حکمت الٰہی نے جس جس شے کی جو جو صورت معیّن فرمائی وہی اس کو عطا ہوئی۔

اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ (حدیث) "سب سے پہلے اللہ تعالےٰ نے میرا نور پیدا فرمایا"۔ ایک حدیث قدسی میں ہے "لَوْلَاكَ لَمَاخَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ" "اگر آپ (مقصدِ تخلیقِ عالم) نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا"۔ پھر حقیقتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو نبوّت اور رسالت کی بشارت سے فیضیاب فرمایا۔

عَنِ الْعِرْبَاضِ ابْنِ سَارِيَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰهِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِيْنَتِهٖ۔ "حضرت العرباض بن ساریہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے پاس خاتم النبیین تھا جب حضرت آدم اپنی مٹی میں تھے۔ یعنی حضرت آدم کا پتلا بھی نہ بنا تھا" آدم علیہ السلام کا پتلا تیار ہوا اور اللہ تعالےٰ نے اس میں روح آدم علیہ السلام کو نفخ (پھونکنا) کے ذریعے سے داخل فرمایا۔ اور پھر نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی پیشانی میں رکھا تو وہ نُوْرٌ مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔

روی عن ابن عباس لَمَّا نُفِخَ فِیْ اٰدَمَ الرُّوْحُ صَارَ نُوْرُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْمَعُ فِیْ جَبْهَتِهٖ كَالشَّمْسِ۔ "حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب حضرت آدمؑ میں اللہ تعالےٰ نے روح پھونکی تو نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی پیشانی میں آفتاب کی طرح چمکتا تھا۔

نورِ محمدی کے خصوصی آثار

پھر یہ نورِ محبوبِ الٰہی آدم علیہ السلام سے منتقل ہوتا ہوا اور پاک پیشانیوں، پاک اصلاب اور مقدس بطون میں آتا رہا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی پشتِ مبارک میں یہی نور تھا جب وہ کشتی پر سوار ہوئے اور ان کی کشتی اس محبوبِ الٰہی کی برکت سے کوہ جودی پر جا ٹھہری اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلب (پیٹھ) مبارک میں یہی نور تھا جب ان کو آگ میں گرایا گیا اور وہ آگ ٹھنڈی ہو گئی قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ۔ ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم پر سلامتی لا۔ پھر بنی اسماعیل میں اپنے پاکیزہ آباؤ اجداد سے منتقل ہوتا ہوا اور اپنی عجیب و غریب کرامات دکھاتا ہوا حضرت عبد المطلب کی پیشانی میں جلوہ افروز ہوا۔

کعب احبار سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک جب جناب عبد المطلب میں منتقل ہوا اور وہ جوان ہو گئے۔ تو ایک دن حطیم میں سوئے ہوئے تھے جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ آنکھ میں سرمہ لگا ہے اور سر میں تیل پڑا ہے۔ اور خوبصورتی میں کمال ہے۔ ان کو حیرت ہوئی کہ یہ کیا ہے۔ ان کے والد ان کو لے کر نجومیوں کے پاس گئے۔ اور سارا واقعہ بیان کیا۔ وہ کہنے لگے۔ کہ پوچھ لو! اللہ تعالےٰ نے اس نوجوان کو نکاح کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے پہلے قیلہ سے نکاح کیا۔ وہ فوت ہو گئیں۔ پھر فاطمہ سے نکاح کیا۔ تب حضرت عبد اللہ حضور کے والد ماجد پیدا ہوئے۔ عبد المطلب کے جسم سے کستوری کی خوشبو آتی تھی۔ اور ان کی پیشانی سے حضور کا نور چمکتا تھا۔ اور قریش جب قحط سے دوچار ہوتے۔ عبد المطلب کا ہاتھ پکڑ کر جبلِ ثُبَیر کی طرف جاتے اور ان کے ذریعے اللہ تعالےٰ سے دعا مانگتے۔ اللہ تعالےٰ نورِ محمدی کی برکت سے بارانِ رحمت عطا فرماتے۔ (نشر الطیب)

جب ابرہہ بادشاہ یمن خانہ کعبہ کو منہدم کرنے آیا۔ تو جناب عبد المطلب قریش کے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر جبل ثبیر پر گئے۔ اس وقت نورِ محمدی ہلال کی طرح گول جناب عبد المطلب کی پیشانی میں نمودار ہوا اور ایسا چمکا کہ اس کی شعاع خانہ کعبہ پر پڑی۔ عبد المطلب نے کہا اب چلیئے یہ نور میری پیشانی میں اس طرح

چمکا ہے۔ یہی دلیل ہے کہ ہم غالب رہیں گے۔ عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ کے لشکری پکڑ کر لے گئے تھے عبدالمطلب ان کو چھڑانے ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ہیبت اور عظمت اس نور مبارک کی ان کے چہرے سے نمایاں تھی۔ ابرہہ نے ان کی بے حد تعظیم کی۔ تخت سے اترا۔ اور ان کو اپنے برابر بٹھلایا۔ اس مبارک نور کی وہ عظمت تھی کہ بادشاہ مرعوب ہو جاتے اور تعظیم و تکریم کرتے (نشر الطیب)

جب یہ نور مبین حضرت عبداللہ والد سید الانبیاء علیہ السلام کی پیٹھ میں آیا تو عجیب عجیب حالات و کرامات ظہور میں آئے۔

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک نور میری پیٹھ سے نکلتا جو مشرق و مغرب میں پھیل جاتا۔ پھر گول کر بادل بن جاتا اور مجھ پر سایہ کرتا اور میں دیکھتا کہ آسمانوں کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اور یہ نور آسمان کو چلا گیا ہے۔ پھر لوٹ کر میری پیٹھ میں داخل ہو گیا ہے۔ (معارج النبوۃ)

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ جب میں زمین پر بیٹھتا تو زمین سے ندا آتی: اے وہ کہ تیری پیٹھ میں نور محمدؐ ہے تجھ پر سلام (معارج النبوۃ)

وہ یہ بھی فرماتے کہ جب میں کسی خشک درخت کے پاس بیٹھ جاتا تو وہ سرسبز ہو جاتا اور جب میں بتوں کے نزدیک جاتا تو بت فریاد کرتے کہ اے عبداللہ ہمارے نزدیک نہ آیئے کہ نور محمدؐ آپ کی پیشانی میں چمک رہا ہے۔ (معارج النبوۃ)

پھر جب یہ نور مبین حضرت آمنہ کو عطا ہوا تو وہ عجیب عجیب احوال اور کرامات دیکھتیں۔ خواب و بیداری میں عجیب و غریب حالات مشاہدہ کرتیں۔

حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ خواب و بیداری کے مابین ایک کہنے والے نے کہا کہ اے آمنہ! تیرے بطن میں اس امت کا پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ پھر جب وضع حمل کے دن قریب آئے تو اسی کہنے والے نے کہا "اُعِیْذُہٗ بِالصَّمَدِ الْوَاحِدِ مِنْ شَرِّ کُلِّ حَاسِدٍ۔" میں ان کو بے نیاز وحدہ لاشریک کی پناہ میں دیتا ہوں ہر حسد کرنے والے کے شر سے۔

(معارج النبوۃ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظہورِ قدسی حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اللہ کریم کا نور عرشِ اعظم اور لامکان کی وسعتوں میں نہ سما سکتا تھا۔ اس نورِ مطلق کو اپنے عیانی ظہور کے لئے ایک پاکیزہ اور مقدس مکان کا خیال عزم محبت کے لباس میں دامن گیر ہوا۔ محبتِ الٰہی کی لطیف اور پُر تاثیر ہوائیں ایسے خوش منظر چمنستان کی تلاش میں نکلیں۔ جس کی ہر کلی اور ہر پتی اس لطیف اور سُرور پرور ہوا کی ہر لہر کو اپنے سینے کے بہشتِ بریں میں صدر نشین کر دے۔

ارادۂ الٰہی کو بادِ محبت کی سرسراہٹ نے جنبش دی۔ اور اس محبت کی چمکتی ہوئی لہریں عرش و ساکنانِ عرش سے پہلے نورِ محمد بن کر نمودار ہوئیں۔ اس کے بعد اسی دلربا کے فیض لامتناہی سے حسبِ مراتب ہر مکین و مکان کو وجود کا نور و مظہر نور عطا ہوا۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔ ترجمہ اگر آپ کو پیدا نہ کرتا تو آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔

تو اصل وجود آمدی از نخست دگر ہر چہ موجود شد فرعِ تست

عرفان کی آنکھیں زمین عالم میں بوئے ہوئے ہر تخم میں اس کا شیریں و خوش نما ثمر دیکھتی ہیں۔ اور یہی لذت و لطافت سے بھرا ہوا ثمر تمام محنتوں اور تمام کوششوں کا مقصود ہوتا ہے۔ بخدا تخلیقِ عالم کا مقصود اور تزئین عرش و فرش کا مطلوب باغ ہدایت کا ثمر شیریں ہمارا مکی والا نورِ مُبین ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

؎ فرش والے تیری شوکت کا عُلو کیا جانیں خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

عرش والے کروڑوں سال سے منتظر۔ فرش والے ابتدائے آدم سے چشم براہ۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اسی

انتظار میں کہ وہ صبح نور کب نمودار ہوگی۔ جب حبیب کبریا محمد مصطفےٰ اپنے ظہور قدسی سے زمین و فلک کی آنکھ میں جلوۂ طور کا سماں پیدا کریں گے۔ رحمتِ ازلی جوش میں آئی۔ مخلوق کی بے نوائی کو نواہائے بے بہا سے بدلنے کے ارادۂ ازلی کو حرکت ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس کے لئے خُلّت کا خلعت پایا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جس کے لئے جمال جہاں آرا دکھایا۔ حضرت موسےٰ کا شوقِ دید جس کے صحیفۂ محبت کی تمہید بنی۔ اور حضرت عیسیٰؑ کا دم عیسےٰ جس کی مسیحائی کی نوید۔ وہی نورِ مجسّم محبوبِ دوعالم، عرش کا تارا، اللہ کا پیارا ۲۰ را اپریل ۵۷۱ء ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن صبح صادق کے وقت بزم آرائے عالم امکان ہوا (صلی اللہ علیہ وسلم) الحمد للہ محفلِ کونین میں صدر کی خالی کرسی کو زینت ملی۔

روایت ہے کہ ظہورِ قدسی کے وقت کسریٰ[1] کے محل کے چودہ کنگرے گر گئے۔ اور آتش کدۂ فارس بجھ گیا۔ اور دریائے ساوہ خشک ہوگیا۔ یہ تمہید تھی کہ اب شہنشاہیت کا قصر فلک بوس دربار ختم رسل میں خاک بوسی کرے گا۔ اور شر و فساد کی آتش قلوب بنی آدم کے آتش کدوں میں سرد پڑ جائے گی۔ اور ظلم و ستم کا دریا خشک ہوکر رہ جائے گا۔ حضور سرورِ کونین کے ظہور سے ابلیسیت اپنی ذرّیت کو لے کر بحر ظلمات میں جا چھپی۔ اور شیطنت اپنے ہتھکنڈوں سمیت شش جہاتِ عالم سے بھاگ کھڑی ہوئی۔

ہدایت کا آفتاب چمکا۔ رحمت کا بادل برسا۔ آدمیّت نے اپنے بھولے ہوئے سبق یاد کئے۔ ہدایت کی راہیں کھل گئیں۔ معرفت الٰہی کا بازار لگ گیا۔ محبت الٰہی کی دولت لٹنے لگی۔ سارے عالم کے زیاں کار بھی جب اس بازار میں آئے تو صاحبِ اعتبار ہو گئے۔ یہ اسی نورِ مبین کی برکت ہے کہ آج بھی اس دورِ ظلمت میں ہدایت کے آفتاب کی شعائیں گھر گھر پہنچ رہی ہیں۔ اور اس مادہ پرستی کے زمانے میں خدا پرستی اور حق شناسی کی راہیں کھلی ہیں۔

یہ اسی ظہورِ قدسی کے طفیل ہے کہ نگاہیں آج بھی آسمان کے اُس پار پہنچ جاتی ہیں۔ جب کہ عصیان کوشی اور خدا فراموشی کے اندھیرے دل کی آنکھوں کو اندھا کر چکے ہیں۔ حیاتِ ابدی کا متلاشی اور صراط مستقیم

---

[1] ایران کا بادشاہ نوشیرواں۔

کا طالب اگر اس طوفانی دریائے ضلالت میں نجات کا کنارا چاہے۔ تو دین محمدؐ رسول اللہ کے بغیر اسے کوئی کشتی سلامت مل نہیں سکتی۔

سرورِ کونینؐ کی رضاعت

حضورؐ کی ولادت باسعادت کی اطلاع جب حضورؐ کے دادا جناب عبدالمطلب کو ہوئی۔ تو وہ بے انتہا خوش ہوئے۔ اپنے جواں سال خوش لقا ماہتاب جمال بیٹے عبداللہ کی یادگار مل گئی۔ فوراً گھر پہنچے۔ اور پاکیزہ کپڑے میں لپیٹ کعبۃ اللہ کے پاس لائے اور محمدؐ نام رکھا۔ حضرت آمنہ نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے کہہ رہے ہیں۔ تیرے اس محبوب خدا کا نام احمدؐ ہے۔ سات روز تک حضورؐ نے اپنی والدہ کا دودھ پیا۔ اس کے بعد چند روز تک ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثوبیہ نے حضورؐ کو دودھ پلایا۔ پھر حضرت حلیمہ نے حضورؐ کو دودھ پلایا۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

مکّے میں دستور تھا کہ شرفائے مکّہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے دیہات میں بھیج دیتے۔ حسبِ دستور طائف کے قرب و جوار سے قبیلہ بنی سعد کی عورتیں مکّے میں آئیں۔ حلیمہ سعدیہ بھی ان کے ہمراہ تھیں ہوشیار عورتوں نے امیروں کے گھروں میں پہنچ پہنچ کر ان کے بچّے حاصل کر لیے۔ حضورؐ کو بھی دیکھا۔ لیکن اس دُرِّ یتیم کو یتیم سمجھ کر کسی نے بھی دھیان نہ دیا۔

ادھر حلیمہ کی سعادت کا ستارہ چمکا۔ رحمتِ خداوندی نے ساتھ دیا۔ محبّت مُجسّم، مظہر نورِ خدا محمدؐ مصطفےٰ اس کی گود میں آئے۔ یہ حضورؐ کو لے کر اپنے قافلہ کے ساتھ واپس چلی گئیں۔ آتی دفعہ ان کی کمزور سواری سب سے پیچھے تھی۔ اور ایسی سست رفتار کہ تمام ساتھی اس سے پریشان تھے۔ جاتی دفعہ سرورِ عالمؐ کی برکت سے سب سے آگے جا رہی تھی۔ دیکھنے والے حیران تھے۔ حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ قحط سالی کی وجہ سے خوراک کم تھی میرا دودھ میرے اپنے بچّے کے لئے بھی ناکافی تھا۔ اور وہ رات بھر دودھ کی کمی سے چلّاتا تھا۔ جب ہم ٹھکانے پر پہنچے۔ اور آپ کو دودھ پلانے بیٹھی۔ تو دودھ اس قدر اترا کہ حضورؐ نے بھی سیر ہو کر پیا اور میرے بچے نے بھی۔ اس کے بعد میرے خاوند حارث نے اونٹنی کو جا کر دیکھا تو دودھ ہی دودھ بھرا تھا

اس نے دودھ نکالا اور ہم سب نے خوب سیر ہو کر پیا۔ اس سے پہلے سونا میسّر نہیں ہوتا تھا۔ رات بڑے آرام سے گذری۔ میرا شوہر کہنے لگا حلیمہ تو تو بڑے برکت والے بچّے کو لائی ہے۔ میں نے کہا مجھے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر بتایا جب ہم مکّے سے روانہ ہوئے اور دراز گوش پر سوار ہوئے تو اس کا یہ حال تھا کہ کوئی سواری اس کو پکڑ نہ سکتی تھی۔ میری ہمراہ عورتیں تعجّب سے کہنے لگیں۔ حلیمہ ذرا آہستہ چلو یہ وہی سواری تو ہے جس پر تم آئی تھیں، میں نے کہا ہاں وہی ہے۔ وہ کہنے لگیں کہ بے شک اس میں کوئی بات ہے حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ جب ہم گھر پہنچے تو سخت قحط تھا لیکن میری بکریاں دودھ سے بھری ہوئی آتیں۔ اور دوسروں کو اپنے جانوروں میں ایک قطرہ دودھ نہ ملتا تھا۔ میری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے تھے۔ ارے! تم بھی وہاں ہی چراؤ جہاں حلیمہ کے جانور چرتے ہیں۔ لیکن یہ چراگاہ کا کمال نہ تھا بات کچھ اور تھی۔ ؎

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں ۔۔۔ مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

غرض ہم برابر خیر و برکت دیکھتے رہے یہاں تک کہ پورے دو سال ہو گئے۔ اور میں نے آپ کا دودھ چھڑایا۔ آپ کا نشو ونما دوسرے بچّوں سے بہت زیادہ تھا یہاں تک کہ دو سال کی عمر میں آپ اچھے بڑے معلوم ہوتے تھے۔ پھر ہم آپ کی والدہ کے پاس آپ کو لائے۔ لیکن ہمارا جی چاہتا تھا کہ آپؐ کچھ مدّت اور ہمارے پاس رہیں۔ اس لئے آپ کی والدہ سے اصرار کر کے اور وبا کا بہانہ کر کے پھر اپنے گھر لے آئے۔

ایک عجیب واقعہ، پہلی مرتبہ شق صدر

جناب حلیمہ فرماتی ہیں کہ چند ماہ بعد حضور اپنے رضاعی بھائی عبد اللہ کے ہمراہ بکریاں چرانے گئے آپؐ پھر رہے تھے۔ کہ میرا بیٹا دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ میرے قریشی بھائی کو دو سفید کپڑوں والے آدمیوں نے پکڑا، لٹایا اور پیٹ چاک کیا۔ میں انہیں اسی حال میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ سو ہم دونوں میاں بیوی

گھبرائے ہوئے گئے ۔ دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں ۔ مگر رنگ چہرے کا متغیر ہے ۔ میں نے پوچھا بیٹا! کیا تھا فرمایا دو شخص سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے ۔ مجھے لٹایا ۔ اور میرا پیٹ چاک کر کے اس میں سے کچھ ڈھونڈ نکالا ۔ معلوم نہیں وہ کیا تھا ۔ پھر سفید کپڑے والوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ان کو ان کی اُمت کے دس آدمیوں کے ساتھ وزن کرو ۔ وزن کیا گیا تو میں بھاری نکلا ۔ پھر سو کے ساتھ ، پھر ہزار کے ساتھ وزن کیا ۔ پھر کہا بس کرو ۔ اگر ان کو تمام امت کے ساتھ وزن کرو گے تو یہ بھاری نکلیں گے ۔ ہم آپ کو اپنے ڈیرے پر لائے ۔ شوہر نے کہا حلیمہ! اس لڑکے کو آسیب کا اثر ہوا ہے ۔ اس سے پہلے کہ یہ تکلیف بڑھ جائے اسے گھر پہنچا دیں ۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ حقیقت کیا ہے ۔ ؎

یہ حلیمہ بھید کھلا نہیں یہ مقام چون و چرا نہیں
تو خدا سے پوچھ وہ کون تھے تری بکریاں جو چرا گئے

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ میں آپ کو والدہ کے پاس لے گئی ۔ انہوں نے فرمایا حلیمہ! تو تو انہیں رکھنا چاہتی تھی پھر کیوں لائی ۔ میں نے کہا اب خدا کے فضل سے ہوشیار ہو گئے ہیں ۔ میں خدمت کر چکی ، خدا جانے کیا اتفاق ہوتا ۔ اس لئے لے آئی ہوں ۔ انہوں نے فرمایا یہ بات سچ نہیں ہے ۔ سچ بتلا میں نے سب قصّہ بیان کیا ۔ کہنے لگیں ۔ تجھ کو ان پر شیطان کے اثر کا اندیشہ ہوا ہے؟ میں نے کہا ہاں! وہ کہنے لگیں ۔ خدا کی قسم میرے بیٹے کی ایک خاص نشان ہے ان پر شیطان کا اثر نہیں ہو سکتا ۔ پھر انہوں نے بعض حالات حمل اور ولادت کے بیان فرمائے ۔ پھر فرمایا اچھا ان کو چھوڑ دو ۔ اور خیریت کے ساتھ جاؤ ۔ حضرت حلیمہ کی دو لڑکیاں بھی تھیں جن کا نام انیسہ اور شیما تھا ۔ شق صدر چار مرتبہ ہوئی ۔ اول حلیمہ سعدیہ کے ہاں ۔ دوسرا جب حضور کی عمر دس برس کی ہوئی ۔ اور یہ واقعہ صحرا میں ہوا تھا ۔ تیسری مرتبہ غارِ حرا میں ۔ چوتھی بار شبِ معراج میں ۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ نے سورۃ الم نشرح کی تفسیر میں شق صدر کی ایک لطیف حکمت بیان فرمائی ۔ اول مرتبہ اس لئے کہ بچپن کے لہو و لعب سے طبیعت الگ رہے ۔ دوسری مرتبہ اس لئے کہ جوانی میں بشریّت کی امنگیں ادھر رخ نہ کریں ۔ تیسری مرتبہ نزولِ قرآن

کے وقت تاکہ تحمل وحی الٰہی میں آسانی ہو۔ اور چوتھی مرتبہ معراج کی رات اس لئے شق صدر ہوا تاکہ عالم لاہوت کے عجائبات اور وہاں کی لطافتیں من وعن ظہور میں آئیں اور برداشت ہوسکیں۔

مادے کی دنیا اور روح کا عالم

فلسفے اور روحانیت میں فرق ہی یہی ہے کہ فلسفہ اور سائنس مادیت سے بحث کرتے ہیں۔ یا مادیت کے نتائج سے بحث کرتے ہیں۔ یا اب روحانیت اور مادیت کے برزخ کو عقل انسانی نے صدہا سال کی مسلسل جدوجہد سے پالیا ہے۔ اور زمان ومکان کے بُعد کو کم کرنے کی کوششیں بارآور ہو رہی ہیں۔ بجلی کی قوت کے قابو میں آنے سے بہت سی مشکلات حل ہوچکی ہیں۔ اور حل ہو رہی ہیں۔ ایتھر وغیرہ کی دریافتوں نے فلسفہ اور سائنس کو روحانیت سے اور قریب کر دیا ہے لیکن حقیقی روحانیت چیز دیگر ہے

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں

کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور (اقبال)

ابھی تک فلسفہ اور سائنس والے خلأ بیرون عالم کے بارے میں کچھ دریافت نہیں کرسکے اور یہی چیز روحانیت کی ابجد ہے۔ جغرافیائی دریافتوں نے زمین کو نظام شمسی کا ایک سیارہ مانا لیکن الہامی حقیقت یہ ہے کہ

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں — ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں (اقبال)

قرآن کریم نے عالم دنیا کو حقیقی معنوں میں ایک ستارہ ثابت کر دیا ہوا ہے۔ یعنی زمین کے تمام معاملات موت، حیات، بیماری، صحت، رزق، افلاس، تونگری، عزت، ذلت وغیرہ تمام امور مہمہ کو آسمان سے وابستہ کر دیا ہے۔ بظاہر یہ انتہائی مشکل امر نظر آتا ہے۔ لیکن اس مشکل کی کوئی حقیقت رہ نہیں جاتی۔ اگر زمان ومکان کے بُعد کو نظر کی کمزوری یا بشریت کا سفلی تقاضا مان لیا جائے۔ اس صورت میں آسمان کی زندگی زمین کی زندگی پر حاوی ہوجاتی ہے اور زمین پر رہ کر آسمان کی زندگی کا خوف اور امید اپنی پوری قوت سے پیدا ہو جاتے ہیں۔

سائنس کے کمالات دیکھ دیکھ کر عقل انسانی حیرت و استعجاب کے دریا میں مستغرق ہو جاتی ہے۔ ان کمالات پر حیران ہونا اس کا حق ہے۔ جن عجائبات کا ظہور، مادی دنیا میں ناممکن نظر آتا تھا وہ آنکھیں دیکھ رہی ہیں اور سائنس نے اپنے کمالات دکھا دکھا کر عقل انسانی کو ایسا مرعوب کر دیا ہوا ہے کہ ہر سائنس دان کا ہر فرضی دعوےٰ بھی حقیقت نفس الامری کا روپ دھار کر سامنے آجاتا ہے اور کسی ڈاکٹر یا کسی موجد کے ہر دعوےٰ پر دنیا اس کی ایجاد کو دیکھنے کی مشتاق نظر آتی ہے۔ اور کسی فرضی دعوےٰ کی حقیقت سے انکار تو کجا اس کے حقیقی ہونے میں گمان و شک بھی قریب نہیں آتا۔

بالفرض اگر کوئی اعلان ہو جائے کہ امریکہ، روس یا برطانیہ نے زندگی کا راز پا لیا ہے۔ اور وہ حیاتِ انسانی کو اپنی خواہش کے مطابق بڑھا سکتے ہیں۔ اس اعلان پر ہر شخص شک و ریب کے پردہ کو چاک کر کے دوسری جانب دیکھنے کا مشتاق ہو گا۔ اور یہ تجربہ اپنے اوپر کرانے کا خواہش مند۔ یا اگر کوئی ملک اپنے موجدوں کی اس دریافت کا اعلان کر دے کہ آواز اور صورت کی طرح جسم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے آلات بن چکے ہیں تو اس اعلان کے نتائج دیکھنے کا سودا ہر سر میں موجود ہو جائے گا۔

یا اگر سائنس دانوں کی جماعت متفقہ طور پر کہہ دے، کہ آسمان کا وجود ہے۔ اس کے دروازے ہیں۔ وہاں پہرے لگ رہے ہیں۔ دروازے کھلوائے جا سکتے ہیں اور ہماری ایک مہم اس مقصد کے لئے عنقریب روانہ ہو گی۔ اگرچہ ان کے نزدیک اس سے پہلے نہ آسمان کا وجود تسلیم ہے نہ اس کے دروازے، نہ وہاں کوئی پاسبان ہے۔ تاہم سائنس نے جو اعتماد پیدا کر لیا ہے اس کی بنا پر ان کی ہر بات بغیر تامّل تسلیم ہو رہی ہے۔ گویا پہلے تمام نظریئے غلط اور جدید تحقیقات صحیح، آسمانوں کا وجود صحیح، وہاں کی زندگی لاریب موجود بلکہ وہاں کا ذاتی مشاہدہ کرنے کا شوق ہر دل میں چٹکیاں لے گا۔

حالانکہ مادی دنیا کا ہر معاملہ ظن و تخمین سے وابستہ ہے اور عالم روحانیت کا ہر فیصلہ یقین کامل سے تعلق رکھتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ط ترجمہ۔ اس کتاب کی کسی بات میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں

روحانیت کے کمالات سمجھنے کے لئے بیدار اور ہوشیار دل کی ضرورت ہے۔ مادی دنیا میں بڑے بڑے کمالات دکھائے جا رہے ہیں۔ یہ سب کے سب ظاہری آلات کے محتاج ہیں۔ اگر آلات کو استعمال نہ کیا جائے تو کچھ بھی ظہور میں نہ آئے۔ لیکن عالم روح کے کمالات کسی آلے کے محتاج نہیں۔ وہ صرف روح کی قوت سے ظہور پذیر ہو جاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کی سونٹی سانپ بن جاتی ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی توجہ سے پتھر کی ایک چٹان پھٹ جاتی ہے اور ایک ناقہ اس میں سے نکل آتی ہے۔ سرور دو عالم کی توجہ باطنی سے آسمان کا چاند پھٹ گیا اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

حضرت آصف ابن برخیا پیغمبر نہیں ہیں لیکن پیغمبر کی تربیت میں آئے ہوئے ہیں جب حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کا تخت یمن سے منگوانا چاہا تو جناب آصف بن برخیا کی قلبی توجہ سے چشم زدن میں بیسیوں ٹن کا وہ تخت یمن سے عراق خود بخود پہنچ گیا۔

یہ اور اس قسم کے ہزاروں واقعات ایسے ہیں جن میں کسی آلے کی مدد کے بغیر صرف روحانی قوت نے کام کیا۔

روحانی کمالات اگرچہ بظاہر بغیر سبب کے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں۔ ان کیلئے بھی ایک بہت بڑا سبب مصروفِ کار ہے۔ اور وہ وہی امرؑ کی قوت ہے کہ تمام ظاہری اسباب بھی اسی کی ذرہ نوازی سے مصروفِ کار ہیں۔

اور امر کی باطنی قوت جب تربیت یافتہ دل میں آتی ہے تو ظاہر اسباب کی پروا کیئے بغیر اپنے رنگا رنگ کے جلوے دکھاتی ہے لیکن اسباب کے عادی دماغ چونکہ یقین کی دولت سے کم بہرہ یاب ہوتے ہیں اس لئے وہ تسلیم کی حقیقی دولت سے محروم رہتے ہیں۔

روحانی کمالات کی بنیاد مادے کے تغیرات پر نہیں ہوتی بلکہ روح اور اسکی لطافتیں استغراق و انہماک پر ہوتی ہے جب یہ سب خرقِ عادت حالات بیان ہوتے ہیں تو پچانوے فی صد انسانی دماغ شک و شبہ کے دلدل سے نہیں نکل سکتے۔ اس کی وجہ سفلی اور مادی اثرات کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور اس غلبے کے خلاف جد و جہد کا

ؑ لہ الخلق والامر : ترجمہ۔ خلق اور امر (کی قوتیں) دونوں اسی (اللہ) کی ہیں۔

فقدان ہے۔ ورنہ اگر آلات کے ذریعے کمالات عقلی کا اعتراف ممکن ہے۔ تو روحانی قوت کے ذریعے کمالاتِ روحانی کو ماننا اور اس کے تجربے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا کیا مشکل ہے۔ انبیاءؑ اور اولیاءؒ کی تربیت سے سب سے پہلی دولت جو کسی سالک کو حاصل ہوتی ہے وہ شرح صدر ہے۔ اور شرح صدر سے آسمانی زندگی اور اس زندگی کے عجائبات کا انعکاس ایسی وضاحت کے ساتھ قلب پر ہوتا ہے گویا بعینہٖ وہی حقائق مجسم ہو کر سامنے آ گئے۔ نہ صرف مشاہدہ میں یہ قوتیں لاکھوں گنا بڑھ جاتی ہیں۔ بلکہ عالم امر کی قوتیں جو اسباب کے بغیر اشیا کو وجود میں لانے کے لئے موجود ہیں۔ وہ انسانی وجود میں آ کر اس کی حیثیت کو ملائکہ سے بڑھا دیتی ہیں اور پھر یہی انسان عالمِ امر کی قوتوں کو اپنے قبضے میں پا لیتا ہے

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کی شرافت اور پاکیزگی

ہمیشہ سے سنت اللہ رہی ہے کہ تمام انبیا علیہ السلام میں شرافت ذاتی کے ساتھ خاندانی نجابت بھی بدرجۂ اتم رہی ہے۔ چونکہ پیغمبر کے مخاطب ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اکھڑ اور بے عقل لوگوں کو ظاہری کمزوریاں قربِ ہدایت سے روکتی ہیں۔ اس لئے ہر پیغمبر کو ہر قسم کی ظاہری کمزوریوں سے بالاتر رکھا گیا۔ اور سید الانبیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات میں بھی سب سے بلند مرتبہ دیا گیا۔ اس سلسلے میں بہت سی روائتیں ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام کہتے ہیں کہ میں مشرق اور مغرب میں پھرا۔ محمد مصطفےٰ سے افضل کسی کو نہ پایا۔ اور کوئی خاندان قریش سے افضل نہ دیکھا ؎

آفاقہا گردیدہ ام / مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام / لیکن تو چیزے دیگری

(نشر الطیب)

بنی اسماعیلؑ میں نبوّت ورسالت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے جن کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ اور بنی اسرائیل کے تمام انبیاء علیہم السلام انہیں کی اولاد ہیں۔

اور حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے حضرت ہاجرہ شاہِ مصر کی بیٹی ہیں اور یہی حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم کی شہادت ہے کہ آپ نے اپنے مولا کریم کے سامنے اپنی جان کی قربانی اس وقت پیش کی جب کہ آپ کی عمر تیرہ برس کی تھی (بقول بعض) قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وصالِ مبارک اور سیدِ دوجہان امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہورِ مبارک کے درمیان دو ہزار چھ سو برس کا فاصلہ ہے۔ اتنی طویل مدت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کوئی پیغمبر پیدا نہ ہُوا

یہ حکمتِ خداوندی تھی کہ چونکہ خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو اولاد اسماعیل علیہ السلام سے پیدا فرمانا تھا اس لیئے اس شرف عظیم کے لیئے لمبی انتظار کرائی گئی۔

اور تمام انبیاء علیہم السلام سے برتر و اعلےٰ نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات کے محسن رسول اور حبیب رب العالمین حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد گرامی میں پیدا ہوئے۔ اولاد اسماعیلؑ کی پپیا کو اڑھائی ہزار برس اس لیئے خالی رکھا کہ اس میں ایک ہی دُرِّ یتیم پیدا ہو۔ نبوت کا نور بنی اسرائیل میں بھی آیا تھا اور صدہا برس عالم کو منوّر کرتا رہا لیکن جب یہ نورِ ربّانی بنی اسماعیلؑ میں آیا تو اسکی حدود[1] قیامت کی سرحدوں سے جا ملیں

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت کے بعض واقعات

حضورؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ بنت وہب فرماتی ہیں کہ جب آپ میرے بطن سے جدا ہوئے

---

[1] یعنی حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت قیامت تک ہے۔

توآپ کے ساتھ ایک نور نکلا جس کی وجہ سے مشرق اور مغرب کے درمیان سب روشن ہوگیا۔ پھر آپ زمین پر آئے اور دونوں ہاتھوں پر سہارا دیئے ہوئے تھے۔ پھر آپ نے خاک کی ایک مٹھی بھری اور آسمان کی طرف سر اٹھاکر دیکھا۔ اس نور مبارک کا فیض تھا کہ آپ کی والدہ نے شام کے محل دیکھے۔ حضورؐ نے خود فرمایا کہ پیغمبروں کی مائیں ایسا نور دیکھا کرتی ہیں۔

عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنی والدہ شفاؓ[1] سے سنا کہ جب حضور پیدا ہوئے۔ تو میرے ہاتھوں پر آئے اور آپ کی آواز نکلی۔ میں نے غیب کی آواز سنی وہ کہتا ہے۔ رَحِمَكَ اللّٰهُ (اللہ آپ پر رحم کرے) اور تمام مشرق و مغرب کے درمیان روشنی ہوگئی۔ اور میں نے اس روشنی میں روم کے بعض محل دیکھے پھر میں نے حضورؐ کو (آپ کی والدہ کا) دودھ پلایا اور لٹا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھ پر ایک اندھیرا اور رعب چھا گیا۔

اور آنحضورؐ نظر سے غائب ہوگئے۔ پھر ایک کہنے والے نے کہا۔ کہ ان کو کہاں لے گئے تھے۔ جواب دینے والے نے کہا۔ کہ مشرق کی طرف۔ وہ کہتی ہیں کہ اس واقعہ کی عظمت برابر میرے دل پر رہی۔ یہانتک کہ اللہ کریم نے حضورؐ کو نبوت بخشی۔ اور میں پہلے ایمان لانے والوں میں ہوئی۔ (نشر الطیب)

خرقِ عادت واقعات

یہ واقعات جو اوپر بیان ہوئے خاص خاص حالات میں ان کا ظہور ہوتا ہے اور انسانی عقل ان کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ اور یہی واقعات پتہ دیتے ہیں کہ خود انسان کے اپنے اندر تمام کائنات سے زیادہ عجائبات پوشیدہ ہیں اور یہ مسلّم ہے کہ عبادتِ الٰہی اور ریاضت مسلسل سے جب کسی انسان کا سینہ کھل جاتا ہے تو اس کے سینے کی بینائی اسی کائنات میں ایک اور کائنات دیکھتی ہے۔ اس وقت بُعد زمان اور بُعد مکان کے پردے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں اور انسانی آنکھ وہ کچھ دیکھ پاتی ہے جس کا وہم و گمان

---

[1] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی والدہ کا نام شفاؓ تھا اور وہ اس وقت حضرت آمنہؓ کے پاس موجود تھیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ظہور ہوا۔

بھی پہلے نہ تھا۔

اگرچہ عبادات وریاضیات کا ظاہری صلہ جو دنیا میں کسی کو حاصل ہو سکتا ہے یہی ہے۔ تاہم اس انشراح کے حصول کے لئے کامل استاد اور تربیت یافتہ صاحبِ محبت راہنما کی ازبس ضرورت ہے جس کی مسلسل صحبت سے سینے کی قوتیں نور اور جِلا حاصل کرتی ہیں۔

نبی کے سینے کی نورانیت اور قوت اس قدر غالب ہوتی ہے کہ بہت تھوڑے وقت میں صاحبِ ایمان کے سینے کو نور اور قوّت سے بھرپور کر دیتی ہے۔ لیکن بعد میں آنے والوں کو کامل راہنما کی سینے کی گرمی اور مسلسل ریاضت سے کافی وقت کے بعد یہ دولت ملتی ہے۔

اس کی مثال سفرِ حج سے آسانی کے ساتھ دی جا سکتی ہے۔ حج پر جانے والے کو اگر ہوائی جہاز مہیا ہو جائے تو وہ دشوار گذار راستوں کو آسانی سے طے کر لیتا ہے۔ اور منزل کی دشواریاں اس کے لئے سہل ہو جاتی ہیں۔ لیکن بحری جہاز سے جانے والا یا دیگر طریقوں سے سفر کرنے والا ہر قسم کی مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے لیکن جب دونوں حرم کعبہ میں پہنچ جاتے ہیں تو وہاں کے نظارے اور وہاں کے اعمال ہر دو کے لئے برابر ہوتے ہیں۔

حضرت آمنہؓ نے جو جو عجائباتِ قدرت اپنی آنکھ سے دیکھے یا حضرت شفاؓ نے جو کچھ دیکھا اور سنا۔ یہ سب سرورِ دوعالم کے وجودِ پاک کی برکت اور حضور کی تشریف آوری کے حقیقی بلند مقصد کا نمونہ تھا۔

حضورؐ کی تربیت اور پرورش میں کون کون شریک رہے

ابھی یہ نورِ مجسّم اپنی والدہ کے شکم میں تھے کہ آپؐ کے والد حضرت عبداللہ تجارت کا سامان لیکر قریش کے قافلے کے ساتھ ملک شام کو گئے۔ واپسی پر مدینہ میں بیمار ہو گئے اور وہیں اپنے ماموں کے پاس انتقال فرمایا۔ آپ پیدا ہوئے تو سات روز تک اپنی والدہ کا دودھ پیتے رہے۔ پھر ثوبیہ ابولہب کی لونڈی نے حضور کو دودھ پلایا۔ جس کا ذکر مفصل ہو چکا ہے۔ حضرت حلیمہ کی صاحب زادی شیماؓ کو حضور سے بہت اُنس تھا۔ اور وہ آپ کو کھلایا کرتی تھیں۔ جب حضور کی عمر چھ برس کی ہوئی تو حضور کی والدہ ماجدہ آپ کو ساتھ لے کر مدینے اپنے عزیزوں کو ملنے گئیں۔ واپسی پر "ابوا" کے مقام پر حضرت آمنہ کا انتقال ہو گیا۔ اور اللہ کے

حبیب سے والدہ کا ساتھ بھی چھوٹ گیا۔ اُمِّ اَیمن اپنی لونڈی (جس کا نام برکت ہے) کے ساتھ حضور مکے تشریف لائے۔ اب حضرت عبدالمطلب نے اپنے دامنِ تربیت میں لیا۔ آپ جب آٹھ سال کے ہوئے تو جناب عبدالمطلب بھی ۸۲ برس کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ اور مکہ کے حجون نامی قبرستان میں دفن ہوئے جب جنازہ اٹھا۔ آپ جنازے کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ اور دادا جان کی محبت سے رو رہے تھے۔ مرضِ موت میں حضرت عبدالمطلب نے ہر چیز سے زیادہ قیمتی امانت اپنے بیٹے ابوطالب کے سپرد کی۔ ابوطالب نے والد کی وصیت کو آخری دم تک نبھاہا۔ اور اس حبیبِ خدا کی خدمت میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ اولاد سے زیادہ چاہتے۔ اپنے ساتھ کھانا کھلاتے۔ اپنے ساتھ سُلاتے اور ہر طرح کی نازبرداری کرتے

فطری صلاحیتیں

عام مشاہدہ ہے کہ تین قسم کے لوگ دنیا میں موجود ہیں۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جو فیاضِ ازل سے اپنی فطرت ایسی روشن، منور اور پاکیزہ لاتے ہیں کہ طبع بشری اور ماحول کی کوئی خرابی ان پر اثر انداز نہیں ہوسکتی۔

دوسری قسم میں وہ لوگ ہیں جن کی فطری کثافتیں اور طبعی شرارتیں اتنی غالب ہوتی ہیں کہ ہدایت کا کوئی نور ان کے سینے کو چمکا نہیں سکتا۔

تیسری قسم ایسے لوگوں کی ہے جو ہر قسم کی صلاحیتیں رکھتے ہیں۔ نیکی قبول کرنے میں بھی ان کی طبع ہر وقت مستعد رہتی ہے۔ اور برائی کے قبول کرنے میں بھی ان کا نفس فوراً آمادہ ہو جاتا ہے۔ اور اس تیسری قسم کے لوگ اس کثرت سے ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ پہلی اور دوسری قسم کے لوگوں کی تعداد ہمیشہ بہت تھوڑی ہوتی ہے۔

تمام تربیتیں، ہر قسم کی ہدایتیں اس آخری جماعت کے لئے ہیں۔ ورنہ پہلی قسم کے لوگ ہمیشہ نیکی کا مجسمہ اور بھلائی کا نمونہ ہوتے ہیں۔ اور دوسری قسم کے لوگ ہمیشہ شقاوت اور گمراہی میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی ذات گرامی چونکہ سارے عالم کے لئے سعادت اور شرافت کا نمونہ بننے والی ہوتی ہے

اس لئے ان کی ذات اقدس پر ماحول کا کوئی ناقص اثر پڑ نہیں سکتا۔

حضور سرورِ کونین کا بچپن اور جوانی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن ایسا پاکیزہ گذرا۔ کہ ماحول کی کوئی خرابی آپ پر اثر انداز نہ ہوئی۔ ایک مرتبہ کعبۃ اللہ کی تعمیر کے سلسلے میں لڑکے تہ بند اتار کر پتھر لا رہے تھے۔ آپ نے بھی ایسا کرنا چاہا لیکن حیا کے غلبے کی وجہ سے آپ بے ہوش ہو گئے۔

ایک مرتبہ رات کو کوئی کھیل تماشہ تھا۔ سرورِ دو عالم بچپن کے عالم میں ادھر جا رہے تھے کہ نیند نے غلبہ پایا۔ آپ سو گئے اور اسی حال میں صبح ہو گئی۔

ایک مرتبہ جناب ابو طالب سامان تجارت شام کو لے جا رہے تھے۔ آپ کی عمر اس وقت بارہ برس کی تھی۔ حضور نے بھی ساتھ جانے کی خواہش کی۔ سفر کی دوری اور جسم مقدس کی لطافت دیکھ کر پہلے تو ابو طالب نے لیت و لعل کیا۔ پھر جب آنحضرتؐ نے اصرار فرمایا تو ابو طالب ساتھ لے چلنے پر رضا مند ہو گئے۔ بُصریٰ مقام پر جب پہنچے تو وہاں کے ایک راہب نے حضور کو پہچان لیا۔ اور ابو طالب سے کہا۔ کہ اس نوجوان کے وجود مبارک سے نبی آخر الزمان کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ آپ انہیں شام میں نہ لے جائیں وہاں یہودی بستے ہیں۔ آپ کو تکلیف دیں گے۔ یہ سن کر جناب ابو طالب نے حضور سرورِ دو عالم کو بُصریٰ سے ہی واپس کر دیا۔

عیسائیت نے رہبانیت کو جزو مذہب قرار دے دیا تھا۔ اور اس کی ابتدا تو انہوں نے خالصۃً لوجہ اللہ کی لیکن اس کی شرائط کو نبھا نہ سکے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔

وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝ [1]

عیسائی مذہب میں رہبانیت کی شرط اول شادی نہ کرنے کا عہد کرنا۔ یہ چیز انہوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی اتباع میں اختیار کی کیونکہ حضرت عیسٰیؑ روح اللہ نے عمر بھر شادی نہ کی۔

---

[1] اور جن لوگوں نے عیسٰی علیہ السلام کی پیروی کی ان کے دلوں میں ہم نے نرمی اور محبت رکھ دی اور دنیا چھوڑنا انہوں نے نیا نکالا (اپنی طرف سے) ہم نے ان پر فرض نہ کیا۔ مگر اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے انہوں نے ایسا کیا لیکن وہ اس کو پوری طرح نبھا نہ سکے پس ہم نے ان میں سے جو ایماندار

دوسری شرط کوئی دنیوی کاروبار نہ کرنا۔

تیسری شرط خلائق سے کلّی انقطاع۔

جن راہبوں نے اخلاص و محبت سے ان شرائط کو نباہا۔ انہوں نے معرفتِ الٰہی کا بلند مقصد پا لیا اور اسلام سے پہلے انہی لوگوں کی خدا دوستی اور معرفتِ الٰہی مسلّم تھی۔ چونکہ اسلام سے پہلے عیسائی مذہب ہی صداقت اور حقّانیت کا علم بردار تھا۔ اس لئے ان کے کسی ایسے کام پر اعتراض کی گنجائش نہیں جو انہوں نے خدا کی محبّت میں کیا۔ ہاں! جب اسلام کا آفتاب روشن ہُوا۔ عیسٰے علیہ السلام کی اتباع کی بجائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتّباع فرض ہوگئی۔ تو رہبانیت کے اصول خود بخود متروک ہو گئے۔ حضور سرورِ دو عالم نے شادیاں بھی فرمائیں اور نبوّت کے ظہور سے قبل تجارت بھی کی اور ہمیشہ کے لئے خَلق سے انقطاع بھی نہ فرمایا۔

اگرچہ اللہ تعالےٰ کا یہ حکم سورۂ مزمل میں موجود ہے۔

وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ اور خلقت سے کٹ جا اللہ کی طرف کٹ جانا۔

لیکن اس انقطاع سے یہ مقصد نہیں کہ ہمیشہ کے لئے عہد کریں کہ مخلوق سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے بلکہ اس انقطاع سے مراد وہ انقطاع ہے جو اللہ کی محبت اور اس کے عشق میں مخلوق کی طرف سے بے نیازی کی صورت میں پیدا ہو جاتا ہے۔

اسلام میں اس انقطاع عن الخلق کی دو صورتیں ہیں ایک حسّی دوسری معنوی۔

حسّی انقطاع کی صورت تو وہی ہے جو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا میں مدتوں تشریف لے جاکر نمونہ پیش فرمایا اور یہ ثابت فرمایا کہ کچھ وقت کے لئے اپنے مولا کی محبّت میں اگر علیحدگی بھی اختیار کر لی جائے تو عین سنت نبوی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

انقطاع کی دوسری قسم معنوی ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام مشاغل ضروریہ کے باوجود دل کی توجہ ان مشاغل میں گم نہ ہو۔ دل ہر وقت اور ہر آن محبوب حقیقی کی طرف متوجہ رہے۔

اولیاء اللہ نے احسان کا درجہ سنتِ ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے پایا۔ یہ حضرات دوران تربیت میں وقتی طور پر خلقت سے منقطع بھی رہے۔ اور تربیت کے بعد اصلاحِ عالم کا فریضہ اپنے آقا و مولا

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق کما حقہٗ ادا بھی کیا۔ مخلوقِ خدا کے قلوب میں محبت الٰہی پیدا کی اور ان کے دلوں کو عشق الٰہی سے گرمایا۔ اور ظاہری شریعت وسنت کی پیروی میں بھی سرِ مُو فرق نہ آیا۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق

ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

بعض حقیقت ناآشنا ظاہر پرست لوگوں نے اولیاء اللہ کے دورِ تربیت کے وقت کو رہبانیت سے معمولی سی مشابہت کی بنا پر رہبانیت کہہ دیا اور حق پرستوں کو علمی مغالطہ میں مبتلا کر دیا اور وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا کی حسی و معنوی حقیقتوں سے دور رکھا۔

اور بعض منکرینِ حدیث نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ بُصریٰ کے راہب کا جناب ابوطالب کو شام سے منع کرنا اور اس قسم کی اور حدیثیں عیسائیوں نے وضع کیں اور انہیں اس واسطے ضرورت پیش آئی کہ وہ مسلمانوں پر اپنے راہبوں کی برتری اور احسان ثابت کر سکیں۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نورِ مجسم تھے اور حضور کی ہر ادا بے مثال تھی۔ اور آسمانی کتابوں میں نبی آخر الزمان کے بعض نشانات لکھے تھے۔ ایک پاکباز عارف عیسائی کا حقیقت کو اس وقت بے پردہ دیکھ لینا جب کہ ابھی اسلام کا نورِ ظہور نہیں ہوا، کون سی تعجب کی بات ہے (اور بصریٰ کے راہب کا واقعہ حدیث کی معتبر کتابوں میں درج ہے) بلکہ عیسائیت پر صداقتِ اسلام کی یہی دلیل حُجتِ قاطع ہے۔

حضورؐ کی تجارت

اللہ تعالےٰ نے انسانیت کو بہت بڑے امتحان میں مبتلا فرما دیا۔ زمین کے، آسمان کے سب اہم امور اپنے ذمے لیے۔ پیدائش۔ موت۔ تبدیل موسم۔ بارانِ رحمت۔ پیداوار کے اقسام۔ سب اس کی قدرتِ کاملہ کے نمونے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک میں بھی انسانی کوشش کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ صرف حصولِ رزق کے لئے انسان کو مکلف فرمایا۔ اور بھوک، پیاس، سردی اور گرمی کی عارضی تسکین کو انسانی کوشش سے وابستہ کر دیا۔ انسان نے اپنے وہ فرائض جو نہ ختم ہونے والی زندگی سے متعلق ہیں جن میں

عارضی زندگی کے اسباب کا حصول نہیں۔ مثلاً نماز، روزہ، یادِ الٰہی، اس بے دردی سے فراموش کیئے کہ گویا وہ اس کی اپنی ضروریات نہیں۔ اور عارضی جذبات کی تسکین کے لئے عارضی اسباب کے حصول میں ایسا کمربستہ ہوگیا۔ گویا اس کی پیدائش ہی اسی غرض سے ہوئی تھی۔ یہ غفلت آب و گل کی اس دنیا میں نفسِ انسانی کے لئے بمنزلہ اپنی طبیعت کے ہے اور نفس اس غفلت میں مجبول[له] ہے۔ آب و دانہ کی غذا یہ تاریک نتیجہ کیسے پیدا نہ کرے۔ اس لئے حیاتِ حیوانی غفلت کا ایک ظلمت کدہ ہے۔ روحانی تربیت کا یہ فوری نتیجہ ہے کہ اس ظلمت اور اندھیرے کو نور اور اجالے سے بدل دے۔ اور حیاتِ دنیا کے چند سال بسر کرنا انسانی کوششوں کا مقصود نہ رہے۔ بلکہ ہدایت کا نور اس کے دل کی آنکھوں کے سامنے ایک ایسا عالم لا کھڑا کرے جس کی آخری حدود خالقِ کائنات نے پیدا ہی نہیں کیں۔ جس کی ابتدا تو ہے لیکن اس کی انتہا نہیں ہے اور انسان کو وہاں حیاتِ ابد بسر کرنا ہے۔ یعنی وہاں فنا اور موت کا نام و نشان نہیں۔ اور طُرہ یہ ہے کہ اسی مختصر، عارضی اور ناپائیدار حیاتِ دنیا کی کوششیں وہاں اپنے دیرپا نتائج کے طور پر یا تو ابدی راحت و آرام کا ذریعہ بن رہی ہیں۔ یا پھر ہمیشہ کے درد و الم اور رنج و غم کا سبب بن رہی ہیں۔ اس مختصر بیان کے بعد فوراً یہ خیال دامن گیر ہوتا ہے کہ ہمیں ایسا نمونہ درکار ہے جو حیاتِ دنیا کی ضروریات کے حصول میں بھی ہر قسم کی ذلت سے محفوظ رکھے اور اس موعود عالم کی تیاری کے لئے بھی راہنمائی کرے۔ اس کا جواب قرآن کریم میں یہ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

البتہ تحقیق اللہ کے رسول میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

دنیا میں رہ کر حصولِ معاش کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا یہ بھی فطرتِ انسانی کا اپنا حال ہے بس اتنی احتیاط ضروری ہے کہ

لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ط

تم ایسے لوگوں کی طرح نہ بن جانا جنہوں نے اللہ کریم کو بھلا دیا پھر اس نے ان سے ان کے وجود بھلوا دیئے۔ یہی لوگ فاسق یعنی حدود اللہ

له جبلت۔ فطرت۔ سرشت۔

کو توڑنے والے ہیں۔

نبی اکرمؐ کی ذاتِ گرامی قیامت تک عالمِ انسانیت کیلئے بہترین نمونہ ہے۔ اس لئے حضورؐ نے اپنی زندگی مبارک میں ہر اس کام کا نمونہ پیش کیا جو کسی اہلِ حق کو پیش آنے والا ہوتا ہے۔ معاشی سلسلہ میں بھی سرورِ دو عالمؐ کا نمونہ موجود ہے۔ معاش کا باعزت ذریعہ مکہ میں تجارت تھا۔ حضورؐ نے بھی اس ذریعہ کو کچھ وقت تک اختیار فرمایا۔ اور تجارت کے لئے کئی سفر فرمائے۔

تجارت میں کامیابی کا سب سے بڑا گر یہ ہے کہ تاجر امانت دار ہو اور وعدے کا پکا ہو آج مسلمان کی تجارت نوے فیصد ان اوصاف سے خالی ہے۔ باہم شراکت اول تو ہوتی ہی نہیں۔ اور اگر ہوتی ہے تو فریقین نفع کمانے کے ذرائع سوچنے سے زیادہ شریک کا مال کھانے کی تجویزوں پر غور کرتے ہیں۔ وعدہ کرنے میں کچھ تامل نہیں ہوتا۔ جب وعدہ ہو چکتا ہے تو نبھانے اور پورا کرنے کی بجائے وعدہ توڑنے اور خلاف عہد کو حق ثابت کرنے کی چالیں اور بہانے شروع ہو جاتے ہیں۔ لیکن اپنے پیشوائے اعظمؐ کا نمونہ کبھی سامنے نہیں رکھتے حضرت عبداللہ بن ابی الحمسا صحابی کہتے ہیں کہ میں نے بعثت سے پہلے حضورؐ سے خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا۔ ابھی معاملہ طے نہ پایا تھا کہ میں نے کہا۔ میں ابھی آتا ہوں۔ میں جا کر بھول گیا۔ تین دن کے بعد مجھے وعدہ یاد آیا۔ میں وعدے کی جگہ پہنچا تو سرورِ عالمؐ کو وہاں موجود پایا۔ اور چہرے مبارک پر غصے کا کوئی نشان نہ پایا۔ صرف اتنا فرمایا کہ ابی الحمسا! میں تین دن سے یہاں موجود ہوں۔

صائب نامی ایک شخص مسلمان ہوا۔ لوگوں نے حضورؐ کے سامنے اس کی تعریف کی۔ آپؐ نے فرمایا میں اسے تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ وہ کہنے لگا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ میرے شریک تجارت تھے اور ہمیشہ معاملہ صاف رکھتے تھے۔

قریش کے سوداگر اکثر شام اور یمن کے ملکوں میں تجارت کے سامان کا مبادلہ کیا کرتے تھے۔ حضور سرورِ دو عالمؐ نے بھی انہیں ملکوں میں تجارت کے کئی سفر فرمائے۔

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ تجارتی معاہدے

عرب میں قدیم دستور تھا کہ اہلِ ثروت اپنا روپیہ معتمد اور تجربہ کار لوگوں کو دے دیتے۔ وہ تجارت

میں روپیہ لگاتے اور نفع تقسیم کر لیتے حضرت خدیجہؓ بنت خویلد مکہ مکرمہ میں ایک بہت مالدار اور شریف خاتون تھیں۔ آپ بیوہ تھیں۔ اور تجارت میں شراکت کے طور پر معتمد اور تجربہ کار آدمیوں کے ہاتھ اپنا سامان باہر بھیجا کرتیں۔ حضور سرورِ دو عالم کی سچائی، امانت داری، دیانت داری، پاکیزہ اخلاق اور قابلیت کی تعریف سنی تو کہلا بھیجا کہ آپ میرا مالِ تجارت باہر لے جائیں۔ میں دوسروں کو جو حصہ دیا کرتی ہوں اس سے دوگنا حصہ آپ کو دوں گی۔ حضورؐ نے قبول فرما لیا۔ اور حضرت خدیجہ کا مال تجارت لے کر بصریٰ[1] کو تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہؓ بھی حضورؐ کے ساتھ تھا۔ آپ ایک درخت کے نیچے فروکش ہوئے۔ وہاں ایک راہب کا صومعہ تھا۔ اس راہب نے آپ کو دیکھا اور میسرہؓ سے پوچھا یہ کون ہیں۔ میسرہؓ نے کہا یہ قریش اہل حرم میں سے ایک برگزیدہ فرد ہیں۔ راہب نے کہا اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کبھی کوئی نہیں اترا۔ میسرہؓ کا بیان ہے کہ جب دھوپ تیز ہوتی تھی۔ تو دو فرشتے آپ پر سایہ کرتے تھے۔ اس سفر تجارت میں خوب نفع ہوا۔ آپ نے حضرت خدیجہ کا مال ان کے سپرد کیا۔ اور دگنا نفع ہوا۔ میسرہؓ نے راہب کا واقعہ اور فرشتوں کا سایہ کرنا بھی ان سے بیان کیا۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کو یہ تمام واقعات بیان کئے۔ ورقہ بن نوفل عیسائی مذہب کا ایک عالم اور عارف تھا۔ ورقہ نے کہا اے خدیجہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے نبی ہونے والے ہیں۔ آسمانی کتابوں سے میں نے یہ راز پایا ہے۔ کہ اس امت میں ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے اور اس کا زمانہ یہی ہے۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح

حضرت خدیجہؓ بڑی دانا اور عقل مند خاتون تھیں۔ حضورؐ کی تعریفیں سنیں۔ اخلاق عالیہ دیکھے آپ کی صورت اور سیرت من کو بھا گئی۔ اور حضور کی خدمت میں شادی کا پیغام بھیجا۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق عورت کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنا رشتہ تلاش کرے۔ خدیجہؓ کی عقلمندی سے زیادہ اس کی سعادت مندی نے یہ کام کر دیا۔ جس خوش نصیب عورت کو حضرت محمد رسول اللہ جیسا خاوند

---

[1] ملک شام کا ایک شہر ہے

نصیب ہو۔ وہ خدا سے اور کیا مانگے۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

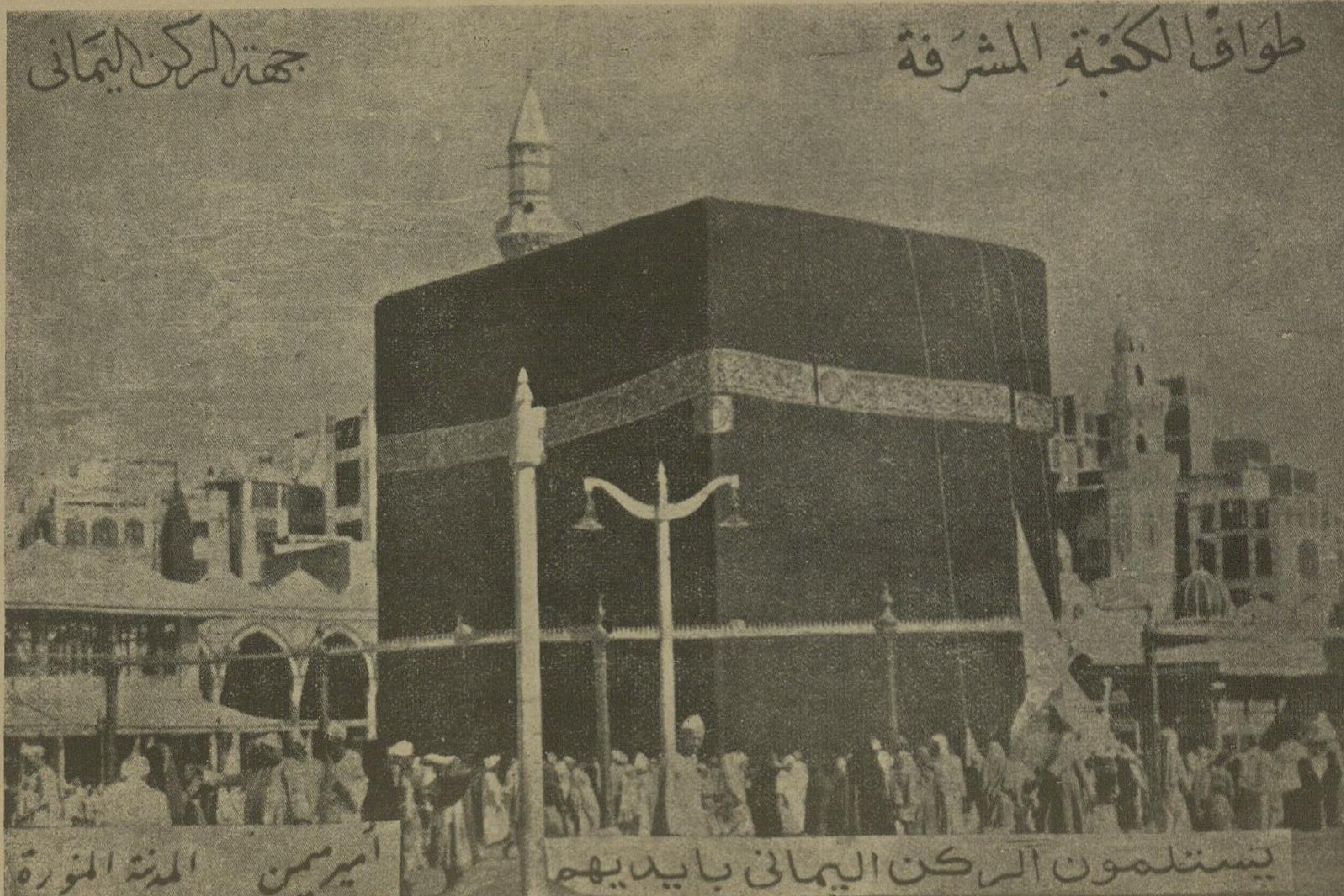
حضور نے بھی حضرت خدیجہؓ کے اخلاق حسنہ اور اچھی شہرت کو پسند فرمایا۔ اور پاک دامنی کی وجہ سے خدیجہؓ کو طاہرہ کا لقب بھی قوم سے ملا تھا۔ حضور کے خاندان نے بھی اس رشتہ کو پسند فرمایا۔ تاریخ معین ہوئی۔ دو عالم کے سردار دولہا کی برات خدیجہؓ کے گھر پہنچی۔ خاندانِ بنو ہاشم کے تمام مقتدر اصحاب ہمراہ تھے۔ ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔ اور پانچ سو طلائی درہم حق مہر مقرر ہوا۔ نکاح کے وقت حضورؐ سرورِ کائنات کی عمر مبارک پچیس سال تھی۔ اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس تھی۔

فجار کی جنگ

عرب میں اسلام کے آنے تک لڑائیوں کا جو سلسلہ جاری تھا۔ ان میں سب سے مشہور اور خطرناک جنگ یہی جنگِ فجار تھی۔ یہ لڑائی قریش اور قبیلہ قیس میں ہوئی۔ قریش کے تمام خاندان الگ الگ صف بستہ تھے۔ آل ہاشم کا جھنڈا زبیر بن عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھا۔ اور اس صف میں ہمارے آقا سرورِ کائنات بھی تھے۔ بہت زور کی لڑائی ہوئی۔ پہلے قیس کو غلبہ ہوا۔ پھر قریش غالب آئے۔ اور صلح پر خاتمہ ہوا۔ چونکہ قریش حق پر تھے اور خاندان کی عزت کا سوال تھا۔ اس لئے حضور جنگ میں شامل ہوئے اگرچہ آپ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ تاہم اللہ تعالےٰ نے حضور کی برکت سے قریش کو غالب کیا۔

حلف الفضول

متواتر جنگ و جدال نے کئی گھرانے برباد کر دیئے اور کشت و خون گویا ورثہ کے طور پر لوگوں نے قبول کیا۔ اس خطرناک حالت کو صالح طبیعتیں ناپسند کرتی تھیں۔ بعض انصاف پرست اور امن پسند لوگوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ ہر قسم کے ظلم کی مخالفت کی جائے گی۔ اور مکہ میں کوئی ظالم نہ رہنے پائے گا۔ خاندان ہاشم



طواف الكعبة المشرفة
جهة الركن اليمانى
يستلمون الركن اليمانى بايديهم
المدينة المنورة

زہرہ اور تیم۔ عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے۔ جب لوگ جنگِ فجار سے واپس ہوئے۔ تو یہ تحریک سب سے پہلے زبیر بن عبدالمطلب نے پیش کی۔ آپ سرورِ کائنات کے چچا اور خاندان ہاشم کے سردار تھے۔ اس معاہدہ میں حضور سرورِ دو عالمؐ بھی شامل ہوئے۔ اور زمانہ نبوت میں حضورؐ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس معاہدہ کے مقابلہ میں مجھے سرخ اونٹ بھی پیش کئے جاتے تو میں قبول نہ کرتا اور اب بھی مجھے کوئی ایسے معاہدے کے لئے بلائے تو میں حاضر ہوں۔

تعمیرِ کعبہ اور حجرِ اسود

کعبۃ اللہ کی عمارت کئی بار تعمیر ہوئی۔ پھر بھی حوادثِ عالم سے بچ نہ سکی۔ یہ مقدس عمارت جس کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے مبارک ہاتھوں نے تعمیر کیا تھا۔ اب اس کی صورت یہ تھی کہ قدِ آدم عمارت۔ جس کے اوپر کوئی چھت نہیں۔ کعبۃ اللہ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ شہر مکہؔ کے عین وسط میں نشیبی جگہ ہی ہے۔ اطراف شہر سے بارش کے موقعہ پر مسجد الحرام میں پانی آ جاتا تھا۔ اس کی روک تھام کے لئے بالائی حصہ پر بند بنوا دیا گیا۔ لیکن وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا۔ قریش نے باہم مشورہ سے یہ طے کیا کہ موجودہ عمارت کو گرا کر نئے سرے سے مستحکم عمارت بنائی جائے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ تعمیر کعبہ شروع ہوئی۔ سرورِ دو جہاںؐ بنفس نفیس شامل تھے۔ بھاری بھاری پتھر اٹھا لاتے۔ جس سے کندھے مبارک پر خراشیں آ گئی تھیں۔

قریش نے کعبۃ اللہ کے مختلف حصوں کی تعمیر کو آپس میں بانٹ لیا تھا۔ تاکہ اس شرف سے کوئی بھی محروم نہ رہے۔ حجرِ اسود کے دیوارِ کعبہ میں نصب کرنے کا موقعہ آیا۔ یہاں جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ شرف میرے حصے میں آئے۔ تلواریں سونت لی گئیں۔ عرب کے دستور کے موافق جان دینے کی قسمیں اٹھا لی گئیں۔ دستور یہ تھا کہ جب کبھی کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا۔ ایک پیالہ خون کا لے کر اس میں اپنی انگلیاں ڈبو لیتا۔ اس موقع پر کئی آدمیوں نے یہ رسم ادا کی۔ چار روز تک برابر یہ فتنہ قائم رہا۔ پانچویں روز قریش کے سب سے عمر رسیدہ آدمی اُمیہ بن مُغیرہ نے یہ تجویز پیش کی کہ کل صبح حرم کعبہ میں سب سے

پہلے جو آدمی آئے وہ ثالث قرار دیا جائے۔ اور اس کا فیصلہ سب قبول کریں۔ سب نے اس رائے پر اتفاق کیا۔

انتظار کی گھڑیاں گنی جارہی تھیں۔ اللہ تعالےٰ کی حکمت کاملہ کو یہ منظور تھا کہ اس فتنے کا سدِباب ان ہاتھوں سے ہو جن کی برکت سے دنیا ہمیشہ امن کے اصول اپنائے گی اور صلح و آشتی کے طریقے سیکھے گی۔ سب سے پہلے سیّدِ اولادِ آدم محبوب کبریا محمد مصطفےٰؐ حرم کعبہ میں تشریف لائے۔ سب نے یک زبان ہو کر حضور کو ثالث مان لیا۔ آپ نے اپنی چادر بچھا دی۔ حجر اسود کو اپنے مبارک ہاتھوں سے اس میں رکھ دیا اور تمام قبیلوں کو فرمایا۔ کہ اپنے اپنے سردار منتخب کرلیں۔ قبائل کے سردار آگئے۔ حضور نے حکم دیا کہ سب چادر کے کنارے تھام لیں۔ اور دیوار کعبہ کے قریب لے جائیں۔ جب حجرِ اسود دیوار کعبہ کے قریب پہنچ گیا۔ تو حضور رحمت عالم نے حجر اسود کو اپنے مبارک ہاتھوں سے اٹھا کر دیوار کعبہ میں نصب کر دیا۔ اور ایک ایسے فتنہ و فساد کا دروازہ بند ہوا جس سے ایک عظیم تباہی آنے کا یقین ہو چلا تھا۔

کعبہ کی عمارت پر چھت ڈالی گئی۔ سامانِ تعمیر کافی نہ تھا۔ اس لئے شمالی جانب زمین کا کچھ حصہ بے تعمیر چھوڑ دیا گیا۔ صرف بنیادیں بھری گئیں۔ اور ایک چار دیواری قائم کی گئی۔ اسی کو حطیم کہتے ہیں۔ اور یہ کعبۃ اللہ کا حصہ ہے۔ اس میں نماز پڑھنا گویا کعبۃ اللہ میں نماز پڑھنا ہے۔ میزاب رحمت جو کعبۃ اللہ کا پرنالہ ہے اس کا پانی اسی میں گرتا ہے۔

سرورِ دو عالمؐ نے ارادہ فرمایا تھا کہ حطیم کی دیوار گرا کر نئے سرے سے عمارت بنائی جائے۔ لیکن پھر خیال ہوا کہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں۔ دیوار کعبہ کے گرائے جانے سے کہیں وساوس کا شکار نہ ہو جائیں۔

شیطان انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ نفس انسانی کے ساتھ اس کا گٹھ جوڑ نہایت آسانی سے ہو جاتا ہے۔ اس کی کوشش ہمیشہ یہی رہتی ہے کہ انسان کو ہدایت کے راستے سے گمراہ کیا جائے اس کے لئے بڑی بڑی چالیں چلتا ہے۔ طرح طرح کے فتنے کھڑے کرتا ہے۔ اپنے تصرف سے اور وساوس کے ذریعے گمراہی کے عجیب عجیب طریقے ڈھونڈتا ہے۔

اس کی سب سے خطرناک چوٹ یہ ہے کہ کسی انسان کو مرکزِ ہدایت سے متنفر کر دے۔ اس کا قریب تر راستہ یہ ہے کہ بعض امور ایسے ہوتے ہیں جن کی ظاہری صورت اور ان کے حقیقی باطنی نتیجے میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ اکثر نگاہوں کو ظاہری صورت کا نقص نظر آتا ہے اور وہ پوشیدہ حکمت سے ناواقف ہوتے ہیں اور اعتراض کی زبان کھول دیتے ہیں۔ عام حالات میں تو غیر مشروع اور ناپسند طبع امور پر اعتراض کرنا ضروری ہوتا ہے اور ان حالات کا مقابلہ کرنا لازم ہے۔ جن کی ظاہری شکل و صورت شریعت کے مقابلے میں آئے لیکن معرفت الٰہی کے طالب کو ہمیشہ حکمت الٰہی کی پوشیدگیوں کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے خصوصاً جب ایسے امور اپنے مرکزِ ہدایت سے تعلق رکھتے ہوں۔ ایسے وقت سالک کو چاہیئے کہ اپنے مرشد کی رائے اور خیال کو پوری عقیدت اور محبت سے تسلیم کرے۔ کیونکہ کسی سالک کی تربیت میں اللہ تعالےٰ اپنے مقبول بندے سے ایسے افعال ارادۃً سرزد فرماتے ہیں کہ ظاہر حال میں وہ پسندیدہ نہیں ہوتے لیکن ان میں تکوینی حکمتیں بھری ہوتی ہیں۔ اور جب تک تکوینی حکمتوں کی تسلیم کسی سالک کو حاصل نہ ہوگی تب تک معرفتِ الٰہی کی جامعیت کے مقام بلند پر نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسےٰ علیہ السلام کی ملاقات اور دونوں حضرات کا سفر اور تین ایسے امور کا پیش آنا جو ظاہر شریعت کے بالکل منافی تھے، لیکن اپنی حکمت غامضہ کے لحاظ سے وہی افعال عین مصلحت خداوندی تھے۔ اس میں قرآنی سبق ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کے دیکھتے دیکھتے غریب ملاحوں کی کشتی کو چھید کر دیا اور وہ کنارۂ دریا پر ڈوب گئی۔ پھر ایک ہونہار لڑکے کو کسی جرم کی پاداش میں نہیں بلاوجہ قتل کر دیا۔ پھر بلا اجرت بے مروت لوگوں کی بستی میں دیوار تعمیر کرتے رہے۔ ان سب امور پر ظاہر شریعت کا اعتراض ہوتا تھا۔ اور حضرت موسےٰ علیہ السلام سے نہ رہا گیا۔ اور انہوں نے ہر ایک واقعہ کے بعد اعتراض کر دیا۔ لیکن جب حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے افعال کو افعالِ الٰہی سے نسبت دی اور ان سب کی حکمت غامضہ سے مطلع کر دیا تو موسےٰ علیہ السلام متنبہ ہوئے اور اپنے اعتراضات پر پچھتائے۔ سالک راہ مولا کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا ایسا تعلق خصوصی ہوتا ہے جو عوام کی نسبت سے بہت بلند ہوتا ہے۔ دوران تربیت میں ایسے عام تکوینی اعتراضات سے بھی بچنا چاہیئے۔ کیونکہ براہِ راست محبوبِ حقیقی کی خلّاقیت اور اس کی صنعت

پر اعتراض ہو جائے گا۔ خصوصاً جب اپنے مرشدِ طریقت سے معاملہ ہو تو پوری احتیاط سے رہنا چاہیئے۔ اور ہر طرح تسلیم و رضا کا پتلا بن جانا چاہیئے کیونکہ سالک دورانِ تربیت میں ہر وقت اور ہر طرح آزمایا جائے گا۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم شریعت اور طریقت دونوں کے مرشدِ اعظم ہیں۔ حضور کا تعلق ہر شخص کے ساتھ اس کی قلبی استعداد کے مطابق رہا۔ کعبۃ اللہ کی تعمیر اور پھر حبیب اللہ العالمین کے ہاتھوں کتنی متبرک چیز تھی لیکن حضورؐ اس سے محض اس واسطے رک گئے۔ کہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں۔ ممکن ہے یہ اس پُر حکمت فعل پر اعتراض کی زبان کھول دیں۔ اور اپنا سب کیا دھرا خاک میں ملا دیں۔

مکے کا ماحول اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

؎ گفتند جہانِ ما آیا بتو مے سازد　　گفتم کہ نمے سازد گفتند کہ برہم زن

خس و خاشاک پانی کی رو میں بہے چلے جاتے ہیں۔ اور ہر باوقار شے تیز دھارے میں بہنے کی بجائے اس کا رُخ بدل دیتی ہے۔ انسان سے زیادہ باوقار ہستی دنیا میں اور کیا ہوگی؟ —— اور حیرانی کی بات ہے کہ ماحول کے دھارے میں خس و خاشاک سے زیادہ ہلکا ہی ثابت ہوتا ہے اور ماحول کی ہر ٹکر اسے پچھاڑ دیتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنی امت کے لئے نمونہ ہوتے ہیں۔ اس لئے اظہارِ نبوت سے پہلے ہی وہ ماحول کے مقابلے میں ڈٹ جاتے ہیں اور جس طرح اچھی رسوم کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ رسومِ بد کے خلاف بھی وہ امکانی نفرت کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ اولیائے امت کی بھی یہی حالت ہے۔ فیضِ ازل ان کا ساتھ دیتا ہے۔ اور عموماً ابتدائی عمر سے وہ ہر قسم کی اچھائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ سرورِ دوجہان صلّی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ رہتی دنیا تک قائم رہنے والا تھا۔ اس لئے حضور سراپا نورؐ نے جہاں ہمدردیٔ خلائق کے معاہدوں میں شرکت فرمائی وہاں مکے والوں کی بری رسوم سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔

یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حضور سراپا نورؐ بچپن اور جوانی میں ہمیشہ رسومِ شرک سے بیزار رہے۔ اور اس کی اصلاح کی طرف ہمیشہ مائل رہے۔ ایک مرتبہ قریش نے ایک ایسا کھانا آپ کے سامنے لاکر

رکھا۔ جو بتوں کے چڑھاوے کا تھا۔ آپ نے کھانے سے انکار فرما دیا۔ منصب رسالت پر فائز ہونے سے پہلے ہی بت پرستی کی برائی آپ نے بیان فرمانا شروع کر دی تھی۔ اور اپنے معتمد لوگوں کو اس سے منع فرماتے۔

ظہورِ نبوّت سے پہلے آثارِ توحید

جب کالی رات ختم ہو چکتی ہے۔ اور آفتاب عالم تاب کا ظہور قریب ہوتا ہے۔ تو آفتاب کی نورانی شعاعیں شبِ تار کے رگ و ریشہ میں داخل ہو کر اس کی تاریکی میں دھندلی سی روشنی پیدا کر دیتی ہیں۔ آفتاب نبوّت کے طلوع سے پہلے سرزمینِ عرب میں ہدایت کی ہلکی ہلکی شعاعیں ظاہر ہونے لگی تھیں۔ چنانچہ قیس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عبید اللہ بن جحش، عثمان بن الحارث، زید بن عمرو ابن نفیل نے بت پرستی سے انکار کر دیا۔ یہ وہی ورقہ بن نوفل ہیں جو حضرت خدیجہؓ کے چچازاد بھائی اور عیسائی عالم تھے۔

سرورِ دو عالمؐ کے خاص خاص دوست

طبع انسانی ہر قسم کے پسند و ناپسند اپنے اندر رکھتی ہے۔ دوست کا انتخاب بھی طبع کی پسندیدگی کا نتیجہ ہے۔ تاہم اس پسندیدگی میں عقلی احتیاطوں کی بھی بڑی ضرورت ہے۔ خوش خُلق، باوقار اور وفادار دوست اگر مل جائے تو غنیمت ہے۔ ایسا دوست مل جانے پر ایثار اور قربانی کو ہمیشہ مدّنظر رکھو۔ کہ ہمیشہ مخلص دوست کی طبع نازک ہوتی ہے۔ اور نباہ بغیر ایثار کے مشکل ہو جاتا ہے۔ سرورِ دو عالم کی سنت ہر بات میں موجود ہے۔ احباب کے چناؤ میں بھی حضور سراپا نور کا اُسوہ بہترین اُسوہ ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ ظہورِ نبوّت سے پہلے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باوفا دوست تھے۔ اور لمبی مدت تک یہ دوستی قائم رہی۔ تا آنکہ سرورِ دو عالم نے نبوّت کا تاج پہنا۔ اور رسالت کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ پھر صدیق اکبرؓ کی دوستی سرورِ دو عالم کی غلامی سے بدل گئی۔ اس غلامی میں بھی انہوں نے ایسی خدمت اور ایسی قربانی کا ثبوت دیا

اور اخلاص، جان نثاری، خدمت اور ایثار کی وجہ سے وہاں پہنچے۔ جہاں کوئی دوسرا پہنچ نہ سکا۔ حتیٰ کہ حضورؐ کی پہلی خلافت کا درجہ پایا اور خلیفہ اوّل کہلائے۔ حضرت خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی حکیم بن حزام بھی سرورِ دو عالم کے دوست تھے۔ ان کی پیدائش سرورِ دو عالم سے پانچ برس پہلے ہوئی۔ اور قریش کے معزز رئیس تھے رِفادہ (حجاج کو کھانا کھلانے کی خدمت) جو حرمِ کعبہ کا بہت بڑا منصب تھا۔ وہ ان ہی کے قبضے میں تھا اور دار النّدوہ کے بھی یہی مالک تھے۔ اسلام لانے کے بعد امیر معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم میں بیچ ڈالا۔ اور یہ سب رقم خیرات کر دی۔ یہ ہجرت کے آٹھویں سال ایمان لائے۔ مدت تک ایمان نہ لانے کی صورت میں بھی سرورِ دو عالم سے انہیں بے حد محبت تھی۔ یہی حکیم بن حزام ابھی اسلام نہ لائے تھے۔ کہ ذویزن کا اسباب کعبۃ اللہ میں نیلام ہو رہا تھا۔ ایک بہترین حلّہ پچاس اشرفیوں میں خریدا۔ اور مدینے جا کر دربارِ رسالت میں پیش کیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں مشرکوں کے تحفے قبول نہیں کیا کرتا۔ ہاں اگر قیمت لے لو تب قبول ہے۔ وہ مجبور ہو گئے اور قیمت لے لی۔ تب آنحضرتؐ نے وہ حلّہ قبول فرمایا۔

ضماد بن ثعلبہ اَزد کے قبیلے کے ایک فرد تھے۔ یہ بھی سرورِ دو عالمؐ کے کامل دوست تھے۔ طبابت اور جراحی ان کا پیشہ تھا۔ ایک دفعہ مکّہ میں آئے اور حضور سرورِ دو عالمؐ کو دیکھا کہ لڑکوں کا ایک ہجوم آپ کے پیچھے ہے۔ مکّہ والوں نے مشہور کر دیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیوانے ہو گئے ہیں۔

یہ حربہ تمام انبیاء کے خلاف استعمال ہوتا رہا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ فطرت انسانی کا یہ خاصہ ہے کہ جب کسی کی عقل و ہوش پر اسے شبہ ہو جائے تو پھر اس کی کسی بات پر کان نہیں دھرتی۔ ایسے شخص کی دانائی بھی نادانی سمجھی جاتی ہے اور شیطان اپنا یہ ہتھیار ہدایت کے مقابلے میں ہر زمانے میں استعمال کرتا رہا۔ اور اسے کامیابی بھی ہوتی رہی ہے۔ اور عقل کے دعویدار لوگ انبیاء علیہم السلام کی الہامی باتوں کو اور آسمانی رموز کو جنون اور دیوانگی کا نتیجہ کہہ دیتے رہے ہیں۔

اس دورِ گمراہی میں علوم مغربیہ کے دلدادگان اکثر علوم اسلامی سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں اور حلال و حرام تک کی تمیز نہیں کرتے۔ گناہ اور نافرمانی سے نفرت تو کیوں کرتے الٹی گناہ سے انکو محبت ہوتی ہے اور اسلام کو اپنی بری خواہشات کے سامنے ایک قید سمجھتے ہیں۔ اور ہر آن اس قید سے رہائی چاہتے ہیں۔ اگر

معاشرے کا بندھن مضبوط نہ ہوتا۔ اور اسلام کے نام کے ساتھ بعض دنیوی فوائد وابستہ نہ ہوتے (جن کو حاصل کرنے کے لئے یہ لوگ اسلامی نسبت اپنے لئے ضروری جانتے ہیں) تو یہ کبھی کے اسلام چھوڑ چکے ہوتے لیکن اس حالت کے باوجود وہ اپنے صرف نام کے اسلام کے مقابلہ میں اہل علم اور متقی مسلمانوں کے تقوےٰ وطہارت پر ہمیشہ پھبتیاں کستے رہتے تھے۔ اور اہل علم کو اختلاف رائے کے طعنے دے دے کر انہیں بے وقوف کہتے ہیں۔ اور وقوف سے ان کی مراد وہ علوم وفنون ہیں جن کا جاننا اور سیکھنا حصول معاش دنیا کے لئے ضروری ہے۔ اس ذہنیت کا اثر یہ ہوا کہ اب علمائے کرام اور صوفیائے عظام کی باتوں کو لوگ توجہ کے کانوں سے نہیں سنتے۔ چونکہ اس دورِ گمراہی میں جو کچھ بھی بقیۂ دین اور اعمالِ آخرت موجود ہیں وہ انہیں دین کے مقتداگروہوں میں موجود ہیں۔ اور ان کی باتیں دیوانگی، ناواقفی اور لاعلمی پر محمول کی جاتی ہیں۔ اس لئے لوگ اصل دین اور اعمال آخرت سے محروم ہوتے چلے جارہے ہیں اور یہ وہی ذہنیت ہے جو انبیاء علیہم السلام کو دیوانہ، مجنوں کہہ کر عوام کی توجہ ان سے ہٹاتی رہتی تھی۔

ضماد بن ثعلبہ نے مکے والوں کی باتیں تو سنی ہی تھیں۔ جب حبیب کبریا کو اس حال میں دیکھا۔ تو سامنے آیا اور کہا محمدؐ! میں دیوانگی کا علاج بھی کر سکتا ہوں۔ حضورؐ کی نگاہ اس پر پڑی تو محبت نے جوش کھایا۔ ہدایت سینے میں اُبھری۔ آنکھیں مشاہدہ انوار الٰہی کی مستی سے مخمور ہو گئیں۔ اور آپؐ کی زبان سے محبت بھرے چند کلمے نکلے۔ ضماد کا سینہ کھل گیا۔ اس کا استدلال مغلوب ہو گیا۔ سنا کچھ اور تھا۔ اور دیکھا اور۔ فوراً پکار اٹھا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ ترجمہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں اور محمدؐ رسول اللہ اللہ کے رسول ہیں۔

قیس بن سائب مخزومی سرورِ دوعالم کے شریک تجارت رہے۔ اور ہمارے آقا اور مولا کو بہت قریب سے دیکھا۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ حضور کا معاملہ اپنے ساتھیوں سے نہایت عمدہ اور صاف رہتا تھا۔ کبھی کسی امر میں کوئی جھگڑا کسی سے حضور کو پیش نہ آیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

نورِ نبوّت کی چمک[1]

انسان کی پوشیدہ قوتیں

ہدایت کا نور خود انسان کے اپنے اندر ہی سے چمک اٹھتا ہے۔ لیکن اس کے چمکانے کے لئے جن اسباب کی ضرورت ہے وہ یہ ہیں۔ سب سے پہلے تخیّل کی بلندی اور عمل کی پاکیزگی۔ پھر کامل شیخ کی راہنمائی۔ اس کے بعد مجاہدہ کامل۔ پھر اس کے بعد انسان قدرت کے ہاتھ میں اس بچے کی طرح ہو جاتا ہے جو اپنی ماں کی آغوشِ محبت میں ہو۔ اور وہ اس کی جسمانی اور ذہنی تربیت جس طرح چاہے کرے۔ خیال کی بلندی اور عمل کی پاکیزگی اصل استعداد ہے۔ جس کے بغیر کوئی انسان مردِ کامل نہیں بن سکتا۔ پھر معرفتِ الٰہی کے ان دیکھے راستے میں کامل راہنما یعنی پیر و مرشد کی اشد ضرورت ہے جس نے اس راستے کے نشیب و فراز دیکھے ہوں۔ اور وہ قلبی تربیت کرنا جانتا ہو۔ پھر اس کے بعد نفسی مجاہدہ ہے۔ کہ حیوانی قوتیں مجاہدہ کے بغیر مضمحل نہیں ہوتیں۔ اور جب تک حیوانی قوتیں مضمحل نہ ہوں۔ عالمِ ملکوت کی طرف کسی سالک کا دروازہ نہیں کھلتا۔ اور جب حیوانی قوتیں کمزور اور مغلوب ہو جاتی ہیں تو ملکی قوتیں بیدار ہو کر اپنا مقام حاصل کرتی ہیں۔ اور ان قوتوں میں زندگی، طاقت اور نورانیّت آجاتی ہے۔ اور جب یہ قوتیں تربیت پانا شروع کرتی ہیں تو مخفی عجائبات کا ایک باب خود انسان کے اپنے سینے کے اندر کھل جاتا ہے اور حیاتِ عالم اور خصوصاً حیاتِ انسان کے اہم امور آئینہ دل پر منعکس ہو جاتے ہیں۔ اور حقائق اشیا مجسم بن کر سامنے آجاتے ہیں۔ حضور سرورِ دو عالم کی دعا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ۔ ”الٰہی ہمیں اشیا کی حقیقتوں کا مشاہدہ عطا فرما۔“

اب یہ حالت فطری استعداد کے مطابق ہوتی ہے۔ جتنی جس کی فطری صلاحیتیں مکمل ہوں گی۔ اتنا ہی اس کی واردات میں بلندی اور حقانیّت زیادہ ہو گی۔ یہی وہ فطری دستور ہے جو قربِ خداوندی

---

[1] اس عنوان کی ذیلی سرخیاں نشان ستارہ پر ختم ہوتی ہیں۔



جبل النور

١٢ العدد الثالث السنة الأولى تصدرها مؤسسة الطباعة والصحافة والنشر في جدة

٥٢ صفحة
الثمن
ريال سعودي واحد

کے طالب ہر زمانے میں اختیار کرتے رہے اور نتائج سے بہرہ اندوز ہوتے رہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام اولیائے امت نے ذاتی استعداد، مجاہدہ اور استقامت کے صراط مستقیم کو طے کرنے کے بعد قربِ الٰہی کی بلندیاں حاصل کیں۔ اور جس فن میں کسی کو مہارت ہو گئی۔ وہی اس فن کا استاد ہو نکلا۔ اور پھر قدرت کی منظوری اور اپنی قابلیّت سے وہ اہلِ عالم کو مستفیض کر سکا۔

کسی انسان کو "الغیب" کی بے پناہ ان دیکھی قوتوں کا تسلیم کرانا اور ایک ایسے عالم کو منوانا جو اس کے مشاہدات ظاہری سے بہت آگے ہے۔ اتنا بڑا کارنامہ ہے جو ایسے جلیل القدر تربیت یافتہ صاحبِ معرفت انسان کے بغیر سرانجام دینا ناممکن ہے جس نے موہبت ربّانی، ذاتی استعداد اور مجاہدہ عظیم کے بعد انسانیّت کی حقیقی راہنمائی کی مسند کو زینت دی ہو۔

نبوّت کا فیض اتنا بڑا فیض ربّانی ہے کہ کسی مجاہدے سے اس کا حصول ناممکن ہے۔ تاہم تمام انبیا علیہم السلام سے سخت سے سخت مجاہدے کرائے گئے۔ پھر منصبِ نبوّت پر بٹھایا گیا۔ اگرچہ ولایت کا فیض بھی محض فضلِ ربّانی ہے لیکن اس کے لئے ذاتی مجاہدہ اور کامل شیخ کی رہنمائی شرطِ کامیابی ہے۔

؎ چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے   میرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

محبوب رب العالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے عمر کے ہر حصّے میں معجزانہ کمالات عطا فرمائے تھے اور یہ محض فضلِ ربّی تھا۔ بچپن میں کھیل کود سے نفرت، الگ رہنے کی عادت، اپنے کام سے کام، کم گوئی، کم خوابی، کم خوری کے اوصاف فطرتاً سرورِ دو عالمؐ میں موجود تھے۔ عدل وانصاف رحم و شفقت اور دل جوئی کے اوصاف ہمارے آقا فیض ازل سے لے کر آئے تھے۔ پچیس برس کی عمر میں شادی ہوئی۔ حضرت خدیجہ نے جان و مال سب تصدّق کر دیا۔ تیس برس کے بعد طبیعت کا تفکّر بڑھ گیا۔ خلوت و تنہائی کے پاکیزہ جذبات ابھر آئے۔ اور ایک ایسے مقام کی تلاش ہوئی جو شہر کی ہماہمی سے دور تنہائیوں کے نور سے معمور ہو۔ چنانچہ جبل نور کی چوٹی سے غربی جانب تھوڑا نیچے ایک غار ملا جس کو غارِ حرا کہتے ہیں (جس کے اندر سے کعبۃ اللہ نظر آتا ہے)۔ سرورِ دو عالمؐ اس غار میں تشریف لے جاتے اور اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے۔ بعض اوقات ہفتہ ہفتہ کی خوراک (جو تھوڑا سا

پانی اور تھوڑے سے ستو ہوتے) ہمراہ لیتے اور رات دن وہیں قیام فرماتے۔ اور اللہ جلّ جلالہ کی عبادت میں مشغول رہتے۔

سرورِ دو عالمؐ کی عبادت کیا تھی؟

ایمان ایک خاص قسم کا پاکیزہ تخیّل ہے۔ جوں جوں خیال میں پختگی آتی چلی جائے گی۔ توں توں ایمان میں مضبوطی آتی جائے گی۔ تخیل کی پختگی سے عمل پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے سمیع وبصیر، حاضر وناظر ہونے کا تخیل پختہ ہو جائے۔ تو اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے ہر نیکی آسان ہو جاتی ہے۔ اور ہر برائی کا ارتکاب مشکل۔ اسی طرح جنّت کی بے مثال حکومت، وہاں کی نعمتوں کا خیال پختہ ہو جائے اور دوزخ کا قید خانہ اور اس کے مختلف قسم کے عذابوں کا خیال پک جائے تو خوف اور امید کے ساتھ نیکی کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور برائی سے رکنا بھی آسان۔ گویا خیال کی پختگی عمل کو پیدا بھی کرتی ہے اور عمل کو قائم بھی رکھتی ہے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ عمل خود خیال کو مضبوط بناتا ہے بعض اوقات خیال کی پیدائش کا سبب بھی عمل بن جاتا ہے۔ لیکن یہ مسلّم ہے کہ خیال سے عمل پیدا ہوتا ہے۔ بس اس اوّلین درجہ کو پانا۔ یعنی خیال کی قوت کو مرکز پر رکھنا اور اس کی مضبوطی کے سامان کرنا اس طور سے کہ پیدائش کا مقصد بلند سامنے ہو، بہت بڑی عبادت ہے۔ ذکر کثیر کا نتیجہ بھی یہی ہے کہ فکر کی قوت کو بیدار کیا جائے اور حقیقی مرکزیت پر لایا جائے۔ یہی وہ عبادت عظمےٰ ہے جو انبیاء علیہم السلام ظہورِ نبوت سے پہلے کرتے رہے۔ اور ہمارے آقا ومولا بھی اسی عبادت میں مصروف رہتے۔ ذکر، فکر، تنہائی اور تبتّل کے نتائج مسلم ہیں۔ انہی ریاضات سے معرفتِ الٰہی کی پوشیدہ قوتیں بیدار ہو کر انسان کے سینے میں تربیت پاتی ہیں۔ اور پروان چڑھتی ہیں۔

سیدالانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام غارِ حرا میں مسلسل تشریف لے جاتے رہے اور وہاں ذاتِ الٰہی کے انوار سے اپنا مقدس سینہ بھرپور فرماتے رہے۔ اسی طرح پہاڑ کی تنہائیوں میں اور ذکر فکر کی بلندیوں میں وقت گزر رہا تھا۔ یہاں تک کہ نیند کی حالت میں غیب کے مشاہدات کا باب کھل گیا۔ اور ہر

ہونے والے واقعہ کو خواب میں بعینہٖ یا تھوڑی سی تعبیری تبدیلی کے ساتھ مشاہدہ فرما لیتے۔

عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ ۔ اَلرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا اِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ۔ ترجمہ :۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اوّل اوّل سرور دو عالمؐ کو وحی کی یہ صورت ہوئی کہ حضورؐ نیند میں سچی خوابیں دیکھا کرتے تھے ۔ تو جب بھی کوئی خواب دیکھتے اس کا ظہور صبح نور کی طرح روشن ہوتا تھا۔

غفلت اور جہالت میں فرق اور غفلت کیسے دُور ہو

نیند کے بارے فلاسفا اور اطبا کچھ کہیں دراصل یہی حالت موت کی حالت کا ایک تشبیہی نقشہ ہے جس میں جسم کی قوتیں اور اس کے حواس بے کار محض ہو جاتے ہیں۔ صرف روح حیوانی بقلائے شخص کے لئے اجل معین تک قائم رہتی ہے۔ اور وہ بقا بھی شعوری دنیا سے بالکل بے خبر۔ اس واسطے کہ دنیوی شعور کے آلات حواس ظاہرہ ہیں اور وہ نیند میں بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اس لئے شعور بھی بالکل بے کار ہو جاتا ہے جس طرح حواس ظاہرہ سمع و بصر وغیرہ دنیوی شعور کے آلات ہیں جن کا سرچشمہ دماغ انسانی ہے اور ان کے بغیر جہالت ہی جہالت ہے ۔ بالکل اسی طرح عالمِ آخرت کا شعور سینے کے حواس سے وابستہ ہے۔ جب تک یہ حواس قلبِ انسانی میں بیدار اور تربیت یافتہ نہ ہوں تب تک غفلت ہی غفلت ہے کثرتِ ذکر سے سینے کے حواس بیدار ہو جاتے ہیں اور جب یہ بیدار ہو جاتے ہیں تو عالم آخرت کا عکس ان پر پڑتا ہے اور انسان متنبہ ہو کر آخرت کی تیاری میں لگ جاتا ہے۔ بظاہر جہالت کو غفلت سے زیادہ سنگین سمجھا جاتا ہے اور غفلت کو ہلکا پھلکا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جہالت سے دماغ کی قوتیں معطل رہتی ہیں اور جاہل دنیوی مرتبہ کما حقہ حاصل نہیں کر سکتا لیکن نا تربیت یافتہ غفلت کی وجہ سے عالم آخرت سے بے خبر رہتا ہے۔ اور حیاتِ دوام میں ذلّت اور رسوائی کے عذاب اٹھائے گا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۔[1]

جاہل تو دنیا میں کسی نہ کسی طرح گزارہ کر ہی لیتا ہے لیکن غافل کی آخرت برباد ہو گئی اور وہ انتہائی خسارے میں رہا۔

---

[1] ترجمہ۔ اپنے رب کا ذکر کر اور غفلت والوں میں نہ ہو۔

جب دل بیدار ہو جائے تو عالمِ آخرت سامنے ہوتا ہے

الہام اور واردات، اذواق و احوال قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ اور قلب کی تربیت سے سینے کی باقی قوتیں اپنا اپنا کام شروع کر دیتی ہیں۔ اس حالت میں عالمِ غیب پوشیدہ ہونے کے باوجود غیر محسوس نہیں رہتا۔ دل کی آنکھیں، دل کے کان اور قلب کا جسمِ نوری اس عالمِ غیب کے کُلّیات اور بعض جُزئیات کا احساس رکھتے ہیں۔ حضور سرورِ دو عالم کا ارشادِ گرامی ہے۔

فِی الْجَسَدِ مُضْغَةٌ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ۔ (الحدیث)	جسمِ انسانی میں ایک ٹکڑا گوشت کا ایسا ہے جب وہ درست ہو جائے تمام جسم ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ بس وہ انسانی دل ہے۔

اس صحت سے مراد دل کی وہ صحت نہیں جو اطبا کے نزدیک تندرستی ہے کہ وہ جسم کے اعضاء کو خون باقاعدہ پہنچاتا رہے۔ بلکہ اس سے مراد قلب کی حقیقی قوت ہے جو معرفتِ الٰہی کے حصول کے لئے انسان کی امتیازی طاقت ہے اور اسی ہی کے ذریعے انسان معرفتِ الٰہی کی بلندیوں پر جا پہنچتا ہے اس کی صحیح مثال آنکھ ہے۔ یہ گوشت کا لوتھڑا بھی ہے اور نظر کا مقام بھی۔ جہاں تک انسان کی ظاہری خوبصورتی کا تعلق ہے وہ صرف گوشت کے اس ٹکڑے سے جو خانۂ چشم میں موجود ہے مکمل ہے۔ لیکن آنکھ کا حقیقی مقصد، اس کا وجود اور اس کی خوبصورتی نہیں بلکہ اس کی وہ قوت ہے اور اس قوت کا وہ ظہور ہے جس سے عالمِ دنیا روشن ہے اور جس سے دنیا کے تمام کام انجام پاتے ہیں۔ اور یہ قوت سوائے آنکھ کے کسی اور جگہ اپنا گھونسلا بناتی نہیں ہے۔ قلبِ انسان بھی گوشت کا ٹکڑا ہے۔ بیشک یہ حیوانی زندگی میں بھی اوّل درجے کا عضو ہے اور اس کے بغیر حیوانی زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔ جس طرح آنکھ کے بغیر چہرے کا حسن قائم نہیں رہ سکتا۔ لیکن قلب کی حقیقی طاقت وہی ہے کہ اس کے حواس باطنہ عالمِ آخرت کو اس طرح محسوس کرتے ہیں۔ جس طرح آنکھ کان وغیرہ عالمِ دنیا کا احساس

رکھتے ہیں۔ نفع و نقصان کو پہچانتے ہیں۔ اور مفید اور مُضر میں تمیز کر سکتے ہیں۔

جب تبتّل[1] اور خلوت گزینی کے ذریعے باطنی قوتیں پختہ ہو جاتی ہیں تو وہ اپنا ظہور چاہتی ہیں اور نور ہدایت[2] کے ظہور سے نور ہدایت ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور انہیں باطنی قوتوں کا ظہور قرآنی اصطلاح میں ھُدیٰ کہلاتا ہے۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق۔ — اللہ تعالےٰ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہُدیٰ (یعنی نورِ باطن) اور دینِ حق (یعنی شریعت) دیکر بھیجا۔

قرآنی اصطلاحات (الہدیٰ و دین الحق میں ترادف نہیں)

بعض لوگ شاید یہ سمجھتے ہوں کہ ھُدیٰ اور دینِ حق مترادف ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ ہدیٰ اور چیز ہے اور دین حق اور چیز ہے۔ ہدیٰ باطن کی وہ قوت ہے جس کے ذریعے ایمان کی آنکھ کے سامنے عالم آخرت روشن ہو جاتا ہے۔ اور دین حق ظاہر شریعت ہے جس میں تمام احکام الٰہی موجود ہیں۔ اور ایک کامل معاشرے کی تمام ضروریات موجود ہیں جس میں حرام اور حلال، جائز اور ناجائز، فرض اور واجب اور سنت کی تفصیل بالاستیعاب موجود ہے۔ اور منہیات کا مکمل ذکر دین حق میں موجود ہے۔ اور منہیات کے ارتکاب پر اس دنیا میں تعزیرات کا سلسلہ موجود ہے۔

ہُدیٰ اور دینِ حق روح اور جسم کی طرح حیات اسلامی کے ضامن ہیں اور ان دونوں کی طاقت اور حُسن سے اسلام کی طاقت اور حُسن ہے۔

جب نورِ باطن کی روح شریعت غرّا کے خوبصورت لباس میں آجاتی ہے یعنی الھدیٰ اور دین الحق ایک وجود میں آجاتے ہیں۔ تو یہی خوبصورت جسم مقصد رسالت کا آئینہ بن جاتا ہے۔ اور یہی سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع ہے۔ جس کے بغیر مسلمان عارف تو کیا بنے گا مومن بھی نہیں بن سکتا۔

پندار سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز در پے مصطفےٰ

---

[1] وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (قرآن کریم) [2] اس نور کی بغیر ہدایت کے پھیلانے کی قوت کسی کے اندر پیدا نہیں ہوتی۔

ترجمہ:۔ اے سعدی تو یہ خیال بھی نہ کر کہ معرفت الٰہی کا راستہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر طے کیا جا سکتا ہے۔

جب تک شریعت اور طریقت اکٹھے نہیں ہوتے تب تک صحیح اسلامی زندگی کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ مقصدِ حیاتِ انسانی صرف کھانا پینا اور آرام کرنا نہیں بلکہ باطن کی قوّتوں کو بیدار کرنا ہے۔ اور قلبی قوّتوں کے بیدار کرنے کے لیئے ہماری یہی زندگی اکسیری حکم رکھتی ہے۔ جب جسم و جان کا فراق ہو جائے گا اور روح جسم سے الگ ہو جائے گی تو پھر کبھی یہ موقع ہاتھ نہ آئے گا۔ اور کروڑ ہا سال میں روح کی چھوٹی سے چھوٹی طاقت بھی اپنی بیداری کسی قیمت پر حاصل نہ کر سکے گی۔

مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِيْلًا۔

جو شخص اس دنیا میں اندھا رہا وہ دوسرے جہان بھی اندھا ہو گا اور زیادہ بھٹکا ہوا۔

اس اعمٰی (اندھے پن) سے مراد چشمِ ظاہر کی نابینائی نہیں بلکہ قلبی قوّتوں کا اندھا پن ہے کیونکہ دنیا کے صالح نابینوں کو یقیناً آنکھیں ملنے والی ہیں۔

تمام بنی آدم کے قلوب حقیقت میں اس نور کے پیاسے ہیں۔ گناہ اور غفلت کے پردے اس روشنی کو مستور کر دیتے ہیں۔ جب اپنے سینے میں نورانی شعاعیں موجود ہوتی ہیں تو باہر سے آنے والے نور کو وہی قبول کر لیتی ہیں۔ اگر اندر اور باہر کی یہ نورانی قوّتیں برابر کام کرتی رہیں تو دل کا میل کچیل جلدی دھل جاتا ہے اور انسانی دل معرفتِ الٰہی[۱] کے لئے تیّار ہو بیٹھتا ہے

روحانی تربیّت ضروری ہے

اللہ تعالٰے نے اپنی تمام مخلوق میں اپنی ذات کے بے پایاں جلوے کے لیئے انسانی دل کو منتخب فرمایا ہے۔ جس کی وسعتیں عرشِ اعظم سے بھی بڑھ کر ہیں۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

---

[۱] معرفت الٰہی ہی مقصدِ حیاتِ انسانی ہے اور باقی تمام کائنات کے وجود کا مقصود انسانی خدمت ہے۔

لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ

وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ

عَبْدِیْ الْمُؤْمِنِ (حدیث قدسی)

اسی کا ترجمہ فارسی اشعار میں مولانا روم یوں فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است — من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ میں کسی پستی اور بلندی میں سما نہیں سکتا

در زمین و آسمان و عرش نیز — من نہ گنجم تو یقیں داں اے عزیز

زمین میں اور آسمان میں اور عرشِ اعظم میں میری سمائی نہیں ہو سکتی اے دوست تو اس کا یقین کر

من بہ گنجم قلبِ مومن اے عجب — گر تو مے جوئی دراں دلہا طلب

میں مومن کے دل میں سما سکتا ہوں۔ اگر تو مجھے تلاش کرنا چاہتا ہے تو اس دل میں جا کر ڈھونڈھ لے

سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ قلب کی صفائی کی طرف تو لوگ دھیان نہیں دیتے اور معرفت الٰہی کے نتائج سے بہرہ ور ہونے کی تمنا دل میں رکھتے ہیں۔

باہر کا ہزار فیض موجود ہو اپنے اندر کا آئینہ صفا نہ ہو تو دل کوئی عکس قبول نہیں کرتا۔ اور تاریکی ہی تاریکی رہتی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ تعلیمات سے اپنے اپنے وقت میں انکار کی اور کوئی وجہ نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ سننے والوں کے دل گمراہی کے پردوں میں بری طرح پھنسے تھے۔

انسانی دل کی مثال برقی انجن کی سی ہے۔ بجلی اپنے مرکز سے آ رہی ہو۔ انجن کے کل پرزے درست ہوں تو اس کے چلنے میں آنکھ جھپکنے کی دیر بھی نہیں لگتی۔ لیکن اگر انجن خراب ہو تو بجلی کی کامل طاقت سے وہ ٹس سے مس نہیں ہوتا اور انجن والوں کو یہ شبہ پڑ جاتا ہے کہ شاید برقی مرکز ہی خراب ہے۔ لیکن برقی مرکز کی صحت اس بات سے ثابت ہوتی ہے کہ اگر مرکز خراب ہوتا تو باقی انجن کیوں اپنا کام کرتے۔ پھر جب اسی انجن کے ذاتی نقائص دور ہو جاتے ہیں تو باقی انجنوں کی طرح یہ بھی اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔

ہر مصلح کے لئے ذاتی تربیت ہمیشہ ضروری ہے۔ اور اس تربیت میں اسباب و حالات کے مطابق کسی

کو زیادہ وقت خرچ کرنا پڑا اور کسی کو کم۔ روحانی تربیت کے لئے خلوت گزینی اور کم آمیزی ازبس ضروری ہے

؎ خودی را مردم آمیزی دلیل نارسائیہا تو اے درد آشنا بیگانہ شو از آشنائیہا

خودی والوں کے لئے عوام سے ملنا جلنا مقصد کو نہ پانے کی دلیل ہے تو اے دردِ محبت کے طالب اپنے حقیقی محبوب کے علاوہ باقی دوستیوں سے دست کش ہو جا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے مصر کا قید خانہ تربیت گاہ بنا اور وہاں اکیلے رہ کر اس حسنِ مجسم نے ریاضت کی اور تربیت پائی۔ موسےٰ علیہ السلام نے مدین کے جنگلوں میں دس سال گزارے اور شعیب علیہ السلام کی بکریاں چراتے رہے اور اس طرح تنہا رہ کر اور حضرت شعیب علیہ السلام کی تاثیر صحبت سے تربیت پائی۔

؎ اگر اب بھی شعیب آئے میسّر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

ویسے تو کوئی شریف اور لطیف فن کامل یکسوئی اور خلوت کے بغیر کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن قلبی تربیّت کے لئے تو خلوت کا مقام بہت ہی بلند ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس نورِ ہدایت کا سب سے بڑا مرکز بننے والی تھی۔ اور تمام انسانیت کے لئے ابدالآباد تک ہدایت کا کامل نمونہ۔ اس لئے حضور کے اظہار نبوت سے پہلے کے تمام مشاغل بھی ایسے ہی ہیں۔ جیسے بعد نبوت کے مشاغل۔ اور طالب ہدایت کو تربیت سے نور باطن کے حصول کی کوشش و ریاضت کرنی چاہیئے۔ اور اپنی طبع کو نبوت کی طبع کے قریب تر لانا چاہیئے۔ لہو و لعب سے اجتناب لازم ہے۔ غیر مفید رسوم سے پرہیز بے حد ضروری، نامناسب ماحول سے کٹ جانا۔ اور اپنا الگ ماحول قائم کر لینا۔ ذکر فکر میں بھی مقصود اعلےٰ سامنے رکھنا۔ اپنے فکر کی اصلاح کرنا اور اس کی بلند قوتوں کی تربیت اس طرح کرنا کہ تمام کائنات پر فکر انسانی غالب آجائے۔

ذکر کی قرآنی ترتیب

ذکر و فکر کی ترتیب قرآن کریم میں یوں ہے۔

الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰے اللہ کے بندے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ جب بھی

غارِ حرا

ظہور نبوت سے پہلے یہی مقدس مقام ہے جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عظیم مجاہدہ فرمایا اور اسی مقام مقدس میں پہلی مرتبہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور قرآن کریم نازل ہؤا۔

رہتی دنیا تک یہ مقامات پاکیزہ یادگاروں کے طور پر آنکھوں کو نُور اور دل کو سرور پہنچاتے رہیں گے۔



جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

کھڑے ہوتے ہیں۔ اور جب بھی بیٹھتے ہیں۔ اور لیٹے لیٹے بھی ذکر کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں (آخر کار اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اتنا بڑا کارخانہ قدرت نے یوں ہی نہیں بنایا۔ اس کے پیدا کرنے کا ایک خاص مقصد ہے اور وہ مقصد اس کائنات کے مقصود اعلیٰ یعنی انسان کو ایک ایسے عالم کے لئے تیار کرنا ہے۔ جو اس عالمِ دنیا سے بے انتہا بڑا ہے اور اس جہان آخرت میں دنیا میں کئے ہوئے تمام اعمال کی جزا بھی ہے اور سزا بھی ہے اور وہ ذکر فکر سے اس قابل ہو جاتے ہیں کہ ان کے سینے پر ثواب و عذاب کی صورتیں منعکس ہوتی ہیں۔ ثواب کی امیدیں جیتے ہیں اور عذاب سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے دامنِ پناہ میں آجاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں) اے رب ہمارے یہ سب کچھ تو نے بے کار نہیں بنایا۔ تیری ذات پاک ہے ہمیں آگ سے بچائیو۔

غارِ حرا کی ریاضت بھی سُنّت نبوی ہے

غارِ حرا کی ریاضت خود فطرتِ کمال کا نمونہ بھی ہے اور اُمّت کے لئے تعلیم بھی ہے۔ اگر معرفت خداوندی کو مقصود بنا لیا جائے تو تبتّل اور خلوت از بس ضروری ہے۔ اور اس خلوت کی میعاد مقرر نہیں جب بھی معرفت کے نور سے سینہ چمک اٹھے۔ اور دل کی گرمی اور تپش اپنے وجود سے نکل نکل کر دوسروں کے قلوب کو گرمانے لگے تو پھر اس نور سے دنیائے انسانیت کو فیض پہنچانا لازم ہو جاتا ہے۔ اور صاحبِ معرفت کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ سرورِ دو عالم کی اتباع میں زبان سے اور سینہ کی گرمی سے عقول کو اور قلوب کو گرما کر تبلیغ کا فریضہ انجام دے۔

جب حبیب کبریا کی غارِ حرا کی ریاضت ہو چکی۔ تو نورِ نبوت کی دھیمی دھیمی شعائیں پہلے پہلے خوابوں کی صورت میں نمودار ہوئیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ خواب آتے۔ بعض خوابوں کی تعبیر نہایت واضح ہوتی

اور بعض خواب ایسے ہوتے کہ خواب میں ایک واقعہ دیکھا اور بیداری میں وہ ہو بہو سامنے آگیا۔ سچے اور صحیح خواب پیہم آنے لگے۔ حدیث شریف میں آتا ہے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سچی خوابیں آنا نبوت کا چالیسواں حصہ ہے۔

قلبی انکشاف ایک ایسی چیز ہے جس کا بیان بلند ترین کیفیت کا بیان ہے۔ اور کسی کیفیت کا بیان تشبیہی رنگ میں بھی بے حد مشکل ہے۔ شرح صدر سے ایک انسان اپنے اندر وہ کچھ پاتا ہے جس کا وہم گمان بھی اس حال سے پہلے نہیں تھا۔ دنیا و آخرت کے بلند ترین احوال کا ایک دریا سینے میں اُبل پڑتا ہے مشاہداتِ غیب کا ظہور یوں ہوتا ہے جیسے آفتاب کے نکلنے سے کائنات کا ذرّہ ذرّہ بے حجاب ہوجاتا ہے۔ قلبی حجابات کے ہٹنے کی دیر ہوتی ہے۔ عالم آخرت سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور قلبِ انسانی مخفی اشیاء کو یوں دیکھتا ہے۔ جیسے آنکھ حسی چیزوں کا مشاہدہ کرتی ہے۔ شرح صدر کے بغیر کوئی شخص الہام قبول کرنے کی قوت اپنے اندر نہیں پاتا اور اس کے بغیر کما حقہٗ اس نعمت سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔

نبوّت کا نُور اور وحی

نبوّت کا نُور روحانی قلبی انوار میں سب سے زیادہ چمکدار، سب سے زیادہ روشن ہوتا ہے۔ صاحبِ نبوّت یقین اور معرفت کا ایک ایسا دریا اپنے سینے میں رکھتا ہے۔ جس سے ایک دنیا سیراب ہوتی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی وہ عنایت ہے کہ بلند ترین استعداد پر فیاض مطلق کے خاص فیض سے نازل ہوتی ہے اور پھر انسانی راہنمائی اور ہدایت کا منصب انبیاء علیہم السلام کے سپرد ہوتا ہے اور سعادت مند روحیں اسی وسیلہ سے اپنے اللہ کا قرب و وصال پاتی ہیں۔

جب سرورِ دوعالم کی عمر چالیس سال کی ہوئی۔ اور غارِ حرا میں آنا جانا برابر جاری رہا۔ اور عالم بالا کا باب ہر طرف سے کھلا ہوا تھا۔ تا آنکہ انسانیت کی آخری بلند نصیبی کا وقت آیا۔ اور خدا کا وہ پیغام جو ہر زمانے میں مختلف ناموں سے انسانیت کی بھلائی کے لِئے آسمان سے آیا کرتا تھا وہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری کلام الٰہی بن کر نازل ہوا۔

جبرائیل علیہ السلام جو آسمانی پیغام پہنچانے پر متعین ہیں۔ پہلی مرتبہ اپنی حقیقی صورت میں سرورِ دو عالم کے سامنے نمودار ہوئے۔ جبرائیل بہت جلیل القدر اور معزز فرشتہ ہے۔ اور ہر زمانے میں آسمانی پیغام رسالت کی صورت میں انبیاء علیہم السلام کے پاس لاتا رہا ہے۔

جبرائیل علیہ السلام کے چھ سو پر ہیں۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پہلی مرتبہ نزولِ قرآن کے وقت جبرائیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں آئے۔ چھ سو پروں میں سے صرف دو کھولے۔ اور یہ شاہ پر اس قدر عظیم المرتبت تھے کہ زمین و آسمان کی کوئی دوسری چیز نظر نہ آتی تھی۔ جبرائیلؑ آئے، خدا کا پیغام لائے اور کہا اِقْرَاْ (پڑھیئے) حضور نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ (میں پڑھنا نہیں جانتا) جبرائیل نے چھاتی سے لگایا اور بھینچا۔ پھر کہا پڑھیئے، تب بھی حضور نے وہی پہلا جواب دیا۔ پھر جبرائیلؑ[1] نے سینے سے لگایا اور بھینچا، کہا پڑھیئے تب بھی حضور نے یہی فرمایا۔ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ تیسری مرتبہ جبرائیل علیہ السلام نے گلے لگایا اور بھینچا اور کہا۔

قرآن کریم کی سب سے پہلی آیات

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ	آپ پڑھیئے۔ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ آپ پڑھیں اور آپ کا پروردگار بڑا ہی

---

[1] ایسی روایات میں بظاہر حضرت جبرائیل علیہ السلام کی برتری نظر آتی ہے۔ حالانکہ جبرائیل علیہ السلام باوجود عظیم المرتبت فرشتہ ہونے کے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربان اور خادم ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ظہورِ نبوت سے قبل انوارِ رسالت کو سرورِ دو عالم کے سینہ مبارک میں منتقل کرنے سے پیشتر وہ انوار بطور ودیعت اور امانت حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سینے میں رکھے گئے تھے۔ کہ وہ زمین پر جائیں اور اللہ کی یہ سب سے بڑی امانت نبی علیہ السلام کے سینے میں منتقل کردیں۔ جب وہ انوارِ الٰہی حبیبِ خدا کے سینے میں منتقل ہوگئے تو جبرائیل علیہ السلام حسبِ سابق خادمِ نبوت تھے۔ اور سرورِ دو عالم کا رتبہ بلند سے بلند تر تھا۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ اور انسان کو اس چیز کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا۔

سب سے پہلے قرآن کریم کی یہ پانچ آیتیں غارِ حرا میں نازل ہوئیں۔ ان آیاتِ کریمہ میں صفاتِ الٰہی کا بیان ہے۔ انسان کی پیدائش اور اس کی تربیت کا ذکر ہے۔ پیدائش سے پہلے بھی تربیت ہوتی رہی۔ لیکن وہ ظاہری آنکھ سے مخفی ہے۔ اس لئے ذکر صرف انسانی جسم کا ہوا۔ اور تربیت کے بعد خصوصی نعمت علم کی دولت ہے۔ اور علم سے مراد صرف محسوس اشیا کا علم نہیں۔ بلکہ ہر چیز کے مرتبے اور اس کی ماہیت کا علم ہے محسوس اور غیر محسوس اشیا کا علم، عالم دنیا کی چھوٹی بڑی تمام چیزوں کا علم اور عالمِ آخرت کی عظیم الشان نوراتی مخلوق کا مشاہدہ اور الہامی علم ہے۔ جو غیب کے مشاہدات اور شرح صدر سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ہر وہ چیز جو علم میں آسانی سے آسکتی ہے۔ اور آسانی سے نہیں آسکتی۔ آسانی سے معلوم ہو سکنے والی چیزیں وہ ہیں جو دماغ انسانی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور حواس ظاہرہ کے مشاہدات ہو سکتے ہیں۔ باقی سب عالمِ آخرت کی کیفیات

باطن کے حواس کی تاثیر

الہامی علوم مشکل ترین علوم ہیں۔ ان کے حصول میں بے حد مشکلات موجود ہیں۔ ظاہری حواس ان کے معلوم کرنے اور برداشت کرنے کے قابل ہی نہیں۔

باطن کے حواس کھلے ہوں تب الہامی علوم فہم میں آسکتے ہیں۔ اس واسطے الہامی علوم کی تعلیم کے لئے ایسے یگانہ افراد کی ضرورت ہوتی ہے جو شرح صدر کی دولت سے سرفراز ہوں۔ اور تعلق باللہ کی بنا پر ایسی تاثیرات اپنے اندر رکھتے ہوں جو دوسروں کی خوابیدہ قوتوں کو بیدار کر سکیں۔ وہ انبیا علیہم السلام کی ذاتِ گرامی ہی ہو سکتی ہے کیونکہ انوارِ الٰہی سے ان کے سینے بھرپور ہوتے اور ان کی تربیت بلا واسطہ ذات احد جل جلالہٗ کی طرف سے ہے۔ ان کے بعد اُمّت کے اولیا اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے قلوب الہامی علوم کو طالبین حق کے دلوں میں پیوست کر سکیں اور ان حضرات کی تربیت سے سالکین اس قابل ہو جاتے ہیں کہ الہامی علوم کے حقائق پر نظریں جما سکتے ہیں۔

الہامی علوم کو نقل کرنا ان کی ظاہری حفاظت کے لئے ضروری ہے۔ اور اس مقصد کے لئے الہامی علوم کو عقلی علوم سے گونا اشتراک پیدا ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ الہامی علوم کا سمجھنا تمثیل کے ذریعے انسانی عقل سے کچھ بعید نہیں۔ اس لئے عقل مند کو دھوکہ لگنے کا سخت اندیشہ ہے کیونکہ اس کی نظریں تمثیل پر رک کے رہ جاتی ہیں۔ اور عالم آخرت کے مشاہدہ کا کوئی عکس اس کے سینے پر نہیں پڑتا جس سے وہ شک و ریب کے دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ اور ہدایت کے نور سے محروم رہتا ہے۔

شرح صدر سے سینے کے آئینے پر برزخی صورتیں منعکس ہوتی رہتی ہیں۔ اس واسطے وہ اسم سے کل کر مسمّی کی پہچان آسانی سے کر سکنے کے قابل ہو جاتا ہے اور شک اور ظن کی الجھنوں میں نہیں پھنستا۔

عقل کو قلب کے تابع ہونا چاہیئے

انسان کے اندر متضاد صفات موجود ہیں۔ احتیاج اور بے نیازی جیسی صفتیں اکٹھی رہتی ہیں اور ہر صفت کے خواص اور نتائج جداگانہ ہیں۔ احتیاج اس کی فطرت میں ہے۔ اپنی ہر ضرورت میں، تربیت میں، علوم میں اور بقائے زندگی میں یہ محتاج ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بے نیاز ہونے کی صلاحیتیں بھی رکھتا ہے۔ اسے اپنے زور بازو پر بھروسہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اپنی عقل کے کرشمے روزانہ دیکھ دیکھ کر آہستہ آہستہ یہ خود اعتمادی حاصل کرتا رہتا ہے۔ اگر یہ خود اعتمادی باطنی قوتوں سے پیدا ہو تب تو اللہ تعالےٰ جل شانہٗ کی مدد ہمیشہ شامل حال رہتی ہے۔ اور اگر صرف ظن و تخمین سے پیدا ہو۔ تو بے چارہ انسان یقین اور بے یقینی کے درمیان پھنس کر رہ جاتا ہے۔ اور اگر اسباب ظاہر ایسے شخص کو فراہم ہو جائیں تو پھر یہ کیفیت سرکشی اور طغیان کا راستہ اختیار کرتی ہے۔ اور سرکشی اور طغیان کا نتیجہ ہمیشہ انسان کی اپنی بہتری کے خلاف جاتا ہے۔ اور ہدایت کی قوتوں سے ایسا شخص صرف نفور ہی نہیں رہتا بلکہ ان کے مقابلے میں آجاتا ہے۔ اور ہدایت کے نور کو بجھانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ لیکن ہدایت کے نور کی فطرت یہ ہے کہ وہ خود بھی چمکے اور حق پرستوں کو بھی چمکائے۔ آخر کار ایسا شخص جو ہدایت کے مقابلے میں اپنی سرکشی لاتا ہے۔ وہ ایک معیّن وقت کے بعد ہمیشہ کے لئے ذلت کی موت مر جاتا ہے اور اس کا نام بھی

ہمیشہ حقارت سے لیا جاتا ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ انسان ہمیشہ انبیاء کی تعلیمات کی حکمتوں کو اپنے مشاہدہ میں لانے کے لئے قلب کی تربیت کرے۔ اور عقل کو دل کے تابع بنائے۔ ورنہ دنیا کی چندروزہ فانی زندگی کے بعد حیاتِ ابدیں ہمیشہ پچھتائے گا۔ اور اُس وقت کی ندامت کچھ کام نہ آئیگی۔

سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غارِ حرا سے واپسی

حضور غارِ حرا سے واپس تشریف لائے تب بھی طبع مقدس پر مشاہدہ ملکوت کی پُر ہیبت کیفیت طاری تھی۔ اس حال میں حضور نے فرمایا زَمِّلُونِی (مجھے کمبل اڑھادو) چنانچہ آں حضرتؐ کو کمبل اڑھا دیا گیا۔ طبیعت مبارک کو سکون ہوا۔ تو حضرت خدیجہؓ سے فرمایا خدیجہؓ! میں ایسے واقعات دیکھتا ہوں کہ مجھے جان کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

بشریت کے تقاضوں سے جب ملکیت کی طرف رجوع ہوتا ہے تو آہستہ آہستہ بشریت کی روح میں زوال آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ ملکیت غالب آتی جاتی ہے۔ اس حال میں طبع بشری کو اپنا اضمحلال اور اپنی فنا ناگوار ہوتی ہے۔ اور طبع انسانی میں خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ موسٰے علیہ السلام نے خلافِ عادت لاٹھی کو جب سانپ کی کیفیت میں دیکھا تو خوف کھا گئے۔ جس پر اللہ تعالےٰ نے تسلی دی۔ اور لَاتَخَفْ[1] فرمایا۔ لیکن یہاں تو تمام انبیا علیہم السلام کی امامت کا منصب تھا۔ اور ملکوت کا دروازہ یک دم کھلا مشاہدہ عالم مثال کے احوال سامنے آئے۔ نبوت کی ذمہ واریاں کندھوں پر دیکھیں۔ تو بے ساختہ یہ الفاظ زبان سے نکلے جیسے کوئی بڑے منصب کو قبول کرنے پر کہہ دے کہ یہ تو بڑی جان بازی اور خطرے کا کام ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے عرض کی۔ نہیں۔ آپ اقربا نوازی فرماتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں۔ بیواؤں، یتیموں، بے کسوں کی مدد فرماتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔ مصیبت زدوں کی مصیبت میں کام آتے ہیں اللہ تعالےٰ

[1] یَا مُوسٰی اَقْبِلْ وَلَاتَخَفْ اِنَّکَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ - ترجمہ:- اے موسٰے آگے آؤ اور خوف نہ کرو آپ ہر طرح محفوظ ہیں۔

آپ کو کبھی غمگین نہیں فرمائے گا۔

حضرت خدیجہؓ نے چاہا کہ ورقہ بن نوفلؓ کے پاس حضور تشریف لے چلیں۔ چنانچہ حضور ورقہ کے پاس گئے۔ ورقہ بن نوفلؓ عیسائی عالم تھا۔ عبرانی زبان جانتا تھا۔ توریت اور انجیل کا ماہر تھا۔ حضور کے حالات سنے اپنی کتابوں میں یہی حالات پڑھے تھے۔ فوراً بول اٹھا کہ یہ وہی ناموس ہے جو موسےٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔ کاش میں جوان ہوتا اور اے کاش۔ میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکال دے گی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ تو ورقہ نے کہا اس دنیا میں جس نے بھی یہ تعلیم پیش کی لوگوں نے اس سے دشمنی کی۔ کاش میں ہجرت تک زندہ رہوں اور حضور کی خدمت کر سکوں۔

پہلی نماز

جبرائیل علیہ السلام جب قرآن کریم یعنی اللہ جلّ شانہ کا کلام لائے ـــــ تو اس کے ساتھ ساتھ عبادت کا عملی نمونہ بھی لائے۔ وہ بہترین نمونہ نماز ہے۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وضو فرمایا۔ پھر محبوبِ خدا اور قاصدِ ربانی نے مل کر نماز پڑھی۔ جبرائیل علیہ السلام نے نماز کی امامت کی۔

تبلیغ کی ابتدا

قرآن رازِ الٰہی ہے اور اسلام دینِ خداوندی ہے۔ اس راز کے کھولنے کا حکم ہوا۔ اور اس دین کے پھیلانے کے لئے تمام اسباب حرکت میں آئے۔ ایمان سراسر اعتماد اور یقین کا نام ہے اور چونکہ ایمان کے بعد موجودہ زندگی یک سر بدل جاتی ہے۔ اس لئے اتنی بڑی تبدیلی کے لئے کسی بے انتہا معتمد ہستی پر اعتماد کرنا ضروری ہے۔ اور یہ اعتماد ان ہی کو ہو سکتا ہے جو رات دن پاس رہتے ہوں۔ اور وہ گھر والے اور احبابِ خاص ہی ہو سکتے ہیں۔ اس کی شہادت سب سے پہلے وہی لوگ دے سکتے ہیں

جو قریب تر رہتے ہوں۔ اس لئے سب سے پہلے وہی لوگ اسلام سے شرف ہوئے جو معتمد خاص ہے :۔

اِسلام کے پہلے جان نثار

حضرت خدیجہؓ جن کو پندرہ برس تک حرم نبوی ہونے کا شرف حاصل رہا۔ اور اس شرفِ عظیم سے پہلے بھی وہ آپؐ کی صداقت اور شرافت کا کلمہ پڑھتی تھیں۔ اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے نبوت و رسالت کی تصدیق سب سے پہلے انہوں نے کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ عورتوں کے لئے یہ بہت بڑا شرف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا نمبر حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بچپن سے حضورؐ کے دوست تھے۔ اور ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دیرینہ صحبت کا شرف حاصل تھا۔ اور یہ شرافت و سعادت میں مکہ بھر میں مشہور تھے۔ نسب دانی کے فن میں ماہر تھے، مالدار بھی تھے، دانا اور فیاض بھی تھے۔ اس واسطے مرجع خلائق تھے۔ جب اسلام لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ شرفائے مکہ ہر بات میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ بعض بڑے بڑے صحابہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ترغیب سے ایمان لائے (مثلاً حضرت عثمانؓ ذی النورین، حضرت زبیر ابن العوامؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہؓ وغیرہ)

اسلام کی تبلیغ چپکے چپکے ہوتی رہی اور یہ نور آہستہ آہستہ خوش نصیب لوگوں کے سینوں کو منور کرتا رہا اور مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی۔

پہلے مسلمانوں میں حضرت عمار یاسرؓ، حضرت خُباب ابن ارتؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد ابن وقاصؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت ارقمؓ، حضرت سعید ابن زیدؓ، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبیدہ، حضرت صُہیب رومیؓ زیادہ ممتاز ہیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد عورتوں میں ان خوش نصیب بیبیوں کو دولتِ اسلام نصیب ہوئی۔ حضرت عباسؓ عمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ام الفضلؓ اسلام لائیں۔ اسماء بنت عمیسؓ، اسماء

بنت ابوبکر صدیقؓ[1]، اور فاطمہ حضرت عمرؓ کی بہن۔

جب یہ رازِ حقیقت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس یارِ غم گسار کے سامنے پیش کیا۔ تو انہوں نے نہایت خوشی سے حضور کی نبوّت کی تصدیق کی، حضرت علیؓ کی عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی۔ لیکن قلبی لحاظ سے جوان ہمت تھے۔ فطری استعداد میں بے حد بلند تھے اور نبوّت کی گود میں تربیت پائی تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی ہونے کے باوجود بچّوں کی طرح پالا تھا۔ اور صلاحیتیں وہ رکھتے تھے جو اللہ تعالےٰ کے خاص عطیّے ہوتی ہیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا راز ان کو بتایا۔ تو یہ سننے سے پہلے ایمان لا چکے تھے۔ حضرت زید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اور بچپن سے حضور کے پاس رہتے تھے۔ آپ کو بھی ان سے محبّت تھی۔ اور یہ بھی فدا کار تھے۔ آزاد اور باعزّت باپ کے بیٹے تھے۔ بچپن میں بعض رہزنوں کی غارت گری کا شکار ہو گئے۔ اور غلام بنا لئے گئے اور غلام کے طور پر بکتے بکاتے مکّہ میں آئے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے خرید لیا۔ اور ظہورِ نبوّت سے پہلے یہ ہونہار غلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کر دیا۔ ان کے والد اور بعض رشتہ دار ڈھونڈتے ڈھانڈتے مکّے میں آئے۔ اور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر زید کو آزاد کرانے کی خواہش ظاہر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زید میری طرف سے آزاد ہے اس سے پوچھ لو اگر جانا چاہے تو لے جاؤ۔

والد نے دلاسا دے کر پوچھا۔ حضرت زیدؓ نے اپنے والد کے ساتھ اپنے وطن میں اپنی ماں اور دیگر عزیزوں کے پاس جانے سے انکار کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت چھوڑ نہ سکا۔ کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے

؎ آگیا اب تو مجھے لطفِ اسیری صیّاد ذبح کر ڈال مگر قید سے آزاد نہ کر

جب زیدؓ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام پیش کیا تو وہ فوراً ایمان لائے۔ کیونکہ زیدؓ تو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کا قرآن پڑھتے پڑھتے جوان ہوئے تھے اور انوارِ نبوّت انکے سینے میں گھر کر چکے تھے۔ انہیں اسلام لانے میں کیا تردّد ہو سکتا تھا۔

---

[1] حضرت ابوبکر صدیقؓ

ابتدائے اسلام

چالیس برس بیحد پاکیزہ اور ہمدردی سے بھری ہوئی زندگی گذارنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض زندگی میں ایک ایسا اضافہ ہُوا جس کے لئے آسمان ستاروں کی آنکھ سے مدّتوں سے دیکھ رہا تھا، زمین کا گوشہ گوشہ منتظر تھا، روح انسانیت بے تابی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وقت آگیا خدا کا خاص راز محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی تمام عالم پر آشکارا ہو۔ اور چھ سو سال کی نورِ ہدایت کی پیاسی مخلوق سیرابی حاصل کرے۔ ہدایت کا نور جو ہمیشہ قوم و ملک کی حدود کے اندر محدود بن کر انسانیت کے قلوب کو خاص انداز سے منوّر کیا کرتا تھا۔ اب ان حدود کو توڑ کر روئے زمین کے انسانوں کے قلوب کو منوّر کرنے کے لئے آسمانوں سے اترا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سال غارِ حرا کی تنہائیوں میں اپنے محبوب کا تصوّر پکا پکا کر اُس کے انوار سے اپنے پُرنور سینے کے آئینے کو چمکا چمکا کر اس انتہا تک پہنچایا کہ اب خطابِ الٰہی مجسّم بن کر آپ کے سمع و بصر کو منوّر کر دے۔ پیغام و کلامِ الٰہی قرآن کی صورت میں جلوہ گر ہُوا۔ آپؐ نے اس نسخۂ کیمیا کو لے کر اور اس امانتِ الٰہی کو اٹھا کر سب سے پہلے اہلِ مکّہ کو یہ رازِ الٰہی بتانا چاہا۔

وہ عالم نور جس کو مادہ آشنا آنکھیں کبھی دیکھ نہیں سکتیں۔ اس کے تمام کلّیات اور جزئیات اسرارِ ربّانی نہیں تو اور کیا ہے۔ وہ عالم جس کی وسعت دنیا کے سمندر سیاہی بن کر لکھ نہ سکیں، اس عالم کو جھانکنے اور اس کے عکس صفحۂ دل پر قبول کرنے کے نسخے سیکھ لینا کیمیا گری نہیں تو اور کیا ہے۔ دنیا کی کیمیا گری تو مادے کو مادّے میں تبدیل کر سکتی ہے لیکن یہ کیمیا گری، مادّے کو اللہ جل شانہ کے نور میں تبدیل کر سکتی ہے۔

راز کو راز کی شکل میں پیش کرنا خود راز اور بھید کی فطرت کا تقاضا ہے۔ انسانیت کے قلوب کو عرشِ اعظم کی وسعتیں بخشنے والا راز پہلے عرش کی پہنائیوں سے زمین پر اترا۔ پھر جبلِ نور (غارِ حرا) کی بلندیوں پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے میں آیا یہی انسانیت کے کھوٹ نکالنے والا

اس کی فطرت کی پستیوں کو بلندیوں سے بدلنے والا اور اس کے روگی جسم کو شفا بخشنے والا۔ اور یہی رازِ الہی آدمی کے جسم کو پر لگانیوالا کہ یہ اڑ کر زمین کی پستیوں سے عرشِ اعظم کی بلندیوں تک پہنچ جائے اور اپنے محبوب کے جلوے کھلی آنکھ سے دیکھ لے۔ یہی وہ نسخہ کیمیا ہے جو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

(حالی)

پوشیدہ عبادت

اسلام نہایت رازداری سے پھیلتا رہا اور جو لوگ اسلام قبول کرتے وہ بعض گھاٹیوں میں حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر عبادتِ الہی کرتے۔ پہاڑ کی گھاٹیاں عبادتِ خداوندی کے لئے چن لی گئیں۔ اور بعض صحابہ کے گھر مل کر یادِ الہی کرنے کے لئے مخصوص کر دیئے گئے تھے چنانچہ حضرت ارقم رضؓ کے گھر میں جو کعبۃ اللہ کے قریب تھا سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اکھٹے ہو کر عبادتِ الہی میں مشغول رہتے تھے۔ اور اس طرح صحابہ رضؓ حضورؐ کے سینے کا نور اپنے سینوں میں لیتے۔

ایک مرتبہ ابو طالب نے حضورؐ کو ایک گھاٹی میں نماز پڑھتے دیکھا۔ اس نئے طرز کی عبادت پر وہ حیران رہ گیا۔ پوچھا یہ کیسی عبادت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عبادت ہے۔ ابو طالب نے کہا آپ بے شک اس کو اختیار کریں لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔

تدریجی ترقی

اسلام دنیا میں آیا۔ روحانیت اور معقولیت کے تمام اسباب اپنے ساتھ لایا۔ پیغمبر کی تدبیر اصل میں خدا کی تدبیر ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی یہ سنت ہے کہ ہر پودا خواہ کیسا عالی شان درخت بننے والا ہو

بتدریج بڑھتا ہے۔ پہلے بالکل چھوٹا ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ خوراک ملنے اور حفاظت پانے سے بڑھتا جاتا ہے۔ تا آنکہ وہ تعجب ناک بڑائی حاصل کر لیتا ہے۔

یہی حکمت تھی اسلام کی تدریجی ترقی میں کہ پہلے تین سال تک اسلام کی تبلیغ نہایت رازداری سے ہوتی رہی اور جو لوگ فطرتاً صالح اور پاک باز تھے۔ نیز بت پرستی سے نفرت کھا چکے تھے اور دینِ حق کی تلاش میں تھے یا جو پاک باز، بلند فطرت اور مصائب زمانہ سے ان کے دل ٹوٹتے ہوئے تھے۔ وہ اسلام کی طرف والہانہ بڑھے۔ ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

شکستہ دلی کا فوری صلہ جو قدرت کی طرف سے ملتا ہے وہ قبولِ حق کی قوت ہے کہ دل شکستہ حق کی آواز پر فوراً لبیک کہتا ہے۔

فترتِ وحی

تعلق باللہ، مشاہدہ حق اور شرح صدر کی دولت وہ دولت ہے جس کا جواب دنیا میں نہیں۔ اور لذت و سرور سے بھری کیفیات اخلاص و محبت کے عجیب و غریب حالات صرف اسی دولت سہ گانہ کا نتیجہ ہو سکتے ہیں۔ اور پھر اس کے بلند ترین مرتبہ یعنی نبوت و رسالت کی آخری بلندی اور اس کے احوال کا اندازہ تو کسی بشر کو ہو ہی نہیں سکتا۔ خود ذاتِ الٰہی محبت کے اضطراب کو دیکھنا پسند فرماتی ہے۔ اور یہ کیفیات عجیبہ وصل و ہجر دونوں میں اپنا رنگ دکھاتی رہتی ہیں لیکن ہجر میں تو یہی اضطراب اضطرار کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ اور بے چینی اپنی حد سے بڑھ جاتی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الٰہی اُتری۔ محبوبِ حقیقی نے کلام فرمایا۔ اس کلام کی لذت اس کا سرور اور الغیب کے مشاہدہ کی صورت جو نزول وحی سے وابستہ تھی وہ ظاہر ہوئی اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد کے موافق بابِ رحمت کھلے۔ لیکن پھر کچھ عرصہ تک جو وحی الٰہی رُک گئی۔ تو حضور سرورِ کونین پریشان رہنے لگے۔ روایات میں ہے

کہ اس قدر پریشانی ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارادہ فرماتے کہ کسی پہاڑ پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دیں اور سخت گھبراہٹ میں رہنے لگے۔ تا آنکہ محبتِ الٰہی وحی کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔ مقربین الٰہی یعنی صوفیا کے احوال میں ایک حال ایسا ہے جس کو قبض کہتے ہیں۔ اور اس حال میں مشاہدات بند ہو جاتے ہیں۔ احسانی کیفیات رک جاتی ہیں۔ عالم علوی کی شناسا سطح پر عالم سفلی کے اثرات غالب ہو جاتے ہیں۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ط — بے شک ہم نے انسان کو تکلیف میں پیدا کیا

جب کسی سالک پر قبض کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس کی دل تنگی اور پریشانی کا بھی کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ بے پایاں فضاؤں میں اڑنے والا شہباز اپنے آپ کو ایک بند پنجرے میں محبوس پاتا ہے اور بے چارگی کے عالم میں وقت نہایت تنگی سے گزارتا ہے۔ لیکن قدرت کی آواز اس تنگی میں اُسے صبر کی تلقین فرماتی ہے ۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

تا آنکہ بابِ رحمت کھل جاتے ہیں۔ جدائی اور ہجر کے تاثرات رخصت ہو جاتے ہیں اور تعلق باللہ اور مشاہدہ حق کی پہلی کیفیات نئے جلوؤں کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں۔

اعلانیہ تبلیغ کا حکم

تین برس میں اسلام کا نور بہت سے قلوب کی گہرائیوں کو منور کر چکا تھا۔ امیر غریب چھوٹے بڑے اسلام کی خوبیوں اور ایمان کی لذتوں سے آشنا ہو چکے تھے۔ تا آنکہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ اب آپ اعلانیہ اسلام کی تبلیغ کریں۔

یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ — اے کملی والے اٹھو اور خدا کے عذاب سے
وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ — لوگوں کو ڈراؤ اور اپنے پروردگار کی بڑائی اور

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ عظمت بیان کرو اور اپنے لباس کو پاک صاف رکھو۔ اور بتوں وغیرہ کی گندگی اور نجاست سے الگ ہو جاؤ۔ اور احسان اس لئے نہ کرو کہ اس کا زیادہ بدلہ چاہو۔

دوسری آیت نازل ہوئی۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔

عوام و خواص کی حالت

پردے کی دوسری جانب کیا ہو رہا ہے؟ یہ کس کو معلوم! انسان کے حواس ظاہری نے اسے ایسا مصروف کیا اور دھوکہ دیا کہ اپنی حقیقت بھی فراموش کر بیٹھا۔ عالم کو جمادات، نباتات، حیوانات تک محدود کر دیا اور انسان کو بھی ایک بولتا چالتا حیوان فرض کر کے اس کی حیوانی ضروریات کو پورا کرنے پر اپنی تمام کوششوں کو منحصر کر لیا۔

ہزار افسوس ہے اس ترقی یافتہ زمانے کے نفس پرست اہل دنیا کی ان کوششوں پر جن کے ذریعے یہ انسان کی حقیقی بلندیوں کا خود انکار کرتے اور لوگوں سے انکار کرواتے ہیں۔ اور مادیت کے غلبے کیوجہ سے روح انسانی کے کمالات کو بھی عجائبات مادہ تصور کرتے ہیں۔ اور ابدالآباد کے گھلٹے اور خسارے کا سامان اپنے لئے تیار کرتے ہیں۔

ان کو روح کی ابدی زندگی سے انکار ہے۔ اور عالم روح میں روحوں کے جانے کا بھی انکار ہے اور وہاں کے دوگونہ حالات کا بھی انکار کہ نہ عذاب ہے نہ راحت و آرام۔ بلکہ انبیاء کی تعلیمات کو یہ کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے کہ دل کے خوش رکھنے کو یہ خیال آرائیاں ہیں۔

اپنے ظن و تخمین کے بنائے ہوئے ڈھکوسلوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور صداقت عظمیٰ جو شرح صدر سے واضح ہوتی ہے اور روح انسان کی حقیقی میراث ہے۔ اس کا انکار خود بھی کرتے ہیں۔ اور اپنی ابلیسی تعلیمات سے لوگوں سے بھی کرواتے ہیں۔ حالانکہ اہل حق کی غیر محصور تعداد اپنے چشم دید حالات کو بیان کرتی ہے۔ اور مشاہدۂ حق کی تفسیر کھولتی ہے۔

کوہِ صفا پر پہلی دعوتِ حق

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہٗ کا حکم ہوگیا کہ آپ اب ایمان کے رازوں کو کھول کھول کر بیان کریں۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ (سورہ النحل) — امر الٰہی کو کھول کر بیان کریں اور مشرکوں کی پروا نہ کریں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور قریش کو آواز دی۔ ایک بھاری مجمع اس آواز پر اکٹھا ہوگیا۔ اب وہ منتظر تھے کہ آپؐ کیا فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے قریش کی جماعت! اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی دوسری جانب دشمن کی فوج موجود ہے اور وہ تم پر اچانک حملہ کر دے گی۔ تو کیا تم اس بات کا یقین کرو گے؟ سب نے کہا ہم ضرور یقین کریں گے۔ کیونکہ آپ ہمیشہ سچ کہتے ہیں۔ اور کبھی خلاف واقعہ بات نہیں کی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے اعلان کرتا ہوں کہ اللہ ایک ہے۔ میں اس کا رسولؐ ہوں۔ اور ایک دن ایسا آنے والا ہے جب ہر شخص کو اس کے اعمال کے نتائج اچھے اور بُرے سب ملنے والے ہیں۔ اگر تم میری باتوں کو نہ مانو گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا۔ اس خوبصورت تمثیل کے باوجود اور مُرسَل اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے پُر تاثیر ارشاد کے باوجود ایک شخص بھی ایسا نہ نکلا جو اس مبارک آواز پر لبیک کہتا۔ سب بڑبڑاتے ہوئے واپس چلے گئے۔ ابولہب تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا لیکن سخت برہم ہُوا۔

دراصل اسلام اور ایمان کے تمام حقائق ایسے ہیں جن کا تعلق ہماری حیاتِ دنیا کے ظاہری فوائد سے بہت کم ہے اور ان حقیقی فوائد کا سمجھنا عقل ظاہر بین کے لئے بڑے دشوار ہے اور اس کے مقابلے میں باپ دادے کے مذہب، ماحول کے فوائد، اپنی خواہشات اور وقت کے تمام تقاضوں کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اور طبع انسانی کی خاصیت یہ ہے کہ وہ نقد فوائد اور محسوس لذات و سرور کے مقابلے میں بلے وعدوں اور دیر سے حاصل ہونے والے منافع کی پروا نہیں کرتی۔ اس لئے ایمان لانا اور اخلاقی

فرائض کو پورا کرنا بے حد مشکل ہے۔

بنی ہاشم کو دعوتِ اسلام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قریش کی یہ حالت دیکھی کہ ہدایت قبول کرنے کی قوتیں کس قدر مردہ ہو چکی ہیں تو اپنے تمام اعزّہ و اقربا کو ایک عام دعوت دی کہ رسالتمآبؐ کے ساتھ خون کی قرابت کی وجہ سے شاید یہ جلدی متاثر ہو جائیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ فرمانِ خداوندی کا پہنچانا ضروری تھا۔ (وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝)

بنی ہاشم کے تقریباً چالیس مرد اس دعوت میں شریک ہوئے۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا کہ اے بنی ہاشم! دنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے میں جو کچھ تمہارے واسطے لایا ہوں۔ آج تک کوئی شخص اپنی قوم کے لئے ایسی نعمت اور بے بہا دولت نہیں لایا۔ کون ہے تم میں جو اس امرِ عظیم میں میرا ساتھ دے؟ مجلس میں سناٹا چھا گیا۔ اور کوئی کچھ نہ بولا۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر تیرہ برس کی تھی وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! اگرچہ میں عمر میں چھوٹا ہوں۔ میری آنکھیں دکھتی ہیں۔ اور میری ٹانگیں پتلی ہیں لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ حضرت علیؓ کی اس بات پر لوگ متعجب ہوئے اور ہنس پڑے۔ اور بعض نے ابو طالب سے مزاح کے طور پر کہا کہ اب تم اپنے بیٹے کے فرمانبردار بن جائیو۔

بہرحال سب قریش مکّہ اور بنی ہاشم نے ہدایت کے قبول کرنے پر اُسی سرد مہری کا ثبوت دیا جو تمام انبیاء کے مقابلہ میں ان کی قومیں دیتی چلی آئی ہیں۔

حرمِ کعبہ میں توحید کا اعلان
اور اسلام میں پہلی شہادت

سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوشیدہ تبلیغ سے مسلمانوں کی تعداد چالیس سے کچھ زائد ہو چکی تھی

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم کعبہ میں توحید کا اعلان فرما دیا۔ ایک مجمع سا لگ گیا۔ اہل مکہ سخت برہم ہوئے۔ اور کائنات کے محسن کو تکلیف دینے کے درپے ہو گئے۔ اس حالت میں حارث بن ابی ہالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب گھر میں تھے۔ جب انہوں نے سنا تو دوڑے ہوئے حرم میں پہنچے۔ چاروں طرف سے ان پر تلواریں پڑنا شروع ہو گئیں اور وہ وہیں شہید ہو گئے۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلی قربانی اور اولین شہادت تھی ؎

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے — لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

بجرم عشق توام مے کشند و غوغا ایست — تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشا ایست

جوں جوں اسلام پھیلتا گیا توں توں بتوں کے پجاری، دولت مند اور منصب کے بھوکے کفار کی دشمنی اسلام سے بڑھتی گئی۔ کعبۃ اللہ کی وجہ سے قریش کا عرب بھر میں اقتدار تھا۔ لوگ حج کرنے آتے اور ان کی عظمت کا سکہ اپنے دلوں پر لے جاتے۔ ان کی تجارت عرب کے چاروں طرف تھی ان کے تجارتی قافلے اس زمانے میں امن و امان سے آتے جاتے۔ جب رہزنی اور لوٹ مار کا بازار ہر طرف گرم تھا۔ گویا قریش کو مذہبی اقتدار حاصل تھا۔ اور وہ اپنی دولت اور اپنے مذہب کو کسی صورت میں خطرہ میں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ رب العالمین کی عبادت خود کرنا تو بجائے خود دوسروں کو کرتے دیکھ نہیں سکتے تھے۔

عبادت کیا ہے؟

بت پرستی اگرچہ انسانیت کی توہین ہے لیکن دراصل ایک کم ظرف اور پست خیال دنیا پرست زنگ آلودہ دل رکھنے والے انسان کے جذبۂ پرستش کی تسکین کے لئے اس سے زیادہ قریب کا کوئی دوسرا ذریعہ تسکین ہو نہیں سکتا اور پرستش ہی ایک لطیف جذبہ ہے جو انسانیت کو آسمانی امانت کے طور پر حاصل ہوا۔ اور فطری طور پر ہر شخص اپنے تمام عزیز ترین اور مفید ترین جذبات کو اس جذبہ کے تابع رکھنا چاہتا ہے۔ آبا و اجداد کی عزت بے شک ہر شخص کو عزیز ہے۔ اپنی قوم اور قبیلے کا

وقار ہر شخص دل سے چاہتا ہے۔ دولت کی حفاظت ہر ایک کو مطلوب ہے۔ لیکن اپنے مذہب کی آبرو یعنی اس طریقے کی حفاظت جس سے انسان کے جذبۂ پرستش کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔ باقی تمام چیزوں سے اسے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ بعض لوگ اپنی کم ظرفی کی وجہ سے اپنی خواہشات سے اور ان اسباب سے جو خواہشات پورا کرنے کے ذریعے ہو سکتے ہیں۔ اس قدر محبت کرتے ہیں اور اس والہانہ جوش و خروش باطنی سے ان کی چاہت میں جلتے ہیں کہ پوجا کے جذبے کی تسکین اپنی ہی خواہشات میں ان کو حاصل ہو جاتی ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے قرآن کریم میں اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔

اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوَاهُ (سورہ الجاثیہ) — بھلا آپ نے اس کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات نفسانی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

حق اور باطل کی جنگ

حق کی مخالفت کیوں ہوتی ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز — چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

شیطان نے جب حضرت آدم علیہ السلام کے سجدہ سے انکار کیا اور اللہ تعالےٰ نے اسے سزا دی اور وہ راندۂ بارگاہ ہوا تو اس نے اپنی عبادت کے صلے میں اللہ جل شانہٗ سے معافی حاصل کرنے کی بجائے قیامت تک کی زندگی مانگ لی۔ اور آدم دشمنی کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرایا۔ اور بھرے دربار میں یہ اعلان کر دیا کہ چونکہ آدم کی وجہ سے مجھے ذلیل کیا گیا ہے اس لئے میں بھی اس ذلت کا انتقام خود آدمؑ سے اور تا قیامت اولادِ آدم سے اس طرح لوں گا کہ اس مسجودِ ملائک کی اولاد کو تیرا سجدہ نہیں کرنے دوں گا۔ اور تیری ناشکری پر آمادہ کر دوں گا اور تیری نافرمانی جس صورت سے بھی ہو سکے گی کراؤں گا۔ اس تمام واقعہ کو اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ — اور ہم ہی نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تمہاری خاص

ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ
فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط لَمْ يَكُنْ
مِنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ مَا مَنَعَكَ
اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ط قَالَ اَنَا
خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ
خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ
مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ
فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝
قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ
اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ قَالَ فَبِمَآ
اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ
الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ
بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ
وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ
وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝
قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ط
لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ
مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (سورہ الاعراف)

صورت بنائی۔ پھر ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ جب ہم نے تجھے حکم دیا تھا تو کس چیز نے تجھے آدم کے سجدہ سے روکا۔ وہ کہنے لگا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے۔ اور آدم کو مٹی سے، اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ تو بہشت سے نیچے اتر جا۔ تیری اتنی ہستی نہیں کہ تو بہشت میں رہ کر تکبر کرے۔ تو نکل جا! بے شک تو ذلیلوں میں ہے۔ (شیطان) کہنے لگا۔ مجھے آپ مہلت دیں اس روز تک جب لوگ دوبارہ زندہ کئے جاویں گے۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا تجھے مہلت دی جاتی ہے۔ شیطان نے کہا جس کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ کیا۔ تو (اب میں) ان کے لئے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھ جاؤں گا۔ پھر میں ان کے آگے سے آؤں گا۔ پیچھے سے آؤں گا دائیں سے آؤں گا۔ بائیں سے آؤں گا۔ اور تو ان کی کثرت کو اپنا شکر گزار نہیں پائے گا۔

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا تو بہشت سے راندۂ بارگاہ ہو کر نکل جا۔ جس نے تیری پیروی کی۔ میں تم سب سے (سب کو ایک جیسا سمجھ کر) جہنم بھر دوں گا۔

اولادِ آدم کا نیکی چھوڑنا اور برائی اختیار کرنا یہ سب شیطانی ہتھکنڈوں کا نتیجہ ہے۔ اس دشمنی سے

بچنے کا سب سے اعلےٰ ذریعہ حق کی حمایت ہے لیکن شیطان کوئی کچی گولیاں کھیلا نہیں۔ اس نے حمایت حق ہی کی مخالفت انسان سے کرائی۔ اور تمام انبیا علیہم السلام کی تشریف آوری پر اس وقت کے با اثر انسانوں نے ان کی مخالفت کی۔ اور آوازِ حق کو بے اثر اور ناکام بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔

باطل کا یہ دستور چلا آیا ہے کہ وہ حق کی آواز کو ہمیشہ دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ وقتی اقتدار۔ دولت اور قوت کا نشہ اس مخالفتِ حق میں اس کے معاون و مددگار ہوتے ہیں۔ انسانی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کی باہمی رقابت جس نے قابیل کے ہاتھوں ہابیل کو قتل کرایا۔ قوم نوح علیہ السلام نے اپنے اولوالعزم پیغمبر کی مخالفت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اور ساڑھے نو سو ۹۵۰ سال کی پیغمبرانہ تبلیغ کے نتیجے میں کل اسّی آدمی ایمان لائے۔ اور اس نافرمانی کے نتیجے میں تمام قوم طوفان کی نذر ہو گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب علم توحید بلند کیا اور قوم کو بت پرستی اور شخصیت پرستی سے منع کیا تو نمرود شاہ بابل اور اس کی قوم نے مخالفت میں سختی اور تشدّد کا دروازہ کھول دیا۔ اور اللہ کے خلیل کو قسم قسم کی ایذائیں دیں۔ بتوں کی حمایت میں مردِ حق، خلیل اللہ کو آگ میں گرا دیا۔ بالآخر باطل کا زور ٹوٹا اور حق کامیاب ہوا۔

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ ان کی قوم بے حیائی پر کمر بستہ تھی کئی قسم کے فسادات ان میں تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بدکرداریوں سے منع کیا۔ وہ باز نہ آئے۔ اور پیغمبرِ خدا کی مخالفت کی اور عذاب الٰہی کو دعوت دی۔ عذابِ الٰہی ان پر آ گیا۔ آسمان سے پتھر برسائے گئے۔ اور ان کی بستیاں الٹ دی گئیں۔ اس قوم کا جو حشر ہوا دنیا جانتی ہے۔

فرعون نے حضرت موسےٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے جو جو مقابلے کئے وہ قرآن کریم نے کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں۔ ایک طرف فرعون کی قوت، جبروت اور نخوت و غرور۔ دوسری طرف محض اللہ کا نام اور ہدایت کا پیغام تھا۔ فرعون سرکشی سے باز نہ آیا۔ اور وہ اسباب تکبّر کی موجودگی میں باز بھی کیسے سکتا تھا۔ خدا کا غضب جوش میں آیا اور پیہم ظلم و ستم کے بدلے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام

کی مخالفت کی وجہ سے اور ہدایت کو ٹھکرا دینے کی پاداش میں نہ صرف فرعون اور اس کے خاندان کا تختہ الٹ دیا گیا۔ بلکہ ساری قوم ہلاکت کے گھاٹ اتر گئی۔

عاد اور ثمود کی قومیں جن کو اپنی جسامت اور اپنی صنعت پر ناز تھا اور درحقیقت وہ تھے بھی ایسے ہی۔ ان سب نے انبیا کی مخالفت کی۔ ان کو ستایا۔ ہدایت کو ٹھکرایا اور من مانی کارروائی کرتے رہے۔ لیکن غافل تھے اپنے کرتوتوں کے بدلے سے کہ اللہ کا غضب انہیں کسی نہ کسی صورت آلے گا۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ (سورہ الاعراف)

(حضرت ہود علیہ السلام نے) کہا تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے عذاب اور غضب کا فیصلہ ہو چکا۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (سورہ الاعراف)

پس ان کو زلزلے نے آلیا۔ اور اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

قریش کی مخالفت کے اسباب

قریش مکہ کی مخالفت کے ظاہر اسباب کچھ ہوں۔ ہدایت کی آواز کے خلاف باطل کا بھڑک اٹھنا تمام اسبابِ مخالفت میں اوّل درجے پر ہوتا ہے۔ جس طرح جسم انسان میں بیماری باہر سے نہیں آتی بلکہ خود انسان کے اندر سے اٹھتی ہے۔ اسی طرح انبیاء کی مخالفت اور نور ہدایت سے دشمنی، گمراہی اور ضلالت کی بیماری کفار کے اپنے اندر سے پیدا ہوتی ہے۔

بے شک بنی ہاشم کی رقابت دوسرے قبائل قریش سے موجود تھی۔ بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کی باہم آویزش سے بھی انکار نہیں۔ قریش سرداروں کی ظاہری عزت اور وقار بھی کسی کی عظمت کے قبول کرنے میں اپنی جگہ قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ بت پرستی کی آبائی عادات کو چھوڑنا بھی دل و دماغ پر گراں تھا لیکن جہاں یہ تمام اسباب نہیں ہوتے وہاں ہدایت کے نور کو کفر کی آنکھیں محبت سے کب دیکھتی ہیں۔

انبیا علیہم السلام دنیوی جاہ و جلال اور حیاتِ دنیا کی دلچسپیوں سے ہمیشہ نفرت کرتے رہے۔ اور اپنی تمام زندگی امن و سلامتی اور مخلوق خدا کی خیر خواہی میں گزاری۔ لیکن اس کے باوجود کفر اپنے

گمراہ چیلوں کو ان پاکبازوں کی مخالفت پر لا کھڑا کرتا رہا۔ اوّل اوّل قومی اور مذہبی عناد اور دشمنی کو سامنے رکھ کر کفار قدم مارتے رہے۔ لیکن آہستہ آہستہ جذبات، ذاتیات کی طرف رُخ کر گئے یہاں تک کہ ہمیشہ ہر مخالف اپنے وقت کے پیغمبر کو اپنا ذاتی دشمن سمجھتا رہا۔ اور مرنے مارنے پر کمربستہ رہا۔

سرورِ دو عالمؐ کی مقدّس زندگی

بالکل یہی حال مکّے میں تھا۔ اہل مکّہ سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بچپنے سے دیکھتے چلے آتے تھے۔ زندگی کے کسی حصّے میں حضورؐ کے کسی ایک فعل پر بھی انہیں انگشت نمائی کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ آپ کی زندگی گلاب کا پھول تھی جس کا حسن اور خوشبو ہمیشہ دل کو لبھاتے رہے۔ اور اس بے اعتمادی کے دور میں بھی اعتماد کی یہ کیفیت تھی کہ قوم نے "الامین" کا لقب بھرے مکّے میں صرف آپ ہی کے لئے تجویز کیا۔ اہل مکّہ کو حضورؐ کی ذاتی شرافت پر اس قدر بھروسہ تھا کہ حجرِ اسود کعبۃ اللہ کی دیواروں میں رکھنے کے وقت بیک آواز سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نمائندہ تسلیم کر لیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔

چالیس سال تک اہل مکّہ ہر طرح سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک سے مطمئن تھے لیکن پیغامِ ہدایت کے سنتے ہی مکہ والوں کی نظریں بدل گئیں۔ دل کدورت سے بھر گئے اور دشمنی کی آگ سینے میں بھڑک اٹھی۔ اور مخالفت کا جو حربہ بھی وہ استعمال کر سکتے تھے کر گزرے۔

لیکن سنت اللہ ہمیشہ یہی رہی ہے کہ وہ حق کی نصرت فرماتے ہیں اور حق ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ اَلْحَقُّ یَعْلُوْا وَلَا یُعْلٰی (حق غالب ہی رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا) لیکن ابتدا میں کفر کی آندھیاں اس زور شور سے چلتی ہیں کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ حق کے چراغ کو بجھایا چاہتی ہیں۔ لیکن جس قندیل کو خدا کے نور نے روشن کیا ہو اُسے کون بجھائے۔ ہمیشہ اس آسمانی نور کے بدخواہ اپنی دنیا و آخرت برباد کرتے رہے اور خدا کے غضب نے ان کو اچانک آ لیا۔ وہ عذابِ الٰہی سے بچ نہ سکے۔ اور اگر عبرت پذیر نگاہ ماضی کے احوال پر غور کرے۔ تو ہدایت کے نور کے مقابلے میں سرکشی کی ظلمت ہمیشہ سینہ سپر رہتی

چلی آئی ہے۔ اور انجام اس مقابلے کا آفتاب سے زیادہ روشن ہے یعنی حق کی فتح اور باطل کی شکست۔

اہلِ مکّہ کی رِوش

اہل مکّہ بھی اسی ڈھرے پر چلے جس پر پہلی اُمتّیں چل کر اپنے اپنے پیغمبروں کو ہر طرح کی تکالیف دے چکی تھیں۔ قریش کے بڑے بڑے سردار سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہو گئے۔ باوجودیکہ ان کی باہمی دشمنیاں بھی موجود تھیں لیکن اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سب متّحد اور متفق ہو گئے۔ اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ (کفر ایک ہی قوم ہے) اس وقت اپنی اپنی قوم کے سردار یہ لوگ تھے۔

اسلام کے بڑے بڑے دشمن

ابوسفیان۔ عاص بن وائل۔ اسود بن عبد یغوث۔ نضر بن حارث۔ امیہ بن خلف۔ عقبہ بن معیط۔ اسدی۔ ولید بن مغیرہ۔ ابوجہل۔ ابومسعود ثقفی۔ ابولہب۔ اخنس بن شریق وغیرہ۔ یہ وہ لوگ تھے جو مکّہ میں اپنے اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ اور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سب متحد و متفق تھے۔

قرآن کریم نے ان کو جب مخاطب فرمایا تو اس معجزانہ لب و لہجہ سے اور اس عزم و یقین سے اور ایسی سخت وعید سے بلایا کہ پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

حق کی طرف سے سخت وعید

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا
بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝
فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝ سَنَدْعُ
الزَّبَانِيَةَ ۝ (سورہ علق)

وہ سن لے اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کے پیشانی کے بال پکڑ کر اسے گھسیٹیں گے۔ جو پیشانی جھوٹی اور خطا کار ہے۔ پھر وہ اپنے جتھے کو بلائے۔ ہم بھی جلّاد فرشتوں کو بلائیں گے۔

کفار کے معبودانِ باطل کی مذمّت اور ان کا قلع قمع توحید کا رُکن اوّل ہے۔ بتوں کے بارے میں

قرآن نے فرما دیا کہ

اَنْتُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ حَصَبُ جَهَنَّمَ (سورہ انبیا) — تم اور جن چیزوں کو تم پوجتے ہو یہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔

قریش کی برافروختگی

اس اعلانیہ تبلیغ سے اور اپنے بتوں کی مذمت سے کفّار کا غیظ وغضب اور بڑھ گیا۔ اور وہ ابوطالب کے پاس آئے۔ اور کہا کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ہمارے خداؤں کی توہین کرتے ہیں۔ ہمیں بے وقوف کہتے ہیں اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ بتاتے ہیں۔ اس میں ہمارے مذہب اور قوم کی توہین ہے۔ آپ انہیں منع کریں۔ کہ وہ اس کام سے باز آجائیں۔ قریش کے تمام رؤسا اکٹھے ہو کر آئے۔

سرداران قریش کا وفد جناب ابوطالب کی خدمت میں

یہ لوگ وفد کی صورت میں جناب ابوطالب کے پاس پہنچے۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ۔ ابوسفیان۔ عاص بن ہشام۔ ابوجہل۔ ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل۔ ان سب نے مطالبہ کیا کہ آپ جس طرح بھی ہو محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تبلیغ اسلام سے روک دیں۔ ورنہ ہم سب آج سے آپ کے بھی مخالف ہیں۔ اور یہ اچھی طرح دیکھ لیں کہ پھر تلوار ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ ابوطالب نے جب یہ حال دیکھا تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئے۔ اور نہایت متانت سے آپ سے عرض کیا۔ اے ابوطالب کی جان! قریش اب تحمل نہیں کر سکتے۔ اور میرے کندھے تمام قریش کی مخالفت کا بوجھ اٹھا نہیں سکتے۔ آپ مجھے تمام قریش کے مقابلہ سے بچائیں۔ اور اسلام کی تبلیغ چھوڑ دیں۔

جناب ابوطالب کی گھبراہٹ کے بعد اُن کا حوصلہ

ابوطالب کا وجود حضورؐ کے لئے ایک بھاری پشت پناہ تھی۔ جب آپ نے دیکھا کہ حکمت الٰہی

سے یہ سہارا بھی ٹوٹ رہا ہے۔ تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور فرمایا کہ چچا جان! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لاکر رکھ دیں۔ اور کہیں کہ میں تبلیغ حق سے باز آجاؤں تو ایسا کبھی نہ ہوگا۔ یا تو اللہ تعالےٰ حق کو غالب فرمادیں گے یا پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی جان جان آفریں کے حوالے کرے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حوصلہ و ہمت نے ابوطالب کے اوسان بحال کردیئے۔ وہ گھبرائے ہوئے تھے سنبھل گئے۔ اور کہا آپ جو چاہیں کریں۔ کسی کی مجال نہیں کہ آپ کی طرف آنکھ اٹھاکر دیکھے۔

صرف ایک سہارا کافی ہے[1]

اِنِّی تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ (سورۂ ہود) میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا اور تمہارا رب ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کا کام انتہائی جان بازی کا کام تھا۔ پیغامِ حق اس سرزمین میں پہنچانا جہاں باہر کی مخالفت کے علاوہ خود گھر میں مخالفت اور اسلام دشمنی پورے زوروں پر تھی خود ابولہب حضور کا ارشاد سن نہیں سکتا تھا۔ اور یہ شخص مکے کا سردار اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا۔ چونکہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب کی گود میں تربیت پائی تھی۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال محبت تھی اور ابوطالب کو جناب عبدالمطلب کی وصیت بھی یاد تھی۔ اس لئے وہ باوجود اختلاف مذہب کے پوری مروت اور جان نثاری سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جان و عزت کی حفاظت کر رہے تھے۔ لیکن جب دیکھا کہ سارے مکے کی مخالفت مول لی جارہی ہے تو اس بوجھ کو بھاری سمجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی ناتوانی کا اظہار کردیا۔ یہ ایسا وقت تھا کہ زمینی سہارے سب کے سب معدوم ہوگئے۔ صرف ایک سہارا باقی رہ گیا۔ اور وہ تھی ذات رب العالمین جل جلالہ۔ جو اپنے مقربین کے ظاہری سہارے خود توڑ دیتے ہیں۔ اور اس ایک چیز کے لئے رنگ رنگ کے امتحانات لئے جاتے ہیں۔ کہ دیکھیں کسی دوسرے سہارے کی بھی ان کے دل میں کوئی قیمت ہے!

---

[1] اس عنوان کی ذیلی سرخیاں نشانِ ستارہ پر ختم ہوتی ہیں۔

پھر اس کو بار بار دہرایا جاتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ہ (سورہ البقرہ)

ہم تمہیں ضرور آزما کر چھوڑیں گے۔ کسی بھی چیز سے آزمائیں۔ خوف دے کر آزمائیں گے۔ اور بھوک دے کر بھی۔ اور مال وجان میں نقصان دے کر بھی آزمائیں گے۔ اور پھلوں میں گھاٹا دے کر بھی۔ اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ خوشخبری دیں ان صبر والوں کو کہ جب کوئی مصیبت ان پر آئی۔ انہوں نے یہ کہہ دیا کہ ہم اللہ کے واسطے ہیں۔ اور اسی ہی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

صبر اور معیّتِ الٰہی

خوف اور افلاس دونوں ایسی چیزیں ہیں کہ کسی سہارے کے بغیر ان کا مقابلہ مشکل ہے۔ خوف اور افلاس دے کر اور مال واولاد اور دوست احباب کے سہارے لے کر دل کی کیفیت دیکھنا کہ ان کے بغیر بھی کسی سہارے پر بھروسہ ہے کہ نہیں۔

بس یہاں کیفیت کا امتحان ہے۔ بلند کیفیت کے مجاہد صبر وسکون اور دل جمعی سے رہ کر اپنے مولا کریم کے دھیان سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ اور انتظار میں رہتے ہیں کہ اس کی طرف سے کب امداد پہنچے گی اور بے کسی کا یہ حال کب بدلے گا۔

صبر والوں کے لیئے اس سے زیادہ اور کیا خوش خبری ہو سکتی ہے کہ محبوبِ حقیقی محبّت کی اس دلنواز آواز سے ہر وقت صبر والوں کا دل بڑھاتے ہیں۔ اور ان الفاظ سے اپنے قرب کی بشارت دیتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ہ (سورہ البقرہ) (بے شک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے) لیکن اس معیّت کے ساتھ ساتھ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ہ (سورہ البقرہ) (آگاہ رہو کہ اللہ تعالےٰ کی امداد ابھی آیا چاہتی ہے) کی بشارت سے دل جوئی بھی فرمائی جاتی ہے۔ حضور سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے۔

نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ اَشَدُّ بَلَاءً۔ ہم پیغمبروں کی جماعت کو خدا کی آزمائش سب سے زیادہ سخت ہوا کرتی ہے۔

یہ آزمائش اس صورت میں آئی کہ مکے کے در و دیوار سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ ازل سے حصہ پانے کی بجائے دشمنی پر اتر آئے۔ اور ہر طرح کی ہمدردیاں آپ سے جدا ہو گئیں۔

صبر کے اور امتحانات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدستور تبلیغِ اسلام میں سرگرم رہے اور آپ کی کوششوں میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ قریش بپھرے ہوئے تھے۔ اور ہر قسم کی تکالیف دینے پر تلے ہوئے تھے۔ اس حال میں تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کا ارادہ بھی کر لیتے۔ لیکن حربِ فجار اور دوسری قومی جنگوں نے ان کی قوت کو بڑا ضعف پہنچا دیا تھا۔ اور یہ جانتے تھے کہ بنی ہاشم سے یہ مقابلہ مہنگا پڑے گا۔ اور انتقام کی آگ بھڑک کر سارے مکے کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ اس لئے وہ اس ارادے سے باز رہے۔ لیکن باقی ہر قسم کی تکلیفیں اس جانِ جہاں کو دیتے رہے۔ راستے میں کانٹے بچھا دیتے نماز پڑھتے میں جسمِ اطہر پر غلاظت پھینک جاتے۔ طرح طرح کے بکواس کرتے۔

ایک مرتبہ عقبہ بن معیط نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچا کہ حضور گھٹنوں کے بل گر پڑے۔

دنیا حیران تھی کہ اس قسم کے مجاہدات اور سخت تکلیفیں کوئی دنیوی عیش و آرام اور نام و نمود کے خیال کے سوا کیسے برداشت کرتا ہے۔ لیکن بھولی بھالی دنیا کیا جانے کہ اس راستے کے مسافر ہمیشہ اسی حال میں رہا کئے

★

سرورِ دو عالمؐ کو دولت وغیرہ کی پیشکش

قریش نے اس خیال سے عتبہ بن ربیعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور اس نے کہا۔

کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ اگر مکے کی ریاست چاہتے ہیں تو وہ حاضر ہے۔ اور اگر کسی بڑے گھرانے میں شادی کرنا مطلوب ہے تو وہ کئے دیتے ہیں۔ اور اگر دولت ومال کا خیال ہے تو مکے کی ساری دولت قدموں میں لا دھرتے ہیں۔ لیکن آپ ان باتوں کو چھوڑ دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی چند آیات پڑھیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ (حٰم السجدہ)

اے نبی کریم آپ کہہ دیں کہ میں بھی تمہاری مثل بشر ہوں۔ میرے پاس وحی آتی ہے۔ تمہارا اللہ ایک ہی ہے۔ اس کی طرف جاؤ۔ اور اسی سے معافی مانگو۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (سورہ السجدہ)

آپ کہہ دیں کیا تم لوگ اللہ تعالےٰ کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین پیدا کی اور تم اس کے شریک قرار دیتے ہو یہ اللہ جل شانہٗ تمام مخلوق کا پروردگار ہے۔

عتبہ نے کلام الٰہی سنا اور متاثر ہوا۔ واپس گیا۔ تو قریش سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کلام پیش کرتے ہیں۔ وہ شاعری نہیں کچھ اور ہے۔ تم لوگ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آجائیں گے تو تمہاری عزت ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو تمام عرب کے مقابلے میں کیسے ٹھہر سکیں گے۔ لیکن عتبہ کی رائے سے سب نے مخالفت کی۔

حضرت حمزہ رضؓ کا اسلام لانا

حضرت حمزہؓ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو تین سال بڑے تھے۔ ایک ساتھ کھیلے تھے۔ چونکہ حضرت حمزہؓ نے بھی ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتے تھے۔ اور

آپ کی ہر ادا کو پسند کرتے تھے لیکن ابھی اسلام نہ لائے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر، دلیر اور جاں باز تھے۔ شکار کا شوق رکھتے تھے۔ صبح سویرے تیر و کمان لے کر نکل جاتے اور دن بھر شکار کھیلتے شام کو واپس آکر حرم میں کعبۃ اللہ کا طواف کرتے۔ تمام رؤسائے قریش سے دوستانہ تھا۔ اور قریش کے سردار شام کو الگ الگ اپنی اپنی محفل حرم میں جما کر بیٹھا کرتے تھے۔ جب یہ آتے تو سب سے ملاقات کرتے۔ وہ لوگ ان کی دوستی کی قدر کرتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ قریش نہایت نامناسب سلوک روا رکھتے۔ ایک دن ابوجہل نے آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ گستاخی کی۔ ایک لونڈی دیکھ رہی تھی۔ جب حضرت حمزہ شکار سے واپس آئے تو تمام واقعہ اس نے سنا دیا یہ بھڑک اٹھے۔ اور غصّے کی حالت میں تیر و کمان ہاتھ میں لیئے حرم کعبہ میں آئے ۔ اور ابوجہل کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ وہ زخمی ہو گیا۔ اور اسی وقت حضرت حمزہ نے اپنے اسلام لانے کا اعلان کر دیا۔ اور کہا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ ان کے مسلمان ہونے سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم بے حد خوش ہوئے۔ یہ تائید غیبی تھی کہ ایک مسلّمہ بہادر جس کی فطری ہمدردیاں ہمیشہ ساتھ رہیں۔ صرف مذہب کی تفریق سے کچھ الگ تھا۔ لیکن فضلِ خداوندی نے انہیں قریب تر کر دیا۔ اب حضرت حمزہؓ ایک جاں نثار خادم تھے۔ یہ واقعہ نبوت کے چھٹے برس میں ہُوا۔

حضرت عمرؓ کا ایمان لانا

رؤسائے قریش نے سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دشمنی میں تمام بڑے بڑے لوگوں کو شامل کر لیا تھا۔ حضرت عمر خاندانِ عدی میں سے تھے۔ اپنی قوم کے سردار تھے۔ اور قریش کی سفارت کے فرائض ان کے سپرد تھے۔ جب اسلام کا آفتاب چمکا۔ ان کی عمر ۲۷ برس تھی۔ حضرت عمرؓ کے خاندان میں زیدہ شخص ہیں جو اسلام سے پہلے بُت پرستی سے انکار کر چکے تھے۔ توحید کی آواز بے اثر نہیں رہتی۔ ان کے بیٹے سعیدؓ نے پہلے پہلے اسلام قبول کر لیا۔ ان کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ سے ہُوا تھا۔ سعیدؓ کی وجہ سے فاطمہؓ بھی مسلمان ہو چکی تھیں۔

حضرت عمرؓ کے خاندان میں ایک اور معزز آدمی نعیمؓ بن عبداللہ بھی اسلام قبول کر چکے تھے۔ حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے۔ جب اسلام کی آواز ان کے کان میں پہنچتی تو برہم ہوتے اور اپنے قبیلہ کے اسلام لانے والوں کے دشمن ہو گئے۔ لبینہ ان کے خاندان کی ایک کنیز تھی۔ وہ اسلام قبول کر چکی تھیں۔ اسے وہ مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ دم لے کر پھر ماروں گا۔ سبحان اللہ! اسلام کا نشہ ایسا نہیں جسے ترشی آتار دے۔ تکالیف میں اسلام اور ایمان، اور مضبوط ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے خاندان کے جس مسلمان پر بس چلتا بے تحاشا مارتے۔ ایک دن غصے میں بھرے ہوئے یہ ارادہ کر لیا کہ آج معاذ اللہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شہید کر دیں۔ تلوار کمر سے لگائی اور چل پڑے۔ راستے میں نعیم بن عبداللہ ملے۔ انہوں نے پوچھا عمر کہاں جاتے ہو۔ کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ختم کرنے جا رہا ہوں۔ وہ بولے پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو۔ تمہارا بہنوئی اور تمہاری بہن دونوں اسلام لا چکے ہیں۔ واپس ہوئے اور بہن کے گھر گئے۔ وہ قرآن کریم پڑھ رہی تھیں۔ ان کو آتا دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔ اور کلام اللہ کے اجزا چھپا لئے۔ یہ پوچھنے لگے کہ کیا پڑھ رہی تھیں؟ وہ بولیں کچھ نہیں۔ بہن سے کہا کہ میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں اپنا مذہب چھوڑ چکے ہو اور اسلام میں داخل ہو گئے ہو۔ یہ کہا اور بہنوئی کو مارنا شروع کیا۔ بہن انہیں بچانے کو آئیں تو انہیں بھی سخت پیٹا۔ ان بیچاروں کا جسم لہولہان ہو گیا۔ لیکن اسلام کی محبت اور جوش میں آئی اور کہا کہ بھائی جان! جو تم سے ہو سکے کر گزرو لیکن اب اسلام دل سے نکل نہیں سکتا۔

یہ الفاظ نا معلوم کس درد بھرے دل سے نکلے تھے۔ کہ حضرت عمرؓ کے دل میں گھر کر گئے۔ بہن کو دیکھا تو جسم سے خون جاری تھا۔ بہت پشیمان ہوئے۔ کہا جو تم پڑھ رہی تھیں مجھے بھی سناؤ۔ فاطمہؓ نے قرآن کے اجزا سامنے رکھ دیئے۔ لکھا تھا۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالےٰ
وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ (حدید)	کی تسبیح پڑھتے ہیں اور خدا ہی غالب اور حکمت والا ہے

پھر سورہ طٰہ کا پہلا رکوع پڑھا۔ ہر لفظ پر ان کے دل پر رقت طاری تھی۔ اور کلام الٰہی کا رعب

چھایا ہوا تھا۔ جب یہ الفاظ پڑھے اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ (تم اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لاؤ) یہ پڑھنا تھا کہ فوراً پکار اٹھے۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے رسول ہیں۔

اسلام کی تعلیم و تربیت کے لیئے اور عبادت کے لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو لے کر تنہائیوں میں اکثر تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت ارقمؓ صحابی کا گھر بھی کوہ صفا پر تھا۔ اور اس مقصد کے لیئے وہ بہترین جگہ تھی۔ حضرت عمرؓ بہن کے گھر سے سیدھے ادھر چلے گئے۔ دروازے پر دستک دی۔ عمر کی حیثیت اور حالت سب پر واضح تھی۔ اس حال میں تلوار ہاتھ میں لے کر آنے سے صحابہ کو پریشانی ہوئی۔ حضرت حمزہ نے فرمایا اگر نیک ارادے سے آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اسے ختم کر دوں گا۔ حضرت عمر اندر داخل ہوئے تو مشفق دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم اٹھ کھڑے ہوئے۔ عمر کا دامن پکڑ کر فرمایا عمر! کس خیال سے آئے ہو۔ ہدایت کے نورانی الفاظ رسالت کی تاثیر قبول کرنے والے دل پر تو بجلی سے کم نہیں ہوتے۔ عمر مجسمہ تسلیم بن کر حاضر ہوئے تھے۔ نہایت عاجزی سے عرض کی حضور! مسلمان ہونے کی خاطر" حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اور تمام صحابہ نے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ مکے کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ حضرت عمرؓ، حضرت حمزہؓ سے تین دن بعد اسلام لائے۔ ان کے مسلمان ہونے سے اسلام کو بہت تقویت پہنچی۔

اس وقت مسلمانوں کی تعداد چالیس پچاس کے قریب تھی لیکن مسلمان اپنے اپنے گھروں میں یا پہاڑ کی گھاٹیوں میں پوشیدہ طور پر اپنے پیارے اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ جونہی حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے یہ حالت فوراً بدل گئی۔ اسلام بھی علی الاعلان قبول کیا تھا۔ اور عبادت الٰہی بھی حرم کعبہ میں کرنا چاہی۔ کفار بھڑک اٹھے اور ان کی دشمنی اور سخت ہو گئی۔

حق کی فطرت صبر سے اور پیہم عمل سے کامیابی کا راستہ ڈھونڈتی ہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں مسلمانوں نے حرم کعبہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت شروع کر دی۔ عاص بن وائل حضرت عمرؓ کے دوست تھے۔ ان کے

اسلام لانے پر کفار نے ایک ہنگامہ قائم کر دیا۔ تو انہوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا عمر آبائی دین چھوڑ گیا ہے۔ عاص نے کہا پھر کیا ہوا میں نے عمر کو پناہ دی۔

اسلام محبّت کی امتحان گاہ ہے

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے　　لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

دنیا بہت بڑی امتحان گاہ ہے۔ اس چند روزہ حیاتِ دنیا کی ابتدا بھی ہے۔ اور اس کی انتہا بھی ہے۔ یہ دھوکا آسانی سے لگ سکتا ہے کہ یہ مکمل زندگی ہے۔ حالانکہ یہ بحرِ حیات کا ایک قطرہ اور خرمنِ زندگی کا ایک دانہ ہے۔ لیکن یہ ایک رازِ سربستہ ہے کہ باقی تمام زندگی کے لیئے یہی گنتی کے چند روز تخم اور بیج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور باقی تمام لامحدود زندگی اس کا ثمرہ اور پھل ہے۔ یہاں کے اسبابِ زندگی تو ہمارے جسم کے تابع ہیں جب جسم ہی کو فنا لاحق ہے۔ تو اسباب کو بدرجۂ اتم فنا لاحق ہے۔ عالمِ آخرت یا اپنی غیر محدود زندگی میں جو چیز مقبول اور محمود بقا پا کر بیہد اور قبیح بقا میں جلوہ گر ہونے والی ہے۔ وہ روحانی کیفیت ہے۔ اور عمل کی صورت۔ اور اس مزرعۃ الآخرت یعنی دنیا میں ہماری حیات کا حاصل یہی ہے کہ مخفی عالم (عالمِ آخرت) اور حیاتِ ابد کا قلبی اقرار کریں۔ اور الہامی احکام کی اطاعت کریں۔ اس اقرار، اس عمل اور طاعت میں لذّت و سرور بھی ہے۔ لیکن وہ ذہنی اور عملی کامل مشق کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ آج عمل کیا اور کل لذّت سے آشنا ہو بیٹھے

ہاں ایسے اعمال جو حیاتِ ابد کو مردود اور قبیح بنانے والے ہیں۔ ان کے ساتھ لذّت اور لطف وابستہ ہے۔ اگر وہ بھی بے ذوق اور بے سرور ہوں۔ تو کوئی بھی ان اعمال کے بوجھ کو نہ اٹھائے انسانیت کا امتحان اسی میں ہے کہ ناقص اور ذلیل گر محنت یا ذلّت سے حاصل ہونے والی لذات کو ترک کیا جاوے اور کامل اعتماد اور مکمل بھروسہ کے ساتھ مشکل اعمال کے مجاہدہ کو مشاہدہ حق کی غرض سے قبول کیا جائے۔

اس حیاتِ دنیا کو مرکزِ فکر بنانے والے اور مبلغ علم سمجھنے والے اس حقیقت سے ناآشنا ہوں تو کوئی تعجب نہیں۔ ایماندار، متقی کے لیئے ضروری ہے کہ وہ ذلّت اور عزّت کا قرآنی معیار قائم رکھے۔

اسلام میں بڑا کون ہے

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (سورہ حجرات)

بے شک تم میں بڑی عزت والا خدا کے نزدیک وہی ہے جو تم میں زیادہ متقی ہے۔ بے شک اللہ تعالےٰ علم والا اور حکمت والا ہے۔

کیونکہ بڑائی اور چھوٹائی عزّت اور ذلّت۔ دولت اور فلاکت۔ عیش اور مصیبت درحقیقت بعدالموت اپنی اصلی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔

یہاں صرف مجاہدہ ہی مجاہدہ ہے۔ اس لئے جن لوگوں کو ایمانی حقائق اور اسلامی تصوّرات سے دلی وابستگی حاصل ہوتی ہے۔ وہ دنیوی عزّت اور ذلّت کی پروا کئے بغیر دنیا کے آرام اور تکلیف سے بے نیاز ہو کر اپنے ایمان کا امتحان دیتے ہیں۔ اور کامل استقامت کے ساتھ اس مختصر زندگی کی زمین میں حیاتِ ابد کا باغ لگاتے ہیں۔

جن لوگوں نے ابتدا میں اسلام قبول کیا۔ ان کے ایمانی امتحان بھی سخت تھے۔ دو طرح کے مسلمان تھے بعض تو وہ لوگ تھے جو بڑے بڑے قبائل قریش سے تعلّق رکھتے تھے۔ دوسرے وہ جو غریب مزدور اور غلام تھے۔ ذی وجاہت اور بڑے بڑے قبائل سے تعلّق رکھنے والے مسلمانوں پر تو کفارِ مکّہ دست درازی نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے قبیلے کے انتقام لینے کا خطرہ غالب تھا۔ لیکن غریب الدیار اور بے یار و مددگار مسلمانوں کو تو کفار نے بڑی بڑی جان فروشیوں کا موقعہ دیا۔

وہ صحابہ جن کا امتحان بہت ہی سخت تھا

ان میں سے حضرت بلالؓ حبشی، جناب صہیبؓ رومی، حضرت خبابؓ ابنِ اَرَتؓ، حضرت عمارؓ ابن یاسرؓ، حضرت یاسرؓ، جناب سمیہؓ، حضرت ابو فکیہؓ۔ جناب لبینہؓ، جناب زنیرہؓ، جناب نہدیہؓ حضرت ام عبیسؓ۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کا مختصر ذکر پڑھیں۔

حضرت بلالؓ حضرت بلالؓ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ شروع اسلام میں جب نبی کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ اور اسلام لانے کے جرم میں ظالم آقا نے طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کر دیا۔ مکّے کی دوپہر میں امیّہ بن خلف ان کو گرم ریت پر لٹا دیتا اور بھاری پتھر سینے پر رکھ دیتا کہ حرکت نہ کر سکیں۔ اور وہ دشمنِ خدا یہ بھی کہتا کہ اسلام چھوڑ دو ورنہ اسی طرح ختم کر دوں گا لیکن اس وقت بھی ان کی زبان سے اَحَدْ اَحَدْ کے مقدّس کلمے نکلتے۔

حضرت صہیبؓ رومی یہ ایرانی النسل ہیں اور کسریٰ نوشیرواں کے وقت ان کے والد اُبلہ میں حاکم تھے۔ اور ان کا خاندان موصل میں آباد تھا۔ ایک مرتبہ رومیوں نے حملہ کیا یہ بھی گرفتار ہو گئے اور غلام بنا کر بیچ دیئے گئے۔ ایک عرب ان کو خرید کر مکّہ میں لایا یہاں عبداللہ بن جدعان نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوتِ اسلام دی تو یہ سعادت مند بھی مسلمان ہو گئے۔ اور باقی غریب الوطن اور بے کس مسلمانوں کی طرح کفّار کے پیہم ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے۔ قریش انہیں اس قدر زدوکوب کرتے کہ یہ بے ہوش ہو ہو جاتے اور دماغ مختل ہو جاتا۔

ایّامِ ہجرتِ مدینہ میں یہ بھی ہجرت کے لئے تیار ہوئے۔ قریش نے کہا کہ اگر اپنا تمام مال و اسباب یہاں چھوڑ دو تو جا سکتے ہو۔ انہوں نے نہایت خوشی سے منظور کر لیا اور مدینہ چلے گئے۔

حضرت خُبابؓ بن ارت قبیلہ بنو تمیم سے تھے۔ جاہلیّت میں غلام بنا کر فروخت کر دیئے گئے اُمّ انمار نے انہیں خرید لیا۔ یہ اس وقت اسلام لائے جب سرورِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت ارقمؓ کے گھر اقامت پذیر تھے۔ اور صرف چھ سات افراد اسلام لا چکے تھے۔ قریش نے انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھا دیئے اور اوپر ان کو لٹا کر ایک آدمی کو ان کے سینے پر بٹھا دیا۔ اس وقت وہ سینے سے اٹھا جب کوئلے ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ حضرت خُبابؓ نے مدّت کے بعد حضرت عمرؓ کو اپنی پیٹھ دکھائی جو برص کے داغوں کی طرح بالکل سفید تھی۔

حضرت عمّارؓ بن یاسرؓ انکے والد یاسرؓ اور والدہ سمیّہؓ یہ یمن کے رہنے والے تھے۔ ان کے

والد حضرت یاسرؓ مکّے میں آئے تھے۔ ابو حذیفہ مخذومی نے اپنی کنیز سمیہ سے ان کی شادی کر دی تھی۔ یہی حضرت سمیہؓ ہیں جو عمارؓ کی والدہ ہیں۔ اور ابو جہل نے انکے سینے میں نیزہ مارا تھا۔ اور وہ شہید ہو گئی تھیں۔ حضرت عمارؓ اس وقت اسلام لائے جب تقریباً تیس حضرات پہلے داخل اسلام ہو چکے تھے۔ قریش انہیں سخت اذیتیں دیتے اور اس قدر مارتے کہ یہ بے ہوش ہو جاتے۔ ان کے والد یاسرؓ کے ساتھ اور ان کی والدہ سمیہؓ کے ساتھ نہایت سنگدلانہ برتاؤ کیا جاتا[۱]۔

حضرت ابو فکیہہؓ

یہ صفوان بن امیہ کے غلام تھے اور حضرت بلالؓ کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ ان کے پاس سے گزرے۔ امیہ نے سخت گرمی میں ان کے پاؤں میں رسی باندھی ہوئی تھی اور ان کے سینے پر پتھر رکھا تھا۔ جس سے ان کی زبان باہر نکل آئی تھی۔ صفوان کا بھائی کہتا تھا اسے اور زیادہ سزا دو تاکہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آئیں اور (معاذ اللہ) اپنے جادو سے اسے چھڑائیں۔

حضرت نہدیہؓ

حضرت نہدیہ اور ان کی بیٹی یہ دونوں ولید بن مغیرہ کی کنیزیں تھیں وہ ان کے ساتھ نہایت بے رحمی کا سلوک کرتا تھا۔

حضرت زنیرہؓ

ان کو اللہ تعالےٰ کی راہ میں بے حد تکالیف اٹھانی پڑیں اور اس قدر پیٹا گیا۔ کہ اندھی ہو گئیں۔ ابو جہل نے کہا کہ لات وعزےٰ نے تجھے اندھا کر دیا ہے وہ کہنے لگیں کہ لات وعزیٰ نفع ونقصان پر ہرگز قادر نہیں۔ یہ آسمانی تقدیر کا کام ہے اور میرا اللہ قادر ہے کہ وہ پھر مجھے آنکھیں عنایت کرے۔ وہی رات جب گزری اور صبح ہوئی تو اللہ تعالےٰ نے ان کی آنکھوں میں نور پیدا فرما دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے انہیں خریدا اور آزاد کر دیا۔

ام عبیس

یہ حضرت زنیرہ کی بیٹی تھیں — اور بنی زہرہ خاندان کی کنیز تھیں۔ اسود بن عبد یغوث ان کو مارا کرتا تھا۔ ان کو بھی حضرت صدیق اکبرؓ نے خریدا اور آزاد کر دیا۔

---

[۱] جب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس سے گزرتے تو فرماتے صَبْرًا آلَ یَاسِر فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃَ۔

ایمان باللہ کی تاریخ بتلاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے پہلے متبعین غریب، بیکس اور زخم خوردہ مسلمان ہوئے ہیں اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ زندگی کے زخموں کا مداوا سوائے الہامی تعلیمات کے کسی فلسفے اور کسی اجتماع کے پاس نہیں اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بے زری اور بے کسی میں دل شکستہ ہوتا ہے اور شکستہ دلی الہامی تعلیمات کو قبول کرنے میں پہلے سے مستعد ہوتی ہے کیونکہ ایمان کی اساس خوف اور امید پر ہے اور یہ دونوں دل میں رقت، نرمی اور فکر پیدا کرتے ہیں اور جو صاحب دولت و طاقت لوگ اسلام و ایمان قبول کرتے ہیں ان کی تربیت کی انتہا بھی انہی صفات پر ہوتی ہے۔

طفیل بن عمر الدوسی کا ایمان لانا

حقیقت اسلام اور تاثیرات صاحب اسلام سے جب تک کوئی انسان ناواقف ہے تب تک تو وہ اسلام اور حامل ایمان و احسان سے عداوت بھی رکھ سکتا ہے۔ اور نفرت بھی۔ لیکن جوں ہی یہ تاثیریں اس کے دل میں گھر کریں گی وہ اپنے کیے پر ہزار ہزار افسوس کرے گا۔ اور پچھتائے گا کہ کاش وہ اس دامِ محبت میں پہلے گرفتار ہو جاتا۔

ے نالہ از بہر رہائی نکند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانیکہ گرفتار نبود

عرب کا ایک صوبہ یمن ہے۔ یمن میں عرب کا ایک قبیلہ آباد تھا جس کا نام الدوس تھا۔ اس کا سردار طفیل بن عمر والدوسی تھا۔ طفیل بڑا دانش مند، شاعر اور مقتدر آدمی تھا۔ ظہور نبوت کے بعد یہ مکے آیا۔ اہل مکہ نے اس کی تعظیم و تکریم شاہانہ ٹھاٹھ سے کی۔ اہل مکہ کا دستور تھا کہ وہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہر باہر سے آنے والے کے کان بھرتے تھے۔ پھر طفیل تو ملک کا ایک رئیس تھا۔ انہیں یہ خطرہ بھی تھا کہ اگر طفیل اسلام لایا تو سارا ملک یمن مسلمان ہو جائے گا۔ اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے متنفر کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اسے کہا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جادوگر ہیں۔ ان کی تاثیر سے بیٹا باپ سے جدا ہو جاتا ہے۔ بیوی خاوند سے الگ ہو جاتی ہے۔ بھائی بھائی کو چھوڑ دیتا ہے۔ ان سے ذرا بچ کے رہنا۔ ان کی وجہ سے ہمارا قومی شیرازہ بکھر گیا ہے۔ اور ہمارے سب کام تباہ ہو گئے ہیں۔ تم اپنی قوم کے سردار ہو۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم بھی ان کے جال میں پھنس جاؤ اور تمہاری قوم میں بھی ایسی ہی تباہی آ جائے۔ اس لیے ان کی کوئی بات نہ سننا۔ اور نہ کوئی بات چیت

ان سے کرنا۔ اور نہ ان کے پاس جانا۔ طفیل خود بیان کرتا ہے کہ یہ باتیں اہلِ مکّہ نے مجھے اس طرح ذہن نشین کرائیں کہ جب میں کعبہ میں جاتا تو کانوں میں روئی ٹھونس لیتا۔ تاکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آواز میرے کانوں میں نہ پڑے۔

"ایک روز صبح میں خانہ کعبہ میں گیا۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ میری تقدیر اچھی تھی۔ میرے سوئے ہوئے بخت بیدار ہو گئے۔ اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آواز میرے کانوں میں پڑ گئی۔ آپ کلامِ پاک کی قرأت فرما رہے تھے۔ کیا عجب کلام تھا! میں نے سنا اور اپنے آپ کو ملامت کی۔ کہ جب میں صاحبِ علم ہوں۔ شاعر ہوں، دانا ہوں اور برُے بھلے کی تمیز رکھتا ہوں۔ تو کیوں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی باتیں نہ سنوں۔ اگر باتیں اچھی ہیں تو کیوں نہ مانوں۔ اس ارادے سے میں ٹھہر گیا۔ جب حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم گھر کی طرف تشریف لے چلے تو میں بھی ساتھ ہو لیا۔ جب آپ گھر پہنچے تو میں نے اپنا قصہ سنایا۔ اور عرض کی کہ حضورؐ مجھے اپنی باتیں سنائیے! آپ نے قرآن کریم پڑھا میں نے آج تک ایسا پاکیزہ کلام نہ سنا تھا جس کے الفاظ و معانی ایسے دلکش ہوں۔ اور جو نیکی اور انصاف کی طرف ایسی رہنمائی کرتا ہو۔ طفیل کا ستارہ سعادت چمکا۔ وہ مسلمان ہو گیا۔ قریش یہ دیکھ کر سٹ پٹائے لیکن حقیقت دیکھنے والی آنکھ نے حقیقت دیکھ لی تھی۔ پھر قریش کی باتیں سب فضول اور بکواس نظر آئیں

حضرت ابوذر غفاریؓ کا اسلام لانا

یہ مجذوب صحابیؓ ہیں۔ عشقِ الٰہی اور محبّت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم میں ان پر ہمیشہ جذب کی کیفیت غالب رہتی تھی۔ غفار عرب کا ایک قبیلہ ہے جو مکّے سے کچھ فاصلے پر آباد تھا۔ اسلام کا نور جب مکّے کے گرد و نواح کو بھی منوّر کرنے لگا۔ تو حضرت ابوذرؓ کے کان بھی ان تذکروں سے آشنا ہوئے۔ طبیعت صالح تھی۔ اپنے بھائی انیسؓ کو مکّے بھیجا تاکہ وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کرے اور اسلام کی تفصیلات معلوم کرے۔

جب انیس مکّے پہنچے۔ حالات سنے تو اپنے بھائی سے جا کر سب ذکر کیا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

اسلام پیش کرتے ہیں۔ اور لوگ قبول کرتے جا رہے ہیں۔ جو اسلام قبول کرتے ہیں۔ وہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت رکھتے ہیں۔ اور ہر طرح کی تکالیف اسلام کے لئے برداشت کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق و اعمال کی اصلاح فرماتے ہیں۔ جو کلام آپ پیش کرتے ہیں وہ بے مثال ہے۔ شعر نہیں، کہانت نہیں۔ لیکن تاثیر سے بھرا ہے۔ یہ سن کر ابوذر رضؓ کا شوق اور بڑھا۔ اور وہ خود مکے آئے۔ کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے اور مسافرانہ حرم میں ٹک گئے۔ حضرت علی رضؓ کعبہ میں آئے اور انہیں مسافر سمجھ کر اپنے گھر لے گئے۔ وہاں ان کو کھلایا، پلایا۔ یہ رات وہیں سوئے۔ صبح پھر کعبۃ اللہ میں واپس آ گئے۔ تین دن ایسا ہی ہوتا رہا۔ بس پردیسی اور مسافر کی خدمت کرنا تھی، کرتے رہے۔ تیسرے دن پوچھا کہ تم کیسے یہاں آئے ہو۔ انہوں نے کیفیت حال بیان کی کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے اور ان کے حالات معلوم کرنے آیا ہوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ یہ کہا اور آپ کی صفاتِ جمیلہ بیان کرتے رہے۔ اور صبح ہوتے ہی سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انہیں لے گئے۔ وہاں پہنچے ہی تھے کہ روئے انور دیکھا۔ آواز سنی اور محبت کی آگ بھڑک گئی۔ اور بے اختیار کلمہ پڑھا ؎

ہر کرا از ذوقِ حق لطف و مزا است　　روئے و آوازِ پیمبر معجزا است

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اب گھر چلے جائیں۔ کہا خدا کی قسم اس کلمہ کو کافروں کے سامنے علی الاعلان پڑھوں گا۔ کعبۃ اللہ میں گئے اور بڑے زور سے پڑھا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ (میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں) کافروں نے جب سنا تو دوڑے ہوئے آئے اور ان پر ٹوٹ پڑے۔ بہت مارا۔ حضرت عباسؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا آئے۔ اور قریش سے کہا کہ تم لوگ نہیں جانتے کہ یہ غفار قبیلے کا آدمی ہے۔ اور تمہارا تجارتی راستہ اُدھر ہی سے جاتا ہے۔ یہ کہا اور انہیں ملامت کی۔ تب انہوں نے چھوڑا۔ دوسرے روز پھر حضرت ابوذرؓ کعبۃ اللہ آئے۔ اور پھر بڑے زور سے کلمہ پڑھا۔ کافر پھر دوڑے ہوئے آئے۔ اور ان کو مارنے لگے۔ حضرت عباسؓ پھر

آئے اور ان کو چھڑا یا۔

صحابہؓ کرام نے سب کچھ برداشت کیا

حضرت عثمانؓ حضرت صدیق اکبرؓ کے اثر و تعلق سے اسلام لائے تھے۔ آپؓ نہایت باوقار تھے۔ دولت و ثروت اور خاندان میں بھی نہایت بلند درجے پر تھے۔ بیگانوں کے وار سے تو وہ محفوظ تھے۔ لیکن گھر کے دشمن ان کو بھی ستاتے۔ چنانچہ ان کا اپنا چچا انہیں سخت تنگ کیا کرتا، اور رسّی سے باندھ کر مارتا۔

حضرت زبیرؓ ابن عوام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔ سابقین اوّلین میں سے ہیں اور ظہورِ نبوّت کے بعد شروع شروع میں جن حضرات نے اسلام قبول کیا ان میں ان کا پانچواں نمبر ہے ان کو بھی ان کے رشتہ داروں نے تنگ کیا۔ ان کا چچا انہیں چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیا کرتا تھا

سعدؓ بن وقاص، اپنے قبیلہ میں نہایت بلند مرتبہ پر تھے۔ مرتبہ اور دولت دونو موجود تھیں۔ لیکن کفار نے ان کے اوپر بھی عشق ستم کی۔ یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن اسلام کا نشہ ایمان کا سرور کچھ ایسا نہ تھا کہ اتر جاتا مسلمان ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتے اور جوں جوں تکلیفیں برداشت کرتے توں توں ایمان مضبوط ہوتا اور زبانِ حال سے کہتے ؎

بر جرم عشق تو ام مے کشند غوغائیست　　　تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشا ایست

یعنی اے محبوب حقیقی سوائے تیری محبت اور تیرے عشق کے جرم کے میرا اور کوئی قصور نہیں ہے اور اسی گناہ کے بدلے لوگ مجھے قتل کر رہے ہیں۔ یہاں ایک تماشا لگا ہوا ہے۔ ذرا تو بھی اپنی چھت پر آکر دیکھ کہ کیسا عمدہ تماشا ہے مقصد یہ ہے کہ اگر آخری وقت میں جلوۂ یار پالوں تو میں نے محبت کی بازی جیت لی۔ حضرت سعد بن وقاص صاحب قدر و منزلت تھے۔ اور اپنے قبیلے میں بہت معزز لیکن جب اسلام لائے تو اپنے قبیلے بنو اسد نے انہیں بھی سخت تکلیفیں پہنچائیں۔

ادھر سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے صبر و تحمّل، برداشت اور بردباری کے جو اسباق

انہیں مختلف اوقات میں ملتے رہتے تھے۔ وہ ان کی عملی مشق سے کبھی گریز نہیں کرتے تھے۔ اور کفار کے مظالم نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کرتے۔ اور یہ برداشت بے اثر برداشت نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے جلوے وہ اپنے قلب پر اتنے واضح محسوس کرتے۔ کہ صرف ایک گھڑی میں لاکھوں تکلیفوں کا کفارہ ہو جاتا۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْن۔ (بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) اللہ تعالیٰ کی یہ معیت آج کل کے آرام طلب اور بے حس مسلمانوں کی صرف لفظی معیت نہیں بلکہ ایسی محسوس معیت ہے کہ قلب و نگاہ کے لئے اس سے زیادہ فرحت بخش اور کوئی چیز ہو نہیں سکتی اور ہزار آرزو اسی ایک دولت معیت پر قربان کر دی جائے۔ اور پھر یہ نعمت مل جائے تو غنیمت ہے

ہجرتِ حبش

اسلام کا نور اپنی بے انتہا تابانی کی وجہ سے کفار مکہ کی بیمار آنکھوں میں درد اور آشوب پیدا کر رہا تھا۔ اور کفار مکہ دل کھول کر مسلمانوں کو تکلیفیں اور اذیتیں دے رہے تھے۔ غریب، امیر، بیکس۔ اور بڑے بڑے قبائل کے ذی اقتدار لوگ جب اسلام لائے۔ تو کفار نے سب کو پریشان کیا۔ مارا پیٹا اور بعض صحابہ تو ان تکالیف سے جانبر نہ ہو سکے اور شہادت پائی۔

یہ سب کچھ برداشت ہو رہا تھا۔ اور ہر قسم کی قربانی عمل میں آ رہی تھی لیکن سب سے بڑا ستم یہ تھا کہ مسلمان عبادت الٰہی کا فریضہ آزادی سے بجا نہیں لا سکتے تھے۔ اور حرم کعبہ میں کوئی شخص بلند آواز سے قرآن کریم نہیں پڑھ سکتا تھا۔

یہی نماز، یہی عبادت۔ اور یہی اپنی قلبی لگن کا اظہار اصل اسلام ہے۔ جس کو ادا کرنے کے لئے وہ بیتاب رہتے تھے۔ اور کفار پر بھی مسلمانوں کا سب سے بھاری اور تکلیف دینے والا عمل یہی تھا۔

افسوس کہ آج باقی سب کچھ رسوم اسلام موجود ہیں۔ اور یہی عبادتِ خداوندی، نماز اور اظہار محبت الٰہی مسلمان قوم چھوڑ بیٹھی ہے۔ فرائض اسلام ادا کرنے میں قطعاً کوئی رکاوٹ نہیں لیکن مسلمان ہیں کہ ۸۰ فی صدی ان اعمال سے غافل ہیں۔ اور ان کو کوئی وقعت نہیں دیتے۔ اور یہ نہیں جانتے کہ اسلام تو نام ہی

خدا کی عبادت اور اطاعت کا ہے۔ اگر عبادت اور اطاعت نہیں تو پھر غیر مسلم اور مسلم میں ظاہری فرق ہی کیا رہ گیا۔

ان تمام ناقابل برداشت تکالیف کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہجرت حبش کی اجازت دی دے۔ اور ۵ھ نبوی ماہ رجب میں ایک مختصر سا قافلہ حبش کی طرف روانہ ہوا۔ ان میں یارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ ان کے اسمائے مبارک یہ ہیں۔

مہاجرینِ حبش

(۱) حضرت عثمانؓ بن عفان۔ خلیفہ سوم۔ داماد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو صاحبِ ثروت اور نہایت باوقار تھے لیکن قریش کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے انہیں بھی مکہ چھوڑنا پڑا۔

(۲) حضرت زبیرؓ بن العوام۔ یہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور مشہور صحابی ہیں۔

(۳) مصعبؓ بن عمیر۔ یہ بنی ہاشم میں سے تھے۔

(۴) عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

(۵) ابو حذیفہؓ۔ یہ قریش کے مشہور سردار عتبہ کے بیٹے ہیں۔ مکہ میں اسلام دشمنی اس قدر تھی کہ یہ اپنے باپ کے گھر بھی نہ رہ سکے۔

(۶) ابو سلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی۔ آپ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہیں اور حضرت ام سلمہؓ ام المومنین کے پہلے خاوند ہیں۔

(۷) عثمانؓ بن مظعون۔ مشہور صحابی ہیں۔

(۸) عامرؓ بن ربیعہ۔ پہلے مسلمانوں سے ہیں۔ اور جنگِ بدر میں بھی شریک تھے۔ حضرت عثمانؓ نے جب سفر حج کیا تو انہیں کو مدینے کا حاکم مقرر فرمایا۔

(۹) ابو سبرہؓ بن ابی رہم۔ یہ بھی حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے لڑکے ہیں۔

(۱۰) حاطبؓ بن عمرو۔ مشہور صحابی ہیں اور جنگ بدر میں شریک تھے۔

(۱۱) سہیلؓ بن بیضا۔

(۱۲) عبداللہ بن مسعودؓ۔ یہ مشہور صحابی ہیں۔ اور اُن صحابہ میں ان کا شمار ہے جو مجتہد تھے۔

حبشہ کی مہاجرات کے اسماء

(۱) حضرت رقیہؓ۔ آپؓ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں اور حضرت عثمانؓ بن عفان کے نکاح میں تھیں۔ اپنے خاوند کے ساتھ انہوں نے ہجرت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا تھا جس نے راہِ خدا میں ہجرت کی۔

(۲) جناب سہیلہؓ زوجہ حضرت ابوحذیفہؓ۔

(۳) حضرت ام سلمہؓ ام المومنین۔ زوجۂ پاک سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ پہلے حضرت ابوسلمؓ مخزومی کے نکاح میں تھیں۔ ان کی وفات کے بعد حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے نکاح میں قبول فرمایا۔ آپ کا لقب ام المساکین ہے۔ مساکین پر بہت کرم فرماتی تھیں۔

(۴) حضرت لیلیٰ۔ آپ حضرت عامرہؓ بن ربیعہ کے نکاح میں تھیں۔

جب قدوسیوں کا یہ قافلہ سمندر کے کنارے بندرگاہ شعیبہ پر پہنچا۔ تو وہاں حسنِ اتفاق سے دو تجارتی جہاز حبش کو جا رہے تھے۔ یہ سوار ہو گئے۔ اور کرایہ بھی کل ۵ درہم فی کس ادا کرنا پڑا۔ جب قریش کو علم ہوا تو بندرگاہ تک ان کا پیچھا کیا۔ لیکن یہ قافلہ سمندر کا سفر کر چکا تھا۔ اس لئے انہیں وہ پا نہ سکے۔ چونکہ حبش کا بادشاہ نجاشی نہایت نیک دل اور عادل عیسائی حکمران تھا۔ اس لئے وہاں مسلمان پورے امن سے رہنے لگے۔ اور آزادی سے اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنے لگے۔ یہ حالات جب مکّے میں پہنچے تو بہت سے اور مسلمان بھی حبشہ میں ہجرت کر کے چلے گئے۔ اب اس مرتبہ ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں حبش کو روانہ ہوئیں اور وہاں راحت و آرام کے علاوہ آزادی نصیب ہوئی۔

حبش کو کفارِ مکہ کی سفارت

کفارِ مکّہ مسلمانوں کا اطمینان کب دیکھ سکتے تھے۔ حبشہ کے لئے ایک سفارت تیار کی۔ اور خود

بادشاہ کے لیئے اور تمام درباریوں کے لیئے بیش بہا تحفے فراہم کیئے۔ عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص اس وفد کے سرگروہ تھے۔ بڑے ساز و سامان کے ساتھ یہ سفیر حبشہ پہنچے۔ پہلے وہاں کے پادریوں سے ملے۔ اور ان کو اسلام کے خلاف بھڑکایا۔ پھر پادریوں کے سامنے تحائف پیش کر کے ان کو اپنی امداد پر آمادہ کیا۔ اور کہا کہ دربار شاہی میں ہم جو کچھ کہیں گے آپ لوگوں کو اس کی تائید کرنا چاہیئے۔

دوسرے دن دربار شاہی میں مسلمانوں کے خلاف درخواست پیش کر دی کہ ان لوگوں نے ایک نیا دین ایجاد کیا ہے۔ اور یہ لوگ ہمارے مجرم ہیں۔ ہم نے ان کو اپنے ملک سے نکال دیا ہے۔ آپ بھی انہیں ملک بدر کر دیں۔ پادریوں اور درباریوں نے ان کی تائید کی۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا اور پوچھا کہ تم نے کون سا نیا دین ایجاد کیا ہے۔ جو بت پرستی اور عیسائیت دونوں کے خلاف ہے۔

مہاجرین حبش میں علیؓ مرتضےٰ کے بھائی جعفرؓ طیار بھی تھے۔ جو فصیح اللسان ہونے کے علاوہ بڑے دلیر تھے۔ مسلمانوں نے دربار شاہی میں جواب دینے کے لیئے انہی کو منتخب کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر شروع کی۔

حضرت جعفر طیارؓ کی تقریر

اے ملک! ہم لوگ جہالت میں سرگرداں تھے۔ بتوں کے پجاری تھے۔ مردار کھاتے تھے، اور بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں کو دکھ دیتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کیا کرتا تھا۔ طاقتور لوگ کمزوروں پر ظلم و تشدد کرتے تھے ہم اس حال میں تھے کہ اللہ نے ہم میں ایک نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) بھیجا۔ جن کی شرافت، سچائی، دیانتداری اور تقوےٰ و طہارت سے ہم پہلے واقف تھے۔ انہوں نے ہم کو توحید کی طرف بلایا۔ اسلام کی دعوت دی اور بتلایا کہ ایک خدا کی پرستش کریں۔ بتوں کی پوجا چھوڑ دیں۔ صداقت اختیار کریں۔ اور قتل و غارت سے باز آجائیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ اور پاکدامن عورتوں پر تہمت نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں، روزے رکھیں، صدقہ و خیرات دیں، وعدہ پورا کیا کریں، رحم کریں۔ گناہوں سے بچیں ہم نے بت پرستی چھوڑ دی۔ عبادت الٰہی شروع کر دی۔ بدکرداریوں سے باز آئے۔ اس پر ہماری قوم

ہم سے ناراض ہوگئی اور ہمیں ہر طرح ستایا۔ اور مجبور کیا کہ ہم اسلام چھوڑ دیں۔ اور پھر گمراہی اختیار کرلیں۔ ہم نے ایسا نہیں کیا۔ تکلیفیں برداشت کیں۔ دکھ درد سہتے رہے۔ اور جب ان کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو ہم آپ کے ملک میں مجبور ہو کر امن کی تلاش میں آئے ہیں۔ نجاشی اس تقریر سے متاثر ہوا۔ اور کہا جو کلام تمہارے پیغمبر پر اترا ہے وہ پڑھو اور مجھے سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیات پڑھیں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ أَنّٰى يَكُونُ لِي غُلٰمٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ ج قَالَتْ يٰلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَنْسِيًّا ۝ فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ

اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب میں مریم کا بھی ذکر کیجئے۔ جب کہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ (ہو کر) ایک ایسے مکان میں جو مشرق کی جانب میں تھا (غسل کیلئے) گئیں۔ پھر ان (گھر والے) لوگوں کے سامنے سے انہوں نے پردہ ڈال لیا پس (اس حالت میں) ہم نے ان کے پاس اپنے فرشتہ جبرائیل کو بھیجا اور وہ ان کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ کہنے لگیں میں تجھ سے (اپنے خدائے) رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو (کچھ) خدا ترس ہے (تو یہاں سے ہٹ جاوے گا) فرشتہ نے کہا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں۔ تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ وہ (تعجباً) کہنے لگیں کہ (بھلا) میرے لڑکا کس طرح ہو جائے گا حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتہ نے کہا کہ یوں ہی (اولاد) ہو جاوے گی۔ تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ یہ بات مجھ کو آسان ہے اور اس طور پر اس لئے پیدا کریں گے تاکہ ہم اس فرزند کو لوگوں کے لئے ایک نشانی (قدرت کی) بنادیں اور باعث رحمت بنادیں

النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝
فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ
مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ
لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ
اِنْسِيًّا ۝ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ
قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْــًٔـا فَرِيًّا ۝
يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ
سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝ فَاَشَارَتْ
اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي
الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ
اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ وَّ
جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ
بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝
وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا
شَقِيًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَ
يَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝ ذٰلِكَ
عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ
فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ (سورہ مریم)

اور یہ ایک طے شدہ بات ہے (جو ضرور ہو گی) پھر ان
کے پیٹ میں لڑکا رہ گیا۔ پھر اس حمل کو لیئے ہوئے (اپنے
گھر سے) کسی دور جگہ میں الگ چلی گئیں۔ پھر دردِ زِہ کے
مارے کھجور کے درخت کی طرف آئیں۔ (گھبرا کر) کہنے
لگیں۔ کاش میں اس (حالت) سے پہلے ہی مر گئی ہوتی
اور ایسی نیست و نابود ہو جاتی کہ کسی کو یاد بھی نہ رہتی۔
پھر جبرائیل نے ان کے (اس) پائیں (مکان) سے پکارا
کہ تم مغموم مت ہو۔ تمہارے رب نے تمہارے پائیں
میں سے ایک نہر پیدا کر دی ہے۔ اور اس کھجور کے تنہ
کو (پکڑ کر) اپنی طرف کو ہلاؤ۔ اس سے تم پر خرمائے تر و تازہ
جھڑیں گے۔ پھر (اس پھل کو) کھاؤ اور (وہ پانی) پیو۔ اور
آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ پھر اگر تم آدمیوں میں سے کسی کو بھی
(اعتراض کرتا) ہوا دیکھو تو کہہ دینا کہ میں نے تو اللہ کے
واسطے روزے کی منت مان رکھی ہے۔ سو آج میں کسی
آدمی سے نہیں بولوں گی۔ پھر وہ ان کو گود میں لیئے ہوئے
اپنی قوم کے پاس آئیں۔ لوگوں نے کہا اے مریم! تم نے
بڑے غضب کا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن۔ تمہارے
باپ کوئی برے آدمی نہ تھے اور نہ تمہاری ماں بدکار تھیں۔

پس مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ بھلا ہم ایسے شخص سے کیونکر باتیں کریں جو ابھی گود میں
بچہ ہی ہے۔ وہ بچہ (خود ہی) بول اٹھا کہ میں اللہ کا (خاص) بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب (یعنی انجیل دی) اور
اس نے مجھ کو نبی بنایا (یعنی بنا دے گا) اور مجھ کو برکت والا بنایا۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں اور اس نے مجھ کو نماز اور

زکوٰۃ کا حکم دیا۔ جب تک میں (دنیا میں) زندہ رہوں - اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گذار بنایا - اور اس نے مجھ کو سرکش، بدبخت نہیں بنایا۔ اور مجھ پر (اللہ کی جانب سے) سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز مروں گا اور جس روز (قیامت) میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم۔ میں (بالکل) سچی بات کہہ رہا ہوں جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔

نجاشی پر قرآن کریم کا اتنا اثر ہوا کہ وہ زار زار رونے لگا۔[1] پھر کہا۔ خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل ایک ہی قسم کا نور ہیں۔

اور قریش کو جواب دیا کہ میں ان ستم رسیدوں کو ہرگز واپس نہیں دوں گا - دوسرے روز عمرو بن عاص نے دوبارہ دربار میں رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا کہ مسلمان حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق بھی صحیح عقیدہ نہیں رکھتے۔ قریش یہ جانتے تھے کہ عیسائی حضرت عیسےٰ کو خدا مانتے ہیں۔ اس لیئے اس راستے سے مسلمانوں کو نجاشی کے سامنے مجبور کرنا چاہا۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا کہ آپ لوگ ان کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عیسےٰؑ خدا کا بندہ - اس کا رسول اور روح اللہ ہے۔ نجاشی نے کہا کہ بالکل ٹھیک ہے۔ حضرت عیسےٰؑ کا منصب بس اتنا ہی ہے۔

جو پادری دربار میں تھے - وہ نہایت پریشان ہوئے۔ نجاشی نے ان کی ناراضگی کی ذرہ بھر پروا نہ کی اور قریش کے سفیروں کو واپس بھیج دیا۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کو نجاشی کی یہ ادا پسند آئی - قرآن کریم میں اس کے رونے کا ذکر فرما دیا۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ
تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ
مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا
فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (سورہ المائدہ)

اور جب وہ (قرآن) سنتے ہیں جو (ہمارے) رسول پر نازل ہوا تو دیکھتا ہے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ پڑتی ہیں اس لیئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا (قرآن سن کر) دعا مانگتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے تو ہم کو بھی تصدیق کرنے والوں میں لکھ

اصحابِ رسولؐ کی دعائیں اور نجاشی

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (سورہ الرحمٰن) احسان کا بدلہ سوائے احسان کے نہیں۔

نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی۔ قریش کی سفارت خائب و خاسر واپس مکے پہنچی۔ ادھر نجاشی کے ملک پر کسی دشمن نے حملہ کر دیا۔

مسلمانوں کی فطرت میں ہے کہ وہ احسان کا بدلہ احسان سے دیتے ہیں مسلمان اگرچہ کم تعداد میں تھے لیکن باہمت اور جانباز تھے۔ باہم مشورہ کیا کہ اگر ہماری قربانی کی ضرورت پڑے تو ہم نجاشی کی امداد میں لڑیں گے۔ حضرت زبیرؓ بن العوام کو یہ خدمت سپرد ہوئی کہ وہ میدانِ جنگ کا نقشہ اور کیفیت دیکھتے رہیں اور اطلاع دیتے رہیں ضرورت پر ہم میدانِ جنگ میں اتر جائیں گے۔

اسلام اللہ تعالیٰ سے براہِ راست تعلق سکھاتا ہے۔ یہ تعلق ہر حال میں قائم ہو سکتا ہے۔ لیکن ٹوٹے ہوئے دل میں تو خود ذاتِ کبریا جلوہ افروز ہو جاتے ہیں۔ اور صاحبِ دل کی صدا قبول ہوتی ہے۔ مسلمانوں کا وطن چھوٹ گیا تھا۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شب و روز کی زیارت سے محروم ہو گئے تھے۔ اس حال نے دلوں کو غمزدہ کر دیا تھا۔ نجاشی کی امداد میں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے۔ غمزدہ دلوں سے دعائیں نکلیں۔ اللہ تعالیٰ نے نجاشی کو فتح عنایت کی۔

حبش میں آہستہ آہستہ مہاجرین کی تعداد ۸۳ ہو گئی۔ ادھر مشہور ہو گیا کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے اس خبر سے مسلمان بے حد خوش ہوئے۔ واپس مکے کی طرف آ رہے تھے کہ راستے میں اطلاع ملی کہ یہ خبر جھوٹی تھی۔ اس لئے بعض تو واپس چلے گئے۔ اور کچھ لوگ چھپ چھپ کر مکے میں داخل ہوئے

شیطانی اثر اور قریش کے اسلام لانے کی خبر

شیطان صفت آدمی بھی ہوتے ہیں جو شیطانی افواہیں پھیلاتے ہیں۔ اور اصلی شیطان تو آگ کی پیداوار اور ایسا لطیف جسم رکھنے والا ہے۔ جو ہزار کوشش سے انسان کو نظر نہیں آ سکتا۔ اور اس میں شک نہیں کہ

وہ انسان کا ازلی دشمن ہے۔ اس کی دشمنی کسی کے جان و مال سے نہیں۔ اور حیاتِ انسان سے بھی نہیں۔ یہ تو ایمان اور اس کے متعلقات سے بیر رکھتا ہے اور ہر طریقے سے ایمان اور عمل صالح کو ضائع کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ اس کی زندگی کا مقصد ہی یہی ہے کہ انسان کو اس کی حیاتِ اَبد میں ذلیل و خوار دیکھے۔ اس مقصد کے لیے وہ ہر چال چلتا ہے اور کوئی موقعہ فروگذاشت نہیں کرتا۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ میں نماز ادا فرما رہے تھے اور سورۃ النجم پڑھ رہے تھے جب اس مقام پر پہنچے اَفَرَءَیۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰی ۞ وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الۡاُخۡرٰی (بھلا تم دیکھو تو لات اور عزیٰ اور وہ تیسری منات) اس مقام پر شیطان نے انسانی آواز میں یہ الفاظ کہے۔ تِلۡکَ الۡغَرَانِیۡقُ الۡعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَھُنَّ لَتُرۡتَجٰی (یہ بت عزت والے ہیں۔ اور ان کی شفاعت قبول ہو گی) قریش نے سنا اور حیران ہوئے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ پھر خیال آیا کہ اب جب ہمارے بتوں کی تعریف کی جا رہی ہے۔ تو پھر دشمنی اور مخالفت کیسی! حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ فرمایا۔ تو حضور کی متابعت میں قریش نے بھی سجدہ کیا۔

قریش کے اس عمل سے مشہور ہو گیا کہ قریش مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہی اطلاع پھرتی پھراتی حبشہ تک پہنچ گئی۔ جب مہاجرین حبشہ کو معلوم ہوا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور بہت سے صحابہؓ نے مکے کا ارادہ کیا۔ اور چل پڑے۔ جب مکہ مکرمہ کے قریب آئے تو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔ اور قریش بدستور دشمنِ اسلام ہیں۔ صحابہؓ پریشان ہوئے اور بعض ان میں سے واپس حبشہ چلے گئے۔ اور بعض چھپ چھپ کر مکے میں داخل ہو گئے۔ اس وقت جو لوگ مکے واپس آ گئے تھے مکے والوں نے ان پر سختی اور زیادتیوں کی حد کر دی۔ اور انہیں ایسا تنگ کیا کہ دوبارہ ہجرت کرنا پڑی۔ اور تقریباً ایک سو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے کو چھوڑ دیا اور حبش میں اقامت پذیر ہو گئے۔ جب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ہجرت فرمائی تو ان کو ۷ھ میں مدینے بلوا لیا۔

صدیق اکبرؓ اور حبش کی ہجرت

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ قریش کا ظلم و تشدد صرف کمزوروں تک محدود نہ رہا تھا۔ بلکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ

جیسے باوقار اور بارسوخ، مُحِبّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بے حد تنگ کیا گیا۔ انہوں نے بھی حبش کی طرف ہجرت کا ارادہ کر لیا۔ اور سفر شروع کر دیا۔ جب مقام برک الغماد میں پہنچے جو مکہ سے یمن کی راہ میں پانچ منزل کے فاصلے پر ہے تو وہاں ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی جو قبیلہ قارہ کا ایک سردار تھا۔ ابن الدغنہ نے صدیق اکبرؓ سے پوچھا۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ قریش مجھے اللہ کی عبادت نہیں کرنے دیتے۔ نکلا ہوں کہ خدا تعالےٰ کی عبادت اطمینان سے کر سکوں۔ ابن الدغنہ نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ جیسا آدمی مکّے کو چھوڑ جائے۔ میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ یہ کہا اور صدیق اکبرؓ کے ہمراہ ہو گئے۔ اور انہیں مکّے میں واپس لائے۔ اور تمام قریش سرداروں سے مل کر کہا۔ کہ آپ ایسے شخص کو مکّہ سے نکالتے ہیں جو مفلسوں کا مددگار ہے۔ مہمان نواز ہے۔ اور رشتہ داروں کی پرورش کرتا ہے۔ اور مصیبتوں میں کام آتا ہے۔ قریش نے کہا کہ تیرے ذمہ میں ہم دخل نہ دیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ ابوبکرؓ نماز میں قرآن آہستہ پڑھا کریں۔ جب یہ قرآن بلند آواز سے پڑھتے ہیں تو ہمارے کمزور دل لوگ عورتیں اور بچے متأثر ہوتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے چند روز قرآن آہستہ پڑھا لیکن ان سے رہا نہ گیا۔ گھر کے قریب ایک مسجد بنائی گئی اس میں قرآن کریم بلند آواز سے پڑھتے اور زار زار روتے۔ ان کی آواز۔ ان کی رقّتِ قلب اور محبتِ الٰہی کی تاثیر سے عورتیں اور بچّے رونے لگتے۔ قریش نے ابن الدغنہ سے اس معاملہ کی شکایت کی۔ ابن الدغنہ نے صدیق اکبرؓ سے اپنی ذمہ داری اور پناہ کا ذکر کیا تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ ابن الدغنہ! مجھے تیری پناہ کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

محرم سنہ ۷ نبویؐ

شعبِ ابی طالب میں محصور ہونا

اسلام اللہ جلّ شانہ کا دین ہے۔ اس کا واحد مقصد وحدہٗ لاشریک کی رضاجوئی ہے۔ اور اللہ جل شانہ اپنے فرمانبرداروں کو مشکلات میں مبتلا فرما کر آزماتا ہے۔ کہ یہ مقصد اعلےٰ کو حاصل کرنے کے لئے کیا کیا

قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ ہمیشہ سے سنتِ انبیاءؑ یہی رہی ہے اور مسلمانوں کو بھی ہمیشہ تکلیفوں سے آزمایا گیا۔

اسلام آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔ اس کی جڑیں مضبوط ہو رہی تھیں۔ بعض جلیل القدر اور بہادر قریش اسلام قبول کر چکے تھے۔ اسلام کی آواز حبشہ تک پہنچ چکی تھی۔ قریش ان سب حالات سے آتش زیرِ پا تھے۔ مکے کے تمام قبیلوں نے مل کر ایک معاہدہ کیا کہ بنی ہاشم سے اس وقت تک ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لئے جائیں۔ جب تک یہ لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے نہ کر دیں۔ ان سے رشتہ ناطہ بند کر دیا جائے۔ ان سے خرید و فروخت نہ کی جائے۔ ان سے میل ملاقات چھوڑ دی جائے۔ ان سے کھانے پینے کی اشیا روک لی جائیں۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور کعبۃ اللہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔

بنو ہاشم ابھی سب مسلمان تو نہ تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اکثر جان چھڑکتے تھے۔ قریش کے اس معاہدے کا اثر سب پر ہوا۔ اور سب مجبور ہو کر شعب ابی طالب میں چلے گئے جو قریب مکہ میں پہاڑ کی ایک گھاٹی تھی اور بنو ہاشم کی ملکیت تھی۔

تین سال تک خاندان ہاشم پر مکے کی سرزمین تنگ رہی۔ تجارت رک گئی۔ میل ملاقات بند ہو گئی کہیں آنا جانا ممنوع قرار پایا۔ یہ زمانہ بڑی مصیبت کا زمانہ تھا۔ کھانے پینے کی تنگی۔ آرام کا فقدان بچے بھوک سے بیتاب ہو ہو کر روتے۔ تو ان کی آواز گھاٹی کے باہر چلی جاتی۔ بنی ہاشم کے بچے جب روتے تو کفار خوش ہوتے۔ بعض اوقات طلح درخت کی پتیاں کھا کھا کر گزارا ہوتا۔ ایک مرتبہ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم ابن حزام نے کچھ گندم حضرت خدیجہؓ کے پاس بھیجی۔ راستے میں ابو جہل نے دیکھ لیا۔ اور چاہا کہ وہ ان سے چھین لے۔ ابوالبختری راستے میں آ گیا۔ اگرچہ وہ بھی کافر تھا۔ لیکن اسے رحم آیا اور ابو جہل کو منع کیا کہ اگر ایک شخص اپنی پھوپھی کو کچھ بھیجنا چاہتا ہے تو تو کیوں روکتا ہے۔

تین سال تک سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم معہ اپنے ہمدردوں کے شعبِ ابی طالب میں محصور رہے اور باقی صحابہ طرح طرح کی تکلیفوں میں وقت گزارتے رہے۔ اور اپنے اپنے گھروں میں قیدیوں کی طرح رہے آخر کار اس امتحان کے دن ختم ہوئے اور دشمن ہمدرد بن گئے۔ اور ہشام مخزومی جو اپنے قبیلہ میں عزت کی

نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور بنو ہاشم سے اس کی رشتہ داری بھی تھی۔ جہاں تک اس سے ہو سکتا تھا محصوری کے زمانے میں یہ غلہ وغیرہ کی امداد بھی کرتا رہتا تھا۔ ایک دن عبدالمطلب کے نواسے زبیر کے پاس آیا۔ اور کہا کہ تم لوگ کیسے ہو بنو ہاشم کا یہ حال ہو اور تم آرام سے وقت گزارو۔ افسوس ہے۔ زبیر نے کہا کہ میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں۔ ہشام نے اپنی امداد کا یقین دلایا۔ دونوں مستعد ہو بیٹھے۔ کہ اس معاہدہ کو پھاڑ دیا جائے۔ مطعم بن عدی۔ بختری۔ ابن ہشام۔ زمعہ بن الاسود۔ بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ اور یہ جماعت مسجد الحرام میں گئی۔ سرداران قریش کو زبیر نے مخاطب کیا۔ کہ یہ ظالمانہ معاہدہ چاک کر دینا چاہیے ابوجہل نے مخالفت کی۔ زمعہ ابن الاسود نے ابوجہل کو ڈانٹا اور کہا۔ کہ ہم ابتدا میں بھی اس معاہدہ کے خلاف تھے۔ مطعم بن عدی نے معاہدہ کو دیوار کعبہ سے اتارا اور پھاڑ کر پھینک دیا۔ اب یہ جماعت مسلح ہو کر شعب ابی طالب میں گئی اور محصورین کو نکال لائے۔ یہ واقعہ ۱۰ نبوی کا ہے۔

عام الحُزن

حضرت ابوطالب کی وفات

جناب ابوطالب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جان چھڑکتے تھے۔ بچپن سے تربیت کی تھی۔ اپنی اولاد سے زیادہ چاہتے تھے اور ظہور رسالت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں ہمیشہ کمر بستہ رہے۔ سب قریش کو ناراض کر دیا اور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا جوئی میں ہمیشہ لگے رہے جب قریش نے بنی ہاشم سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لیے۔ تو یہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شعب ابی طالب میں چلے گئے اور تین سال تک ہر طرح کی شدت برداشت کی اور تکلیفیں سہیں شعب ابی طالب سے نکلے ہی تھے کہ جناب ابوطالب انتقال فرما گئے۔ اس دوران میں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کی وفات کے وقت ان کے پاس تشریف رکھتے تھے۔ حضور نے فرمایا چچا جان! اس حال میں آپ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لیں۔ میں اللہ کے سامنے آپ کے ایمان کا گواہ بن جاؤں گا۔ ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ بھی

موجود تھے۔ وہ کہنے لگے کہ اس آخری وقت میں آپ عبد المطلب کے دین کو چھوڑ دیں گے؟ ابو طالب نے انہیں مخاطب کر کے کہا کہ میں عبد المطلب کے دین پر ہوں۔ پھر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا اور کہا کہ میں ضرور کلمہ پڑھ لیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چچا جان! میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کروں گا۔ اور اس وقت تک دعا کرتا رہوں گا جب تک اللہ جلّ شانہ مجھے منع نہ فرما دے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباسؓ عمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس وقت موجود تھے۔ اگرچہ وہ اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے ہیں۔ کان لگا کر سنا تو ابو طالب کلمہ پڑھ رہے تھے۔

آج تک علمائے امت میں اختلاف چلا آتا ہے کہ ابو طالب کا خاتمہ اسلام پر ہُوا یا کفر پر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت۔ جان نثاری اور محض سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرنا۔ پہاڑ کی گھاٹی میں محصور رہنا۔ بھوک پیاس سہنا۔ یہ ایسے مقبول کام ہیں جو کبھی رائیگاں نہیں جا سکتے۔ پھر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اور فرمان نے آخری وقت لبوں کو جنبش دے ہی دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کی وفات سے بہت غمگین ہوئے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات

ابھی ابو طالب کی وفات کو تین ہی دن گذرے تھے کہ سب سے پہلے ایمان کی دولت سے سرفرازی پانے والی۔ جان و مال قربان کرنے والی۔ زوجہ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا بھی انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی۔ جب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ اس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ مکّے کی سب سے مالدار بی بی تھیں۔ اور اپنا تمام مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا۔ اور ہر قسم کی تکلیفیں اٹھائیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے رمضان سنہ نبوی میں انتقال فرمایا اس وقت آپ پینسٹھ سال کی تھیں جنت المعلیٰ میں دفن ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس ان کی قبر میں اترے اور اپنے ہاتھ سے دفن فرمایا۔

ے سو حیات ابدی موت پہ اس کی قرباں
جس کی میت پہ کرے زلف پریشاں کوئی

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہت غم افزا تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم غمگین رہتے تھے۔ حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات سے دو بڑے غمخوار اور جان نثار جدا ہو گئے۔ جن کی ہمدردیاں ہمیشہ ہر حال میں ساتھ رہتی تھیں۔ باقی صحابہؓ بھی فداکاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ لیکن کفارِ مکہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر غلام کو بے حد تنگ کر رکھا تھا۔ اور ہر ایک اپنی مصیبت میں گرفتار۔ یہی وہ زمانہ ہے جو اسلام پر بے حد سختی کا دور ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کو عام الحزن کا نام دیا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور جناب ابو طالب کی وفات کے بعد قریش کا ظلم و ستم اور بڑھ گیا: اور ان کی بے باکی میں اضافہ ہوا۔ ایک مرتبہ حضورؐ راستے میں کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک بدبخت نے سر مبارک پر کیچڑ پھینک دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ آپ کا سر مبارک دھلا رہی تھیں۔ اور رو رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹی روتی کیوں ہو۔ اللہ تعالےٰ خود تیرے باپ کی حفاظت فرمائے گا۔

طائف میں سیّد الانبیا کی تشریف آوری

مکے میں تبلیغ دین کے راستے میں قریش مکہ نے قدم قدم پر رکاوٹیں پیدا کر دی تھیں۔ اور قبولِ دین کی رفتار بے حد مدھم تھی۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض رسالت اس حال کو گوارا نہ کرتا تھا۔ اس لئے آپ طائف کی طرف روانہ ہوئے۔ طائف حجاز کا نہایت سرسبز اور شاداب مقام ہے۔ پہاڑی بلندیاں ہر قسم کی رونق اور آبادی سے گلزار بنی ہوئی ہیں۔ باغات کی کثرت ہے۔ میوہ جات کی بہتات ہے۔ اور مکے سے دو منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اللہ کے محبوب بہ نفسِ نفیس اہل طائف کو پیغامِ حق پہنچانے کی خاطر پا پیادہ تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت زیدؓ بن حارثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام آپؐ کے

ہمراہ تھے۔ طائف میں قبیلہ بنو ثقیف کے لوگ آباد تھے۔ اور دولت و ثروت اور کفر نے مل کر انہیں سیاہ باطن اور متکبر بنا دیا تھا۔ ان میں عُمیر کا خاندان سب سے زیادہ با اثر تھا۔ تین بھائی وہاں سردار تھے۔ (۱) عبد یا لیل (۲) مسعود (۳) حبیب۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان تینوں کے پاس تشریف لے گئے اور تینوں نے رحمتِ خداوندی کو پسند نہ کیا۔ اور کفر اور عصیان کی لعنت میں رہنا قبول کیا۔ فرمانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تینوں نے الگ الگ جواب دیئے۔ جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ باطل کے لئے حق کی انتہائی بلندی بھی آخری پستی کے برابر ہوتی ہے۔ اور باطل حق کی تاثیر کو قبول کرنے کا جوہر کھو بیٹھتا ہے

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى	اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر
سَمْعِهِمْ ۚ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ز	لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان
وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (سورۃ البقرہ)	کے لئے بڑا عذاب ہے۔

تینوں بھائیوں کی دریدہ دہنی

پہلے نے کہا۔ "اگر تجھے اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو تو کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے۔" دوسرے نے کہا کہ "اگر خدا کو رسول بنانا ہوتا تو مکے یا طائف کے کسی سردار کو بناتا۔ خدا کو تیرے سوا کوئی اور نہیں ملتا تھا۔" تیسرے نے کہا "میں تو آپ سے بات بھی کرنا نہیں چاہتا۔ اگر آپ رسول خدا ہیں تو بات کرنا بے ادبی ہے اور اگر آپ خدا پر جھوٹ بولتے ہیں تو پھر بات کرنا فضول ہے۔"

حق کی آواز حبیبِ خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلی۔ سردار انبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدل چل کر لوگوں کے دروازے کھٹکھٹائے۔ دلوں کو جھنجھوڑا جن کا ادنیٰ اشارہ اس قابل تھا کہ جان و مال قربان کر دیا جاتا۔ جن کا غلام بھی پیغام لاتا تو سردار اپنی سرداریاں اور حاکم تختِ حکومت قربان کر دیتے۔ لیکن ہُوا یہ کہ رحمتِ عالم خود چل کر آئے اور باطل پرستوں نے نہ صرف حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نورِ ربانی کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں اور ستایا۔ اور مخالفت میں اتنے بڑھ گئے کہ شہر کے اوباش لوگوں کو اکٹھا کر دیا اور بدبختوں کے اس مجمع نے پتھروں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

زخمی کیا۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولیں۔ تالیاں بجائیں اور فحش بکتے رہے۔ شیطان دیکھ رہا تھا۔ اور ہنس رہا تھا۔ اولادِ آدم کو دوزخ کا ایندھن بنانے میں وہ کامیاب تھا۔ سب سے بڑا پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری پیغام سنا رہا ہے اور آدم کے بیٹے مخالفت میں ڈٹے ہوئے ہیں اور حق دشمنی کا پورا پورا ثبوت دے رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیوں سے خون بہنے لگا۔ پاپوش مبارک تر بتر ہو گئے۔ اور سر مبارک چکرا گیا۔ آپ بیٹھ گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے۔ چلنے لگے۔ خدا کے دشمنوں نے پتھر برسائے۔ ایک باغ کی چاردیواری قریب تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے گئے۔ یہ باغ عتبہ بن ربیعہ کا تھا۔ یہ شخص طبعاً شریف تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ ترس کھایا اور اپنے غلام عداس نامی کے ہاتھ طشتری میں انگور رکھ کر بھیجے۔

ایک عیسائی کی سعادت کا ستارہ چمک اٹھا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عداس سے پوچھا کہ تمہارا کیا مذہب ہے؟ اس نے کہا میں عیسائی ہوں حضور نے کچھ حقائق ایسے بیان فرمائے کہ عداس متحیّر ہُوا۔ پھر نظرِ کرم فرمائی۔ غمزدہ دل میں حبیبِ خدا کی محبت بیٹھ گئی۔ پھر محبت جوش میں آئی۔ اور قدموں پر گرا۔ پاؤں چومے۔ ہاتھ چومے۔ پھر سر مبارک چوم لیا۔ اور مسلمان ہو گیا۔ اور کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ دراصل شکستہ دلی اور رنج و غم ہی آسمانی حقائق کے لئے دل کی زمین ہموار کرتے ہیں۔

؎ تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں (اقبال)

اس سفر میں بے انداز تکلیفیں سرورِ کائنات کو پہنچیں۔ جسم مبارک زخموں سے چور ہے۔ پنڈلیاں لہولہان ہیں۔ سر چکرا رہا ہے۔ ایک فرشتہ حاضر ہُوا۔ اور عرض کی۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمْ اگر آپ فرما دیں تو طائف کی پہاڑیاں ان ظالموں پر گرا دی جائیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہرگز نہیں۔ اگر انہوں نے اسلام قبول نہ کیا تو ان کی اولادیں اسلام قبول کریں گی۔ اس وقت حضور نے یہ دعا مانگی۔

طائف میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاَنْتَ رَبِّيْ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ اِلٰى بَعِيْدٍ يَجْهَمُنِيْ اَوْ اِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِيْ اِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِيْ وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ اَوْسَعُ لِيْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مِنْ اَنْ تُنَزِّلَ بِيْ غَضَبُكَ اَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ ؕ

الٰہی! میں اپنی کمزوری کی فریاد - اور بے سروسامانی کا شکوہ تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں اور لوگوں کی تحقیر کا معاملہ بھی - اے سب رحم کرنے والوں سے بڑے رحیم تو ہی عاجزوں کا مولا ہے - اور میرا مولا ہے - میرا معاملہ کس کے سپرد ہے! کسی غیر کے سپرد ہے - جو مجھ سے زیادتی کرے گا! یا کسی دشمن کے حوالے ہے! کہ میرا معاملہ تو نے اس کے سپرد کیا ہے - اگر تیری ناراضگی اس میں نہیں تو پھر کوئی حرج نہیں - لیکن تیری عافیت میرے لیے بہت فراخ ہے - میں تیری ذات کے نور کی پناہ میں آتا ہوں - جس سے ظلمتیں چمک جاتی ہیں اور دین و دنیا کے کام اس سے درست ہوتے ہیں - اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تو مجھ سے ناراض ہو جائے - یا تیری سختی مجھ پر نازل ہو - رضامندی تیری ہی رضامندی ہے اور کوئی قوت تیری ذات گرامی کے بغیر نہیں -

طائف سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی واپسی

سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضِ رسالت ادا فرمایا۔ طائف کی سرزمین جلوۂ حبیبِ خدا سے پورنور ہوئی۔ لیکن انسانی قلوب کے ظلمت کدے ویسے ہی تاریک رہے اور اہلِ طائف نے حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دیا، ستایا اور سوائے عداس نصرانی غلام کے کسی ایک نے بھی دولتِ اسلام سے حصہ نہ پایا۔ حضور طائف سے واپس تشریف لائے۔ نخلہ مقام پر چند روز قیام فرمایا۔ پھر حرا میں آئے اور مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ قریش کے ظلم و تعدّی سے تم میری امداد کر سکو گے؟ مطعم نے حمایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ کر لیا۔ پہلے بھی یہ شخص اس جماعت میں شامل تھا۔ جس نے بنو ہاشم کے خلاف کئے گئے معاہدہ کو پھاڑ ڈالا تھا۔

عرب کا دستور تھا کہ جس کی حمایت کا عہد کرتے اس کو نبھاتے۔ مطعم نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا۔ وہ حرمِ کعبہ میں ہتھیار لگا کر آئے۔ ادھر سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں تشریف لائے۔ مطعم بھی اونٹ پر سوار ہو کر آیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حرم کے قریب آئے۔ تو مطعم نے اعلان کیا کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں ہوں۔ حبیبِ خدا حرم میں داخل ہوئے۔ نماز ادا فرمائی اور اپنے دولت خانے میں تشریف لے گئے۔ مطعم بن عدی کے تمام بیٹے ہتھیار لگائے دارالنبی صلی اللہ علیہ وسلم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ مطعم بن عدی نے اسلام قبول نہیں کیا لیکن دو مرتبہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی۔ یہ شخص جنگ بدر سے پہلے فوت ہو چکا تھا۔ حضرت حسانؓ مداحِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وفات پر مرثیہ لکھا۔

اعمال کے ذرہ ذرہ کی جزا ہے۔ جب سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو ابولہب نے ایک غلام آزاد کیا۔ ابولہب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ہونے کے باوجود کفار کا سرغنہ تھا۔ اور

آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ تکلیفیں پہنچائیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے پیدائش رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پرخوشی منانے اور غلام آزاد کرنے کے عمل کو ضائع نہیں فرمایا۔ جس روز یہ عمل ہوا۔ سال میں اس دن ابولہب کے عذاب میں اللہ تعالےٰ تخفیف فرما دیتے ہیں۔

فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ۔ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۔ (سورہ الزلزال)

جس نے ایک ذرے کے برابر نیک عمل کیا۔ وہ اسے (یعنی اس کا انعام اپنے حصّے میں) دیکھے گا۔ اور جس نے ایک ذرّے کے برابر برائی کی وہ بھی اس کا عذاب اپنی جان پر مسلط) دیکھ لے گا۔

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کا مختلف قبائل میں جانا

عرب کی زمین لق ودق بیابان ہے۔ صرف آب ودانہ ہی کی کمی نہیں بلکہ ہدایت کے نور کی تابانی بھی ہزارہا سال سے ختم ہے۔ صدیاں گزر گئیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے توحید کا بیج بویا تھا۔ سعادتمند روحوں نے پھل اٹھایا۔ پھر ناخلف لوگ ایسے آگئے جنہوں نے توحید کے یوسف کو کھوٹے داموں بیچ دیا۔ اور بت پرستی کا دیو ایمان کے موتیوں کے بدلے خرید لیا۔ تکبّر اور غرور نے اہل عرب کے جسم میں جان کی صورت اختیار کرلی تھی۔ فسق وفجور اور مردم آزاری ان کی غذا بن چکے تھے۔ ان کے راہنما خود بہت بڑے رہزن تھے۔ شاعر اپنی شاعری سے صرف پوشیدہ جذبات کی عریانی کا کام لیتے تھے۔ یعنی آجکل کی اصطلاح کے مطابق بزعم خویش ترقی پسند تھے۔ قبیلوں کے سردار ہی ان کے بادشاہ تھے۔ جن کی حمایت اور فرمانبرداری وہ اپنے اوپر فرض سمجھتے تھے۔ اور سردار نافرمانیوں اور بے راہ رویوں میں رہ رہ کر بالکل کور باطن بن چکے تھے۔ اور خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ کی بولتی ہوئی تصویر تھے۔ اس حال میں ان کی اصلاح، درستی اور ان کے ظاہر وباطن کی تبدیلی کس قدر مشکل تھی۔ اور یہی مشکل ترین کام اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا۔ رسالت اور نبوت کی ذمہ داریاں کس قدر گراں ہیں۔ پتھر کو نرمانا آسان ہے۔ لیکن متکبّر خود پرست اور گمراہ انسان کو راہ راست پر لانا مشکل ہے۔ پھر

ایک دو نہیں، دس بیس نہیں۔ ساری کی ساری اکھڑ قوم کے زنگ آلود دلوں کو چمکانا کتنا مشکل ہے۔ اور یہی وہ بوجھ ہے جس کی طرف قرآن کریم کا اشارہ ہے۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (سورہ انشراح)

ہم نے وہ بوجھ آپ سے ہٹا لیا۔ جس نے آپ کی کمر توڑ دی۔

یہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ ایک قلیل عرصہ میں سارے عرب کی کایا پلٹ دی۔ اور ایسے مردانِ کامل تیار فرمائے۔ جو مشرق و مغرب میں اپنا نورِ قلب لے کر پھیل گئے۔ اور دشت و جبل میں۔ بلندیوں اور پستیوں میں خشکی اور تری میں خدا کا پیغام پہنچا دیا۔

قبائلِ عرب کے علاوہ عرب کے میلوں میں تبلیغِ حق

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فریضۂ رسالت کو ادا کرنے کے لئے ہر طرح کی تکالیف برداشت فرما رہے تھے۔ طائف پیدل چل کر گئے۔ اور عرب کے مختلف قبیلوں میں تشریف لے گئے اور جہاں بھی کوئی اجتماع ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں پیغامِ خدا پہنچایا۔ ادھر اللہ تعالیٰ سے محبت کامل۔ ادھر انسانیت سے پوری ہمدردی۔ اس لئے حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغامِ حق پہنچانے کا عشق تھا۔

عرب میں مختلف میلے قائم ہوتے تھے۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں بھی تشریف لے جاتے عُکاظ[1] عرب کا مشہور میلہ اور قومی تہوار تھا۔ وہاں ہر فن کے لوگ اپنے اپنے فن کا کمال دکھاتے اور نام پاتے تھے۔ قبیلے کے قبیلے وہاں اکٹھے ہوتے۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عُکاظ کے موقع پر تشریف لے جاتے اور تبلیغِ حق فرماتے۔ مجنّہ اور ذوالمجاز[2] بھی ایسے ہی میلے تھے۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] عکاظ زمانہ جاہلیت میں مکہ اور طائف کے درمیان ایک بازار لگتا تھا۔ ذی القعدہ کی پہلی تاریخ سے شروع ہوتا اور بیس روز تک رہتا۔ ہر طرف سے قبائل عرب وہاں اکٹھے ہوتے اور شعرا کا مقابلہ ہوتا اور اپنے آباؤ اجداد پر مفاخرت کی جاتی۔ اسلام کے غلبے سے ایسی سب چیزیں بند ہو گئیں [2] ذوالمجاز عرفات سے تین میل کے فاصلہ پر ایک بازار لگتا تھا جہاں قبائل عرب اکٹھے ہوتے تھے۔

تشریف لے جاتے اور فرضِ رسالت ادا فرماتے۔

قبائل عرب

عرب کے لوگ قبائل میں تقسیم تھے۔ ہر قبیلہ اپنے نام اور اپنے بزرگوں کے کارناموں پر فخر کرتا تھا۔ اس وقت کی تہذیب نسب، مذہب اور معاشرت سب کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ شرک اور فسق و فجور سب کی گھٹی میں پڑے تھے۔ خانہ جنگیاں ان کی عزت کا مظاہرہ ہوتی تھیں۔ بت پرستی نے دل و دماغ اندھے کر دیئے تھے۔ اور حقیقت کی قدر و قیمت کو نظروں سے گرا دیا تھا۔ مشہور قبائل یہ ہیں۔ جن کو پیغام حق سنانے کی خاطر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اوقات میں تشریف لے گئے۔

بنو نضر، بنو عامر، حارث بن کعب، حنیفہ، حضارمہ، سلیم، عبس، عذرہ، غسّان، فزارہ، کندۃ، کلب محارب، مُرہ۔ یہ سب قبیلے بت پرست تھے۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پیغام حق سنانے اور تبلیغ رسالت کے لئے تشریف لے جاتے۔ تو ابولہب گمراہی اور ضلالت کا نمائندہ بن کر وہاں پہنچ جاتا۔ اور حضور کے اثر کو مٹانے کی کوشش کرتا۔ اور آپ کی تکذیب کرتا۔

مسیلمہ کذاب کا قبیلہ بنو حنیفہ تھا۔ یہ لوگ یمامہ میں آباد تھے۔ اور مسیلمہ ہی اس قبیلے کا سردار تھا۔ اس قبیلے نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت سختی سے جواب دیا۔ قبیلہ بنی ذہل ابن[1] شیبان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ اس سفر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ ہمراہ تھے۔ اس قبیلے کا ایک سردار مفروق تھا۔ صدیق اکبرؓ نے اسے مخاطب فرمایا کہ تمہارے ہاں جس پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے ہوتے رہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ مفروق نے حضور سے کہا کہ آپ کیا ہدایت کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہ اللہ ایک ہے اور میں اس کا رسول ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی آیات پڑھیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ — آپ کہہ دیں کہ آؤ میں بیان کروں کہ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] حضرت امام احمد ابن حنبل اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔

عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ
بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا
اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ
وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا
النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ
ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ۝ (سورہ انعام)

تم پر کون سی چیزیں حرام کی ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے ساتھ
کسی کو شریک نہ کرو۔ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ
بھلائی کرو۔ اور اپنے بچوں کو مفلسی کے ڈر سے قتل
نہ کرو۔ ہم تم کو روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی۔ اور
بے حیائی کے قریب نہ پھٹکو۔ وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ
اور کسی آدمی کو قتل نہ کرو۔ جس کو اللہ تعالےٰ نے
حرام کیا ہو۔ مگر حق پر۔ اللہ تعالےٰ تمہیں یہ ہدایت
فرماتے ہیں۔ شاید تم سمجھ جاؤ۔

مفروق کے علاوہ اس قبیلہ کے رئیس مثنیٰ اور ہانی بھی تھے۔ وہ بھی اس محفل میں موجود تھے۔ سب نے کہا کہ آبا و اجداد کا دین ہم یک دم کیسے چھوڑ دیں۔ اور بادشاہ ایران سے ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے۔ کہ ہم کسی اور کے زیر اثر نہ رہیں گے۔ چونکہ ان کا سلوک ہمدردانہ تھا اور باتیں بھی شرافت سے کیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اپنے دین کی آپ مدد کریگا

باریک ترازو (عمل کا ذرہ ذرہ تل رہا ہے)

انبیاء علیہم السلام کا تعلق توحید سے ہوتا ہے اور توحید کی لطافتیں انتہائی درجے کی لطافتیں ہیں جہاں عمل کا ذرہ ذرہ تل رہا ہے۔ اس لئے توحید کے اثر سے نبوت کی قدر دانی بھی چھوٹے سے چھوٹے عمل پر رہتی ہے۔ اور جس جس نے نبوت کے سرچشمہ سے جتنا فیض حاصل کیا۔ اتنی ہی وسعت اور لطافت اس کی نگاہوں میں آگئی اور قدر دانی بڑھ گئی۔

قبیلہ بنی ذہل ابن شیبان بھی دوسرے قبائل کی طرح ایمان کی دولت سے سرفراز نہ ہو سکا۔ لیکن اس قبیلے کے افراد نے حضور شفیق دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ دی۔ اور پریشان نہ کیا اور تہذیب کے دائرے میں رہ کر عذر پیش کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ ادا بھا گئی۔ اور آپ نے ان کی تعریف فرمائی۔ اب ہماری حالت یہ ہے۔ کہ ہزار پسندیدہ اعمال کر دکھاؤ۔ لاکھ نیکی جمع کر لو لیکن اگر کسی کی نظر میں تمہارا ایک فعل نہ جچا تو وہ کی ہوئی سب بھلائیوں کو بھلا دیگا۔ ان سب کی نفی کر دے گا۔ اور جی بھر کر تمہاری مذمت کرے گا۔ پھر اتباع رسالت کا دعوے کتنی بلند آہنگی سے کیا جاتا ہے۔

قبیلہ بنو عامر میں حضورؐ تشریف لے گئے۔ اس قبیلے کے ایک سردار عداس نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ اور آپ کی گفتگو سنی۔ تو کہا کہ اگر یہ شخص مجھ کو مل جائے تو میں سارے عرب کو تابع بنا لوں۔ پھر کہا کہ اگر ہم آپؐ کی مدد کریں اور آپؐ اپنے مخالفوں میں فتحیاب ہو جائیں۔ تو کیا آپ کی جانشینی ہم کو ملے گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ کہنے لگا کہ عرب کے مقابلے میں ہم آئیں اور حکومت غیروں کے ہاتھ میں جائے۔ ایسی بات ہم پسند نہیں کرتے ہر کافر دل اور کافر دماغ کے سامنے سوائے دنیوی منفعت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ وہ دنیا کی ریاست پر مرتا ہے۔ اور دنیوی جاہ و جلال کا حصول اس کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے۔ لیکن اسلام اور ایمان کی نگاہیں دنیا سے گزر کر آخرت پر جا لگتی ہیں۔ اہل ایمان دنیوی ریاست کو اپنے لیئے بوجھ سمجھتا ہے اور اس کے حصول کے لیئے اپنی زندگی کا کوئی حصّہ نہیں دیتا۔ ہاں اس کی قابلیت اور اہلیت کو دیکھ کر اللہ تعالےٰ اگر اسے اس ذمہ داری کا بوجھ دیدے تو اس شان سے نبھاتا ہے کہ گویا اللہ تعالےٰ کا نائب ہے اور اس کے سامنے جوابدِہ۔ ایسے امیر کا وجود دنیا کے لیئے رحمت ہوتا ہے۔ اور وہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا عکس ہوتا ہے۔ زندہ رہتا ہے تو وہ عالم کے لیئے رحمت ہوتا ہے اور مرجاتا ہے تو اللہ تعالےٰ کی رحمتیں اس کے لئے وقف ہوتی ہیں۔

سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف

ز حسن ز بصرہ۔ بلال از حبش۔ صہیب از روم
ز خاکِ مکہ ابو جہل ایں چہ بو العجبی است

جس آفتاب کی شعاعیں عرش و فرش کو منور کر رہی تھیں۔ ارواح جن و بشر جس کی غلامی۔ کے لیئے

اپنے اپنے عالم میں بے قرار تھیں۔ پیغمبروں کی روحیں جس کے امتی بننے کی آرزومند تھیں۔ وہ حبیبؐ کبریا مکے کی سرزمین میں اپنا نورانی جلوہ دکھا تا ہے اور ظلمتِ کفر میں رہ رہ کر اپنی بصیرت کی آنکھیں برباد کردینے والے قریش مکہ نہ صرف آپؐ کی اولوالعزمی کا انکار ہی کرتے ہیں۔ بلکہ حضور کو ہر قسم کی روحانی اور جسمانی تکلیفیں بھی دیتے ہیں۔

قریش کے سردار ابوجہل۔ ابولہب۔ اسود بن عبدیغوث۔ ولید بن مغیرہ۔ امیۃ بن خلف۔ نضر بن حارث منبہ بن حجاج۔ عقبہ بن ابی معیط۔ حکم بن ابی العاص وغیرہ یہ سب مکے کے رؤسا تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہتے تھے۔ اور چونکہ اسلام دشمنی میں بھی انہی کا قدم سب سے آگے تھا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔ یہ لوگ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھاتے۔ راستے میں کوڑا کرکٹ گرا تے۔ نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے۔ آپ کو جادوگر کہتے شریر لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگاتے۔ آپ قرآن کریم بلند آواز سے پڑھتے تو وہ تالیاں بجاتے۔ اللہ اور اس کے رسول کی شان میں بکواس کرتے۔

ایک مرتبہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حرم مبارک میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آج کوئی ہے جو اونٹ کی اوجھ اٹھا لائے۔ اور جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جائیں تو وہ ان کی گردن پہ ڈال دے۔ عقبہ نے یہ شقاوت اپنے ذمے لی۔ گیا اور ایک اوجھ نجاست بھرا اٹھا لایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ میں گئے تو آپ کی گردن پر رکھ دیا۔ کسی نے حضرت فاطمہ دختر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ آپ اس وقت پانچ برس کی تھیں۔ وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور اوجھ آپؐ کی گردن سے اٹھایا۔ اور عقبہ کو بددعا دی۔

یہی دشمنِ خدا عقبہ ہی تھا کہ نماز کی حالت میں آپؐ کی گردن مبارک میں چادر ڈال دی اور کھینچنے لگا حضرت ابوبکر صدیقؓ اتفاق سے آگئے۔ عقبہ کے ہاتھ سے چادر چھڑالی۔ اسے برا بھلا کہا۔ اور کہا کہ تم اس ہستی کے جان لیوا ہو رہے ہو جو اللہ کو وحدہٗ لاشریک بتاتی ہے۔

بہت سے اجتماعوں میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے تو ابولہب وہاں ضرور پہنچتا۔ اس

بدبخت نے اپنے اوپر لازم کر رکھا تھا کہ یہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے نورِ اسلام و ایمان پیش فرماتے اور یہ نابنجار ظلمتِ کفر پھیلاتا اور حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتا۔

ذوالمجاز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ وہاں ابوجہل بھی پہنچ گیا۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجمع کو مخاطب فرمایا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہو۔ ابوجہل گستاخی کر کے آگے بڑھا حضور پر نور حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی پھینکی اور کہا "دیکھو اس کے دھوکے میں نہ آنا۔ یہ تو دو کہتا ہے کہ تم لات و عزّٰی کی پرستش چھوڑ دو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّی زندگی

سرورِ کائنات فخرِ دو عالم تیرہ سال مکّے میں تبلیغِ حق میں مصروف رہے۔ اور اس طویل عرصے میں ہر طرح کی جسمانی اور روحانی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ آپؐ کے غلاموں کو ہر طرح سے مصائب میں مبتلا کیا گیا۔ غریب اور بے کس مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ حضرت بلالؓ۔ حضرت خُبابؓ۔ حضرت عمار بن یاسرؓ وغیرہم کو وحشیانہ سزائیں صرف اسلام لانے کے جرم میں دی گئیں۔ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد نے لرزہ خیز مظالم سے تنگ آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حبشہ کو ہجرت کی۔ شعب ابی طالب میں تین سال تک محصور رہنا پڑا۔ جس سے عورتوں مردوں اور بچوں نے ناقابلِ برداشت مصائب اٹھائے

دراصل مکّی زندگی نمونہ ہے اہلِ حق کے لئے ہر گونہ مجاہدات کا۔ کہ راہِ خدا میں پھولوں پر چلنا نہیں ہے۔ یہ راستہ کانٹوں بھرا راستہ ہے۔ اور اس راستے میں ہر قدم پر آبلے پھوٹتے ہیں۔ لیکن طالبِ مولا صبر کا پیالہ پی کر چلتا ہے۔ آزمائش اور امتحان کی اس خار دار وادی کو مردانہ استقلال سے طے کرتا ہے تعلق باللہ کا نشہ اسے ہر وقت سرشار رکھتا ہے۔ وہ گھبراتا نہیں۔ بے قرار نہیں ہوتا۔ وہ اپنی زندگی کے ہر لمحے کو امتحان کی گھڑی سمجھتا ہے۔ اور اس امتحان میں کامیابی ہی اس کا مقصودِ حیات ہوتا ہے۔

قرآنی تاریخ

قرآنی تاریخ پر غور کیا جائے تو یہ چیز بڑی واضح نظر آتی ہے۔ کہ تمام انبیا علیہم السلام کو انتہائی ناگوار حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ اور ہر ایک پیغمبر کو بھاری امتحانوں میں مبتلا کیا گیا۔ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے انبیا کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ان کے مصائب، ان کے رنج و محن کو بیان فرمایا گیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسےٰ علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ طیبہ ہمارے سامنے ہے۔ قرآن کریم میں ان انبیاء کرام کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ اور ان کی زندگی کی تعمیری صورت کا نقشہ نہایت واضح الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ کہ ایک ایک کو کس طرح مصائب، مشکلات اور ناگوار حالات کی بھٹی میں ڈال کر گرمی پہنچائی گئی۔ اور کس صبر و تحمل اور کس عزم و استقلال سے انہوں نے مصائب برداشت کئے۔

استقامت ہی شرطِ کامیابی ہے

اگرچہ امتحان اور مجاہدہ کی بھٹی سے نکلنا بھی ضرور ہے اور اپنی اپنی کوشش اور محنت کے نتائج کو دیکھنا بھی سنتِ جاریہ اور فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (سورہ انشراح) (ترجمہ: بے شک تنگی کے ساتھ فراخی ہے بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے) کی بشارت پر بھی ایمان کامل۔ تاہم مجاہدات میں پڑ کر حواس ظاہری آہستہ آہستہ کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ اور باطنی قوتیں بیدار ہو ہو کر اس قدر مضبوط اور ہشیار ہو جاتی ہیں کہ پھر مادی دنیا کی راحت اور سرور کا حصول اور عزت و وقار دنیوی تک پہنچنے کو مقصود حیات بنانا تو کجا، اس سے فائدہ اٹھانا بھی پیشِ نظر نہیں رہتا۔ بلکہ دل و نگاہ صرف آخرت کی بھلائی اور اللہ کی رضا کی طلب میں جیتے ہیں۔ جب یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو ایک طرف تو احساسِ مصیبت کم ہو جاتا ہے۔ اور دوسری طرف کامیاب زندگی کی بشارتیں عالمِ غیب سے پہنچنا شروع ہو جاتی ہیں۔

لے اس عنوان کی ذیلی سرخیاں نشان ستارہ پر ختم ہوتی ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ
اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ
أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا
بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝
نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي
أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝
نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ۝ (سورہ حم السجدہ)

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا پروردگار مان لیا اور پھر پامردی سے اس پر قائم رہے - ان پر فرشتے اترتے ہیں - کہ تم نہ خوف کھاؤ نہ غم کرو - اور اس جنت کی خوشخبری حاصل کرو جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا رہا ہے - (اور فرشتے کہتے جاتے ہیں) کہ ہم تمہارے دوست ہیں - دنیا کی زندگی میں اور آخرت کی زندگی میں - اور وہاں تمہارے لیئے وہ سب کچھ ہے جس کی تم خواہش کرو گے اور جو بھی تمہارا مدعا ہوگا - اور یہ سب کچھ بخشنے والے مہربان کی پہلی نوازش ہوگی -

ایمان کی تکمیل کب ہوتی ہے؟

احساس مصیبت ہی اصل مصیبت ہے اور اس کا کم ہونا نعمتِ خداوندی ہے - ہر محنت اور ہر تکلیف کسی اچھے نتیجے کی امید پر برداشت کی جاتی ہے - اور نتیجے کا تصور تکلیف میں سرور سے بھری ہوئی ایک کیفیت بھر دیتا ہے - پھر ہر دکھ آسانی سے برداشت ہوتا ہے - یہ صورت تو دنیوی نتائج کی ہے کہ ہر ایمان والے اور غیر ایمان والے کے لیئے برابر ہے - لیکن ایمان کے نظریات تو اتنے بلند ہیں کہ اگر یقین کی پختگی پیدا ہو جائے تو پھر ہر قربانی آسانی سے دی جا سکتی ہے - جان و مال کا سودا کرنے میں ذرہ برابر بھی دریغ نہیں ہوتا - بلکہ ایمان کی ابتدا اس جانبازی اور انتہائی قربانی سے شروع ہوتی ہے

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ (سورہ التوبہ)

بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے جان و مال جنت کے بدلے خرید لیئے ہیں -

يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ
وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي

اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں - مارتے ہیں اور مرتے ہیں - اللہ تعالیٰ کے ذمے یہ سچا وعدہ ہو چکا - توریت

التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ط وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ہ (سورہ التوبۃ)

میں انجیل میں اور قرآن میں۔ اور اللہ تعالےٰ سے زیادہ کون ہے اپنے قول کا پورا۔ پس تم خوشیں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اس سے کیا اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

اور مومنین کی صفت میں صرف یہ نہیں کہ وہ جان، مال کی پروا نہ کریں۔ بلکہ ان کی دائمی صفات اور بھی ہیں جن پر حیاتِ روحانی کا مدار ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ط وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورہ التوبۃ)

وہ توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد بیان کرنے والے (لوگوں سے) بے تعلق رہنے والے رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیک بات کا حکم دینے والے، بری بات سے منع کرنے والے اور اللہ تعالےٰ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

فوز العظیم کیا ہے؟

گویا ایمان کی تکمیل بھی اس سودے سے ہوتی ہے اور مومن، مومن کہلانے کا مستحق بھی تب ہی ہوتا ہے۔ جب اس بیع و شرا کی تصدیق عملی کرتا ہے۔ اور یہ سودا گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے اور اتنا بڑا فائدہ کہ مولا کریم کی زبان میں اسے فوز العظیم کہا گیا ہے۔ اور جنت کی نعمتیں جو تشبیہی رنگ اور تمثیلی صورت میں بیان ہوئی ہیں۔ ان کا حصول ایسی کامیابی اور کامرانی ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی کامیابی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔

مَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ط

جو شخص جہنم سے بچایا گیا۔ اور جنت میں داخل ہوا بے شک وہ کامیاب ہوا۔

انبیا علیہم السّلام کے مصائب اور امتحانات

حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھاری بھاری امتحان اسی زمین پر ہوئے۔ سب سے پہلے آسمان کی عالیشان زندگی کو چھین لیا گیا۔ پھر زمین پر فراقِ دوست میں تین سو سال خون کے آنسو بہاتے رہے۔ ہزار ہا مجاہدوں کے بعد تجسس اور مقبولیت کا راستہ اس دعا کے الہام کرنے سے تبلایا گیا۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ۔

یا اللہ! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ اگر تو نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور ہم پر ترس نہ کھایا تو ہم نامراد ہو جائیں گے۔

توبہ قبول ہوئی اور باقی تمام زندگی رنج ومحن میں گزری۔

حضرت نوح علیہ السلام نہایت جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ ایک ہزار برس عمر پائی۔ ساڑھے نو سو سال تبلیغِ رسالت میں مصروف رہے۔ ہبوطِ آدم علیہ السلام کو کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی۔ آسمانی واقعات ابھی تازہ تازہ تھے۔ رسالت پیہم اپنے فرائض انجام دے رہی تھی۔ اور ہدایت کے سامان اندر باہر سے برابر پھوٹ رہے تھے۔ لیکن نفس اور شیطان کی ملی بھگت نے انسانیت کا بیڑا غرق کر دیا۔ اور قوم نے اپنے پیغمبر کی عزت افزائی اور اطاعت کامل کی بجائے انہیں ہر طرح کی جسمانی، روحانی تکلیفیں پہنچائیں۔ استہزا کئے ہدایت کے سرچشمہ سے ایک گھونٹ پانی نہ پیا۔ اور اپنی لہو ولعب میں ایک ہزار سال تک پیغمبرِ خدا کی ایک بات نہ مانی۔ ان کی نسلیں بدلتی بھی رہیں۔ نئے نئے لوگ آتے بھی رہے، لیکن سب اسی پرانے ڈھرے پر چلتے رہے۔ اور نوح علیہ السلام سے دشمنی سب کا متفقہ مشن رہا۔ تا آنکہ پیغمبر دشمنی اور ہدایت سے استہزا کا بیج اپنا پھل لایا۔ اور قومِ نوح کی جڑ کاٹ دی گئی۔ آسمان سے اترے ہوئے نورِ ہدایت کو ٹھکرانے کی پاداش میں آسمان ہی سے عذابِ الٰہی پانی بن کر برسا۔ زمین نے جگہ جگہ پانی کے چشمے بہا دیئے۔ اور پانی جو حیاتِ عالم کا ذریعہ ہے۔ یہی زندگی کا ذریعہ قومِ نوح کی موت کا سبب بن گیا۔

پانی اوپر نیچے سے بہ رہا تھا۔ اور اس کی سطح بلند سے بلند تر ہو رہی تھی۔ تا آنکہ پہاڑوں کی

بلندیوں تک جا پہنچا۔ اور سوائے ان چند نفوس کے جنہوں نے ہدایت کے نور کو سینے میں جگہ دی اور نوح علیہ السلام کے بیڑے میں سوار ہوئے۔ باقی سب عذاب الٰہی کی موت مر گئے۔ پیغمبر کا اپنا بیٹا کنعان جو بُری صحبت سے اثر پذیر تھا۔ اور والد کی تعلیمات و ہدایات کی پروانہ کرتا تھا اسے بھی امن و امان کا کوئی ٹھکانہ نہ ملا۔ اور عذاب الٰہی کی طوفانی رَو نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ایک ایک لمحہ کڑی آزمائشوں سے بھرا ہُوا ہے۔ جوانی میں بے انتہا تکالیف کے بعد آگ میں ڈالے گئے۔ (جس کو اللہ جل شانہٗ نے معجزانہ طور پر گلزار بنا دیا) پھر بڑھاپے میں بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ہُوا۔ اس کے علاوہ تمام عمر محبوب حقیقی کو خوش کرنے کی غرض سے اپنی خواہش اور اپنا وجود قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت مستعد اور تیار رہا کئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی آزمائش اس طرح ہوئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام سے انہیں پدری محبت کے علاوہ کمال درجے کا عشق بھی تھا اور ان کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے۔ اللہ تعالےٰ نے اسی محبوب فرزند کے متعلق انہیں آزمایا۔ اور آزمائش کا طریقہ بھی عجب تھا۔ اپنے ہی بیٹوں نے ایک محبوب فرزند کو بوڑھے باپ سے جدا کر دیا۔ اور اس جدائی نے اتنا طول کھینچا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام فراق یوسف میں رو رو کر نابینا ہو گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام رسول اور نبی ہونے کے علاوہ حسینانِ عالم کے سرتاج تھے۔ خود بھی نبی تھے۔ اور نبی کے بیٹے بھی تھے۔ اللہ تعالےٰ کی آزمائش نے اور محبوبِ حقیقی کے امتحان نے انہیں بھی اچھی خاصی کٹھالی میں ڈالا۔ کوئیں میں گرائے گئے۔ بازارِ مصر میں بکتے رہے۔ ناجائز تہمتیں لگائی گئیں۔ قید خانے کی مصیبتیں جھیلیں۔ تب کہیں جا کر امتحان کی دشوار گھڑیاں ختم ہوئیں۔ پھر بھی ساری عمر اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہے۔ اور دعائیں مانگتے رہے۔

اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ٥ (سورہ یوسف)

(اے اللہ) دنیا اور آخرت دونوں جہان میں تو ہی میرا کارساز ہے۔ مجھے اپنی فرمانبرداری پہ موت دینا۔ اور صالحین کی جماعت میں مجھے شامل فرمانا۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام کی تمام عمر بڑے بڑے امتحانوں اور بھاری آزمائشوں میں گزری۔ پیدا ہوتے ہی دریائے نیل میں ڈال دیئے گئے۔ جوانی میں ایک قبطی کو تھپڑ مارا اور وہ بدنصیب مر گیا۔ فرعون والوں کی بازپرس کے خیال سے مصر سے چلے گئے۔ اور حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں پناہ لی۔ دس سال تک ان کی خدمت کی۔ پھر اسی فرعون کے پاس اللہ تعالےٰ نے انہیں بھیجا کہ یہ اس کی اصلاح کریں۔ اور اس کے حالات کو بدلیں۔ فرعون سے کئی مقابلے ہوئے۔ آخر فرعون کو اللہ تعالےٰ نے غرق کیا۔ اور موسےٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کی شر سے بھرپور طبع کی اصلاح میں لگے رہے۔ اور بنی اسرائیل تھے کہ کسی طرح اپنی شرارتوں سے باز نہ آتے تھے۔ اسی حال میں اپنی قوم کو چھوڑا اور اپنے محبوبِ حقیقی سے جا ملے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی عمر ذاتی امتحانات اور تبلیغی دشواریوں میں گزری۔ آخر ان کی صرف ایک لطیف چوک پر اللہ تعالےٰ نے پکڑ لیا۔ اور ایسا سخت امتحان لیا کہ الامان۔ الحفیظ۔ مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن تک رہے۔ کھال اتر گئی۔ جسم گل گیا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمتِ خاصہ سے دعا تلقین فرمائی۔ ان کی محنت ٹھکانے لگی اور مصیبت ٹلی۔ حضرت یونس علیہ السلام کی دعا یہ ہے۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ — اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے اور میں ہی ظالموں میں ہوں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش اور ان کی ابتلا سب سے نرالی ہے۔ مال اور اولاد کی پوری تباہی کے بعد جسمانی تکلیف نے انتہا کر دی۔ جسم میں کیڑے پڑ گئے۔ بدبو آنے لگی۔ سارے جہان کو ان سے نفرت ہو گئی۔ حالانکہ یہ اس وقت روئے زمین کے بہترین انسان تھے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ طالبین مولا کے لئے بہترین نمونہ ہے۔

جوں جوں ان کی تکالیف بڑھتی تھیں توں توں ان کا صبر بھی بڑھتا تھا۔ اور ابتلا کی تمام مدت صبر کی نعمت سے سرفراز رہے۔

حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے روح اللہ کا خطاب پایا۔ اور وہ وہ کمالات اپنی روحانی قوت سے دکھلائے کہ ہمیشہ عقلیں دنگ رہیں گی۔ مُردوں کو قُم بِاِذْنِ اللہ کہہ کر زندہ کیا۔ کوڑھیوں کو صرف دم کرنے سے

تندرست کیا۔ مادرزاد اندھوں کو اچھا کیا۔ لیکن پھر بھی بنی اسرائیل کی شرارتوں اور ان کی ایذا رسانیوں سے بچ نہ سکے۔ اور ان کی قوم بنی اسرائیل نے تو عیسےٰ دشمنی میں حد کر دی۔ کہ اپنے زعم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ یہ اللہ کا فضل و کرم ہوا کہ ان کو آسمان پر اٹھا لیا گیا۔

گویا صالحیت کی شرط اوّل آزمائش اور امتحان ہے۔ استعداد کے مطابق ہر ایک کو ابتلا میں ڈالا جاتا ہے اور پھر شانِ بے نیازی ہے کہ چاہیں تو اسی ابتلا میں ہمیشہ کے لئے دنیا کی نظروں سے اوجھل فرما دیں اور چاہیں تو آزمائش کی گھڑیاں گزار کر دنیا کو دکھلا دیں کہ

ع یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝

ہم تم کو بالضرور کسی چیز سے آزمائش میں مبتلا کریں گے خوف سے، بھوک سے، اور مال کے نقصان سے۔ اور جانوں کے نقصان سے اور پھلوں کے نقصان سے اور آپ (اے رسول اللہ) خوشخبری دیں صبر والوں کو۔ وہ جن پر مصیبت آتی ہے۔ تو وہ کہتے ہیں۔ بے شک ہم اللہ تعالےٰ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ (سورہ البقرہ)

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۝ (سورہ عنکبوت رکوع ۱)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔ ہم نے ان لوگوں کو بھی آزمایا تھا جو ان سے پہلے ہو گئے ہیں تو اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو ضرور معلوم کریگا۔ جو سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی ضرور معلوم کر کے رہے گا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ

اے مسلمانو! ہم تم کو ضرور آزمائیں گے تاکہ مجاہدین کو

وَالصَّابِرِيْنَ وَنَبْلُوَا أَخْبَارَكُمْ
(سورۂ محمد رکوع ۴)

اور صبر کرنے والوں کو ہم معلوم کریں اور تمہاری اصلی حالت کو جانچ لیں۔

وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ط وَإِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝
(سورۂ انبیاء رکوع ۳)

اور ہم تم کو بھی بری اور بھلی حالتوں میں رکھ کر آزمائیں گے اور تم سب کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (سورہ بنی اسرائیل)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ جس کے چاروں طرف ہم نے برکت دی ہے۔ تاکہ ہم اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں بیشک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

عالمِ دُنیا اور عالمِ آخرت

عالم دنیا کی حیثیت اس جہاں کے مقابلے میں جس کی تیاری کے لیئے دنیا کو فرودگاہ بنایا گیا ہے اتنی ہے جتنی ایک ستارے کی حیثیت تاروں بھرے آسمان میں۔

وہی عالم ہمارا مبدأ بھی ہے اور معاد بھی۔ اور اس عالم سے روشناس کرانے کے لیئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں تشریف لائے۔ اس عالم کا مشاہدہ چہرے کی آنکھ کے لیئے ناممکن ہے۔ دل کی آنکھ اس کے مشاہدے کے لیئے بنائی گئی ہے۔

چشمِ ظاہر و چشمِ باطن کا فرق

چہرے کی آنکھ کی فطرت یہ ہے کہ یہ دیکھے۔ اور اگر اسے بند کرنا ہو تو ارادہ اور عمل دونوں حرکت میں

آئیں۔ بخلاف سینے کی آنکھ کے جس کی فطرت یہ ہے کہ وہ بند پیدا کی گئی ہے۔ اور پھر بڑی بڑی جانبازیوں سے وا ہوتی ہے۔ اور بشریت کے تمام تقاضے اس کے پردے بن جاتے ہیں۔ جب کبھی اسباب فراہم ہوئے کھل گئی۔ ورنہ اپنی حالت فطری پر ہے۔ ریاضت اور محنت جاری رہے۔ خلوت سے آشنائی ہو تبتّل سے آبیاری ہوتی رہے۔ تو ہر آن مشاہدۂ جلال وجمال الٰہی میں مصروف رہتی ہے۔ ورنہ ایک مومن مجاہد کے چہرے کی آنکھ چشمِ دل کی قائم مقامی میں صانعِ حقیقی کی صنعتِ بے مثال کے ظاہری مشاہدے سے ہر آن عبرت پذیری کا سامان بہم پہنچاتی ہے۔ اور یہی پھل ہے مجاہدات اور ریاضات کا جس کو فیاضِ مطلق کی بارگاہ سے دنیا میں نصیب ہو جائے۔ اور اس کے بعد مشاہدہ ہے۔

ایمان بالآخرت اور مجاہدے کے بغیر عالمِ آخرت میں محرومی ہی محرومی ہے۔ اس کی مثال ایسے راہرو کی ہے جو خود بھی اندھا ہے اور آنکھ والوں کی راہنمائی بھی قبول نہیں کرتا۔ ایسا آدمی سوائے اس کے کہ راستہ چھوڑ جائے اور بھٹکتا پھرے اور کیا کرے گا۔

ہاں! دنیا میں تو کسی منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لیے ہر نابینا ہر آنکھ والے کی ہر قسم کی راہنمائی بصد شکریہ قبول کرتا ہے۔ لیکن کتنے تعجب کی بات ہے کہ دنیا بھر کے منکر اور مجرم اپنی بھلائی اور اپنی بہتری کے خلاف چلتے ہیں۔ اور انبیا علیہم السلام اور اولیائے کرام کی قلبی بصیرتوں اور ان کے باطنی مشاہدات پر ایمان نہیں لاتے۔ اور ان کی راہنمائی قبول نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے ساری عمر بھٹکتے رہتے ہیں اور آخرت میں عذاب عظیم کے مستوجب بنتے ہیں۔

مشاہدہ کیا ہے؟

قلبِ مصفّٰی کا نور قریب و دور کی قیود کا پابند نہیں۔ پھر بشریت کے پردے جتنے جتنے قلب سے ہٹتے جائیں گے۔ اس نور میں تیزی آتی چلی جائے گی۔ اور حقائق اور واقعاتِ عالم اپنی اصلی اور مثالی صورت میں جلوہ گر ہوتے چلے جائیں گے۔ یہ جلوہ اور ظہور صرف ناسوتی اشیا تک محدود نہیں بلکہ عالمِ بالا کی تمام نورانی مخلوق کا عکس اور لطائف بھی ایک تربیت یافتہ دل پر جلوہ گر ہوتے ہیں اور اسی

دوگونہ کشف کا نام مشاہدہ ہے۔

ذاتی مشاہدہ اور ایمان

ایمان کی صحت اور طاقت کے لئے ذاتی مشاہدہ اکسیر اعظم ہے اور ایمان کا ثمرہ بھی یہی ہے۔ اگر کسی کی جدوجہد کا یہ پھل کسی سبب سے اس کو نہ ملے تو صاحبِ مشاہدہ کی صحبت کا التزام اور دوام اس کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اس شوق اور عمل کے بغیر ایمانی قوتیں مضمحل ہو کر آخر ختم ہو جاتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کا مقصد صرف انہیں ایمانی اور احسانی قوتوں کو بیدار کرنا اور ان کی آبیاری کرنا ہے اور پھر ہر فردِ بشر کی ایک استعداد ہے۔ اس کے لئے اپنی استعداد کا ٹھکانے لگانا ضروری ہے۔

استعدادِ انسانی اور مومن کی قسمیں

ایمانی قوتیں ایمانی تقاضوں کو عمل میں لانے سے تربیت پاتی ہیں۔ بعض لوگ صرف عمل کی حدود میں رہتے ہیں۔ اور عمل سے ایمان کی پختگی کا سامان کرتے رہتے ہیں۔ نماز، روزہ اور طلبِ رزقِ حلال میں اپنی کوشش و عمل کو منحصر کر لیتے ہیں۔ یہ تیسرے درجے کے مسلمان ہیں۔ بعض اس سے ایک قدم آگے ہوتے ہیں۔ نماز، روزہ اور طلبِ رزقِ حلال کے ساتھ ساتھ اپنے اوقات کو ہمیشہ ذکرِ الٰہی سے معمور رکھتے ہیں

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ	وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ	بیچنے میں اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے
اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا	اور زکوٰۃ دینے سے اور ڈرتے ہیں اس دن سے
تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ	جس دن الٹے جائیں گے دل اور آنکھیں تاکہ اللہ تعالےٰ
لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ	ان کے بہتر کاموں کا بدلہ دے اور اپنے فضل سے
يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ	ان کو اور زیادہ دے اور اللہ تعالےٰ جس کو چاہتا
مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (سورہ النور)	ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

اہلِ مشاہدہ کی صحبت سے فیض پانا اور ان کے فرمودہ وظائف و اذکار سے حیاتِ قلب کو قوت دینا اور اپنے اعمال میں اور ذکر و فکر میں ذوق، شوق اور دل بستگی کی جستجو کرنا ان کی کوششوں کا مقصود ہوتا ہے۔ یہ دوسرے درجے کے مسلمان ہیں۔

اوّل درجے کی استعداد کے لوگ ذوق و شوق اور محبت و الفت سے اس راستے کی سواری کا کام لیتے ہیں اور ان کی استعدادیں مشاہدہ کی جولانگاہ میں جب اسپِ ہمت کو ایڑ لگاتی ہیں۔ تو یہ وہاں پہنچتے ہیں۔ جہاں انبیا علیہم السلام کی استعدادیں پہنچتی ہیں۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ

میری امت کے علما بنی اسرائیل کے پیغمبروں جیسے ہیں۔

علمائے امّتی سے کون لوگ مراد ہیں؟

علمائے امت سے وہ لوگ مقصود ہیں۔ جن کے مشاہدے کی نظریں عالمِ بالا کے حقائق کو اس طرح دیکھتی ہیں۔ کہ شک و ریب کے سب پردے درمیان سے ہٹ جاتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے لَوْ کُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا (اگر پردے ہٹ بھی جائیں تو میرے یقین میں کسی زیادتی کی گنجائش نہیں) اور جلال و جمالِ الٰہی جو دوزخ اور جنت کی صورت میں ہویدا ہے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ خوف اور امید کا ایسا خوبصورت امتزاج اپنے اندر رکھتے ہیں کہ کبھی بے نیاز نہیں ہوتے۔ اور کبھی ناامید نہیں ہوتے۔

سرورِ دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہی یگانہ افراد ہیں جو اپنی روحانی قوتوں سے تسخیرِ عالم کا کام لیتے ہیں۔ اور انہیں کے دم قدم سے اسلام کے حقائق قلوب کے اندر جاگزیں ہوتے ہیں۔ ورنہ علم کے استدلال میں یہ قوت کہاں کہ وہ عالم کو مسخر کرے جب کہ علم خود تخمین و ظن کے دلدل میں پھنسا ہوا ہے ؎

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن
بندۂ تخمین و ظن ۔ کرم کتابی نہ بن
علم سراپا حجاب ، عشق سراپا حضور

یہ قدرت الٰہی کا کرشمہ ہے کہ اس نے روح کو آب و گل کے اجسام میں ایسا بند کیا ہے کہ اس آب و گل کے پنجرے کے سوا اس کو اپنے الگ مستقل وجود کا یقین بھی بڑے بڑے مجاہدوں کے بعد حاصل ہوتا ہے ۔ اور ہر کہ و مہ اس یقین کو حاصل نہیں کر سکتا ۔

تربیّت روحانی کے بعد کا انسان

جب تک یہ صورت موجود ہے ، عالم آب و گل کے احساس کا غلبہ بھی موجود ہے ۔ لیکن جوں ہی روح کی قوتوں نے تربیت پائی اور ان میں اپنی حقیقی صلاحیت بیدار ہوئی تو روح کا جسم پر غلبہ ہونا شروع ہو گیا اور روح جو دنیا میں عالم امر کا ایک مہمان ہے اور اپنے حقیقی کمالات سے بے خبر اور حیران ، جب اسے اپنی پوشیدہ قوتوں اور ظاہری کمالات سے آگاہی مل گئی تو آب وگِل کی دنیا اسکی نظروں میں تودۂ خاک بن کے رہ گئی اور زمان و مکاں کی قیود جو اس سفلی عالم کا لاینحل عقدہ ہیں اس کی بلند پرواز ہمت کے سامنے بچوں کا کھیل بن گئیں ۔

جب روح نے جسم پر غلبہ پا لیا تو جسم مسخر ہو گیا ۔ اور علم میں وسعت آ گئی ۔ نظریں عرشِ اعظم پر جا لگیں ۔ تب انسان کو حیوانیّت اور ملکیت کے درمیان حقیقی برزخیت حاصل ہوئی جو انسانیّت کا طرۂ امتیاز ہے ۔

جبرائیل علیہ السلام فرشتہ ہے لیکن روح مجسم " ایسا با اختیار ہے کہ جب چاہے انسانی صورت میں جلوہ گر ہو جائے ۔ علی ہذا القیاس تربیت یافتہ انسان اس کے برعکس بشر ہے لیکن جب اس کی روح تربیت پا لے اور اسے اپنی حقیقی طاقت حاصل ہو جائے تو جب چاہے ^ل^ جسم کو روح کی صورت میں ڈھال لے ؎

فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھہرے   کبھی اس گھر میں آ نکلے کبھی اُس گھر میں جا ٹھہرے

ل؎ تربیت یافتہ مرد کامل کا ارادہ اپنا ارادہ نہیں ہوتا وہ خدا کا ارادہ ہوتا ہے ۔

اس کو خواب کی حقیقت نہ سمجھئے عین بیداری کی کیفیت کا بیان ہے۔ تربیت پاکر ایک انسان وہ کچھ اپنے اندر پاتا ہے۔ جو عام فرشتوں کو بھی حاصل نہیں ہے اور یہی وہ بلند اور رشکِ ملائک کیفیت ہے جس کے بارے تخلیقِ آدمؑ سے پہلے آسمان پر اعلان ہوا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ — اور جب تیرے اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ

فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط — میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔

منصبِ نبوّت اور رسالت خلافتِ الٰہیہ کا بلند ترین مقام ہے۔ رسول اور نبی بشر بھی ہوتا ہے اور خلیفہ الٰہی (نورِ مجسم) بھی۔ یعنی اس میں بشریّت کی قوتیں بھی تمام و کمال ہوتی ہیں۔ اور روحِ مجرّد کی طاقتیں بھی۔ بعد از خدا سب سے اعلےٰ۔ نبی کا مشاہدہ بھی بلند ترین مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور پھر سید الانبیا امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ تو ایسا مشاہدہ ہے۔ کہ کسی نبی مرسل کو بھی ایسا کمال حاصل نہیں ہوا۔ کیونکہ اس نورِ مجسم حبیبِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلم کو اسی عنصری جسد مبارک کے ساتھ عرش اعظم سے بھی اوپر لے جایا گیا۔

معراج کا واقعہ معجزاتِ محمدیہ کا ایک باب ہے۔ جو لوگ معجزہ کی حقیقت کو نہیں سمجھتے وہ جسمانی اور روحانی معراج کی بحث میں پڑتے ہیں ورنہ اقبالؒ کا یہ شعر اس بلند حقیقت کا آئینہ دار ہے ؎

رہِ یک گام ہے ہمت کے لئے عرشِ بلند
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

واقعہ معراج کی تفصیل

واقعہ معراج کی تفصیل یہ ہے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں سوئے ہوئے تھے (حطیم کعبۃ اللہ کا شمالی حصہ ہے) کہ جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جگایا اور اللہ تعالےٰ کا پیغام سنایا۔ کہ اے حبیب کبریا! دیکھ آسمان پر بھی تیری سرداری ہے۔ اور دو عالم کی کل کائنات تیری مسخر۔ لولاک کا تاج تیرے ہی سر پر زیب دیتا ہے ؎

تیرے سر کے سوا سجتا بھی کہاں لولاک لما کا تاج بھلا
اے صلِ علیٰ یہ شان تیری اے صاحب تخت و تاج نبی

روح اور جسم کے امتزاج کے ثبوت میں بہشت بریں سے ایک سواری بھی لائے جس کا نام براق ہے۔ جس کی سبک سیری کا یہ عالم ہے کہ اس کا پہلا قدم دوری نظر پر پڑتا ہے۔ حسن و جمال ایسا بے مثال ہے کہ صنعتِ الٰہی کا ایک کرشمہ معلوم ہوتا ہے۔ اپنی رعنائی میں بے اختیار شوخیاں کر رہا ہے۔ اور یہ اچھی سواری کا فطری حسن ہے۔ جبرائیل نے کہا اے براق! آج تجھے اس محبوبِ ربانی کی سواری بننے کا فخر حاصل ہو رہا ہے۔ جس سے بہتر اللہ جلّ شانہ کے بعد کوئی دوسرا نہیں۔ یہ سن کر براق کی شوخی میں متانت آگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔ اور بسم اللہ پڑھ کر رکاب میں پاؤں رکھا۔ آنکھ جھپکنے میں بیت المقدس سامنے تھا۔ وہاں عجب نقشہ دیکھا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر موجود ہیں۔ اور عجیب نظّارہ ہے سبحان اللہ! امامت کا سوال پیدا ہوا۔ جبرائیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی۔ کہ آج آپ امامتِ انبیاء علیہم السلام کے فرائض انجام دیں گے۔ اور اس فخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اور کون امام بن سکتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ انبیاء علیہم السلام سے مصافحے ہوئے۔ پھر عرش اعظم کی طرف قدم بڑھایا۔ آسمان اوّل پر جب پہنچے تو جبرائیل علیہ السلام نے آسمانِ اوّل کے دربانوں کو صدا دی۔ وہ بولے کون ہے! کہا جبرائیل۔ وہ کہنے لگے کہ ساتھ کون ہے؟ کہا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ سن کر وہ خوشی اور انبساط سے بے تاب ہو گئے۔ اور جھٹ دروازہ کھولا۔ تمام ملائکہ نے سلام و نیاز پیش کیا۔

انبیاء علیہم السّلام سے ملاقاتیں

پہلے آسمان پر حضرت آدم صفی اللہ سے ملاقات ہوئی۔ جبرائیل نے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف حضرت آدم علیہ السلام سے کرایا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے دعا دی۔ آدمؑ کے دائیں بائیں بے شمار نورانی اور ظلماتی عکوس اور پرچھائیاں تھیں۔ نورانی عکوس کو دیکھ دیکھ کر وہ خوش ہوتے اور مسکرا دیتے۔ اور ظلماتی عکوس کو دیکھ کر چہرے کی حالت اور ہو جاتی اور آنسو ٹپک پڑتے۔ دائیں طرف کی مثالی صورتیں ان

لوگوں کی تھیں جو اپنے اعمال صالحہ کی نورانیت سے اپنے لئے اور آدمیت کے لئے منتقل خوشی اور لازوال دولت کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ اور بائیں جانب ان جفاکار اور سرکش لوگوں کی سیاہ روحیں تھیں جنہوں نے آسمانی زندگی کو کھیل تماشا جانا۔ اور بدکرداری اور سرکشی سے اپنے لئے اور آدمیت کے لئے ایک پائیدار غم والم اور نہ ختم ہونے والے مصائب کا دروازہ کھول دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی قسم کے بیشمار نظارے کرتے ہوئے آسمان اوّل سے رخصت ہوئے۔ اور دوسرے آسمان کی طرف تشریف لے گئے اور حسبِ سابق دروازہ کھٹکھٹایا گیا جبرائیلؑ اور فلک دوم کے دربانوں میں پہلے کی طرح سوال و جواب ہوئے۔ دروازہ کھولا گیا۔ فرشتوں نے خوشی اور مسرت سے نعرہائے حق بلند کئے۔ وہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا یہ ہیں حضرت یحییٰ پیغمبر اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام و تحیتہ کا تحفہ پیش کیا۔ انہوں نے بھی تسلیمات اور خوش آمدید کے پھول برسائے۔ اس آسمان کی عجیب و غریب مخلوق کے نظارے اور صنعتِ الٰہی کے بے مثال کرشمے دیکھتے ہوئے تیسرے آسمان کی طرف گئے۔ پھر صدا دی گئی۔ دربان نے پوچھا کون! جبرائیل نے آواز دی جبرائیل۔ کہا ہمراہ کون! کہا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرشتے حضورؐ سرور کائنات کا نام سنتے ہی فرطِ خوشی سے بے تاب ہو گئے۔ اور دروازہ کھولا۔ فرشتوں نے سلامی دی اور حضرت یوسفؑ سامنے آئے۔ حسنِ یوسف دیکھ کر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم صنعتِ باری پر عش عش کرنے لگے۔ حضورؐ نے السلام علیکم فرمایا۔ حضرت یوسفؑ نے محبت اور عقیدت سے وعلیکم السلام پیش کیا۔ پھر چوتھے آسمان پہنچے۔ اور اسی طرح فرشتوں نے پوچھا کون! حضرت جبرائیل بولے میں ہوں، جبرائیل۔ فرشتوں نے کہا ساتھ کون! کہا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرشتوں نے کہا۔ مرحبا کیسے اچھے آئے۔ دروازہ کھولا۔ وہاں حضرت ادریس علیہ السلام موجود تھے۔ جبرائیلؑ نے کہا یہ ہیں ادریس علیہ السلام۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے وعلیکم السلام کہا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی۔ اس آسمان کے سب عجائبات دیکھتے ہوئے آپ آگے بڑھے۔ اب پانچواں آسمان سامنے تھا۔ وہاں بھی حسبِ سابق فرشتے دربان تھے۔ دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ فرشتے بولے کون ہے۔ حضرت جبرائیل نے

کہا جبرائیلؑ - پھر انہوں نے سوال کیا ساتھ کون ! جبرائیلؑ نے جواب دیا. محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم، یہ سن کر وہ خوش ہوئے - مرحبا کہا - پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السّلام تھے - جبرائیلؑ نے کہا یہ ہیں حضرت ہارون علیہ السلام - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے السلام علیکم کہا - حضرت ہارون علیہ السلام نے وعلیکم السّلام کہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی - پھر چھٹے آسمان پر گئے وہاں بھی دروازہ کھلوانے میں وہی حالات پیش آئے - وہاں حضرت موسےٰ علیہ السلام موجود تھے - جبرائیل نے کہا یہ ہیں حضرت موسےٰ علیہ السلام - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا - انہوں نے جواب سلام دیا - اور کہا - مرحبا صالح نبی اور صالح بھائی، حضرت موسےٰؑ رو پڑے - پوچھا گیا آپ کیوں روئے - موسےٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی امت کے حال پر رونا آیا - کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت فرمانبرداری میں میری اُمّت سے سبقت لے جائے گی اور کثرت کے ساتھ جنت میں جائے گی -

بَیْتُ الْمَعْمُوْر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں - پھر مجھ کو ساتویں آسمان پر لے گئے - دروازہ کھولا گیا دیکھا کہ بیت المعمور سامنے ہے جو فرشتوں کا کعبہ ہے - اور ستّر ہزار فرشتے روزانہ اس کا طواف کرتے ہیں - جن کی باری پھر قیامت تک نہ آئے گی - اسی کعبہ کے ساتھ پیٹھ لگائے حضرت ابراہیم خلیل اللہ بیٹھے تھے - وہ نہایت ہی خوبصورت تھے - جبرائیل علیہ السّلام نے کہا - یہ ہیں آپ کے جدِّ امجد ابراہیم علیہ السلام - سلام کیجئے - حضورؐ نے السلام علیکم کہا - حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وعلیکم السّلام کہا - اور کہا مرحبا اے فرزند صالح اور صالح نبی - حضورؐ بیت المعمور کے اندر تشریف لے گئے - اور نماز پڑھی ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ ہے یہ جبرائیل السلام کا مقام ہے اور سدرۃ المنتہیٰ کو نورِ خداوندی کے مختلف رنگوں نے ڈھانپ رکھا ہے اور نظارہ کچھ ایسا حسین اور دلکش ہے کہ قلم لکھ نہیں سکتی اور زبان بیان نہیں کر سکتی -

کوثر اور سلسبیل

اسی مقام پر جنت کی نہریں کوثر اور سلسبیل دکھائی گئیں۔ جنت کی نہر کوثر یاقوت اور زمرد کے سنگریزوں پر چلتی ہے۔ اور اس کے کناروں پر یاقوت موتی اور زبرجد کے پیالے رکھے ہیں۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے۔

یہی مقام سدرۃ المنتہیٰ ہے کہ بندوں کے اعمال فرشتے وہاں پہنچاتے ہیں۔ اور پھر وہاں سے اوپر اٹھائے جاتے ہیں۔ اور احکام خداوندی جل جلالہ بھی پہلے یہیں نزول فرماتے ہیں۔ پھر دنیا میں لائے جاتے ہیں ہمارے حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو عرشِ اعظم پر جنت دکھائی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل ہوئے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ جنت میں موتیوں کے گنبد ہیں اور وہاں کی مٹی کستوری ہے۔

حضورؐ فرماتے ہیں کہ اسی مقام پر دوزخ کے حجابات بھی اٹھ گئے اور وہ بھی سامنے لائی گئی۔ خدا کی پناہ! اتنی شدید کہ لوہے اور پتھر کو کھا جائے۔

عرش سے اوپر

عرشِ اعظم کی اس سیر کے بعد سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند ہمت آگے بڑھی۔ جبرائیل علیہ السلام رُکنے لگے۔ حضورِ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرائیل! ایسے مقام پر کوئی دوست اپنے دوست سے الگ ہوتا ہے؟ جبرائیلؑ نے کہا یا رسول اللہ۔ اگر میں آگے بڑھوں گا تو نورِ خداوی جل جلالہٗ کا پرتو مجھے جلادے گا۔ شیخ سعدیؔ نے یہی گفتگو نظم فرمائی۔

۱۔ بدو گفت سالار بیت الحرام	کعبۃ اللہ کے سردار نے فرمایا کہ اے وحی کے لانے
کہ اے حاملِ وحی برتر خرام	والے ذرا اوپر چلیے۔
۲۔ چو در دوستی مخلصم یافتی	جب میری آپ کی دوستی اخلاص و محبت کی ہے۔ تو
عنانم ز صحبت چرا تافتی	پھر آپ اس صحبت سے کیوں پیچھے ہٹتے ہیں۔

۳۔ بگفتا فراتر مجالم نماند — کہا اس سے اوپر جانے کی قوت نہیں ہے بس اس لئے
بماندم کہ نیروئے بالم نماند — رکتا ہوں کہ میرے بازوؤں میں طاقت نہیں رہی۔
۴۔ اگر یک سرِ موئے برتر پرم — اگر ایک بال برابر بھی میں اوپر جاؤں تو تجلّی الٰہی کی تابش
فروغِ تجلّٰی بسوزد پرم — سے میرے پر و بال جل جائیں۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھ کو نور میں پیوست کر دیا گیا۔ اور ستر ہزار حجاب طے کرائے گئے۔ ایک حجاب دوسرے کے مشابہ نہ تھا۔ قطع حجب کے بعد رفرف سبز اتار دی گئی جس میں بیٹھ کر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لامکان کی سیر کی۔ وہاں حبیبِ رب العالمین کو اپنے حقیقی محبوب کا وہ قرب حاصل ہوا جس کے بارے قرآن کریم میں یہ صراحت موجود ہے۔

فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝ — پھر رہ گیا فرق دو کمان کا میانہ، یا اس سے بھی
فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی ۝ مَا — نزدیک۔ پھر وحی کی اللہ نے اپنے بندے کی
کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ — طرف جو وحی کی۔ جھوٹ نہ دیکھا دل نے جو دیکھا۔
عَلٰی مَا یَرٰی ۝ (سورہ النجم) — اب تم اس پر جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا۔

رویت الٰہی

اس ارفع و اعلےٰ مقام میں خالق و مخلوق کے درمیان، اللہ اور بندے کے مابین اور مُحب اور حبیب کے درمیان جتنے پردے تھے، جتنے حجابات تھے وہ سب اٹھا دیئے گئے۔ اور محبوب رب العالمین نے اپنے اللہ کریم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اس دیدار میں چشم سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری مستعدی دکھلائی۔

بعض اہل علم کے نزدیک رویت الٰہی ناممکن ہے۔ یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ عقل و علم اس کے بارے کچھ سوچ سکیں۔ یا گفتگو کر سکیں۔ یہ حال کے مسائل میں بھی سب سے زیادہ مشکل مسئلہ ہے۔ ذاتِ الٰہی کی کُنہ تک نہ کوئی پہنچا ہے اور نہ پہنچنا ممکن ہے۔

اس کی ذات وجود محض ہے باقی سب اس کے ظہور اور شئون ہیں۔ اور اس کے ظہور ذات کی حقیقت کو بھی جو ارفع و اعلے ترین ظہور ہے۔ کوئی پا نہیں سکا ۔۔۔ تاہم اگر یہ کہا جائے کہ حبیبِ کبریا کے بلند ترین معراج کی حقیقت ہی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات کے قُرب اور اپنی معیت اور اپنے دیدار کا انتہائی جلوہ دکھایا تو یہ عین اظہار حکمتِ الٰہی ہوگا۔ اور فی الحقیقت یہی بہت بڑا راز ہے جس کا سمجھنا رموز و اسرار الٰہی کا سمجھنا ہے۔

موسےٰ ز ہوش رفت بیک جلوۂ صفات

تو عین ذات مے نگری در تبسّمی

عطیّاتِ معراج النّبی صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلّم

معراج مبارک خود ایک بہت بڑا عطیہ ہے جو بارگاہِ رب العزّت سے محبوبِ رب العالمین کو بخشا گیا۔ اور اس ذریعہ سے ایسے ایسے عطیاتِ الٰہیہ کی بارش ہوئی جو فہم انسان سے بالاتر ہیں۔ اور یہ فیوضِ ربّانی سر بستہ راز ہیں۔ جو سوائے حبیب کبریا کے کوئی دوسرا جانتا نہیں۔ یہاں حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بیان فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ صمدیت میں عرض کی۔ اے محسنِ کُل، تیری ذاتِ اقدس نے تمام انبیا کو مختلف انعامات سے نوازا۔ حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ کو اپنا حبیب بنایا۔ اور تمام انسانوں کی طرف آپ کو مبعوث کیا۔ آپ کے ذکر کو وہ بلندی دی جو کسی کو نہ دی۔ جہاں میرا ذکر ہوتا ہے وہاں آپ کا ذکر ہوتا ہے۔ اور آپ کی امّت کو بہترین امّت بنایا۔ اور آپ کو سب سے اوّل اور سب سے آخر بنایا۔ روزِ قیامت میں جب فیصلے ہوں گے تو سب سے مقدم آپ کی امّت کے فیصلے ہوں گے۔ آپ کو سورۃ فاتحہ (الحمد شریف) عنایت کی۔ اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات عنایت کیں۔ اور شرک کے سوا امّت کے باقی گناہوں کی معافی عطا ہوگی۔ اسلام، ہجرت، جہاد، نماز، صدقہ، روزہ، رمضان، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ سب آپ کو عطا کئے۔ آپ کو فاتح اور خاتم بنایا۔

پچّاس نمازیں

انسانیت کا معراج عبادت الٰہی میں ہے عبادت فریضہ بھی ہے اور حسن عبدیت بھی۔ اس کے بغیر انسان بے پھل کا درخت ہے۔ اور بعد موت عبادت ہی ایک چلنے والا کھرا سکّہ ہے۔ اور عبادت کی جان وہ عمل ہے جس میں جسم وجان دونوں اللہ کے سامنے جھک جائیں۔ اور یہ صورت سوائے نماز کے کسی اور بندگی میں بہت کم ہے۔ سجدہ جو عبادت کی روح ہے وہ بھی نماز میں ہی ہے۔ قیامت میں سب سے پہلا سوال بھی نماز کا ہوگا۔ باقی تمام فرائض زمین پر فرض ہوئے اور نماز عرش اعظم پر فرض ہوئی اور یہ سب سے اعلےٰ آسمانی تحفہ ہے۔ جو اپنی امت کے لئے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم عرش سے لائے۔ اللہ تعالےٰ نے پچاس نمازیں فرض کیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوشی خوشی یہ تحفہ الٰہی زمین پر لا رہے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اپنی امت کے لئے کیا تحفہ لائے۔ حضورؐ نے فرمایا پچاس نمازیں۔

بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض ہوئی تھیں اور وہ ادا نہ کر سکے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی۔ حبیبِ خدا! آپ کی امت یہ بوجھ نہ اٹھا سکے گی۔ میں بنی اسرائیل کا تجربہ کر چکا ہوں۔ اس لئے آپ بارگاہ صمدیت میں واپس جائیے اور نمازیں معاف کرائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے اور نمازوں کی تعداد میں کمی کی درخواست پیش کی۔ دس نمازیں کم ہوئیں۔ پھر موسےٰ علیہ السلام نے عرض کی حضور! آپ پھر واپس جائیں۔ حضور واپس گئے اور دس نمازیں اور کم ہوئیں۔ پھر جب آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے وہی عرض کی۔ اسی طرح واپس ہوتے رہے اور نمازیں معاف ہوتی رہیں۔ تا آنکہ پانچ نمازیں رہ گئیں موسےٰ علیہ السلام نے اس پر بھی واپس جانے کی درخواست کی۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت موسےٰ! اب مجھے بارگاہِ الٰہی میں جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ دربارِ الٰہی سے حکم ہوا۔ کہ اے حبیبؐ! ہماری بات تبدیل نہیں ہوتی۔ نمازیں اگرچہ پانچ ہیں لیکن درجہ اور ثواب میں پچاس کے برابر ہیں۔

ایک مرتبہ اور حاضری ہو جاتی تو صرف ایک نماز رہ جاتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ پڑھنے والے ایک

بھی نہ پڑھتے۔ اور نبھانے والے پچاس بھی نبھا جاتے۔ یہ تو اس کا فضل و کرم ہے کہ امتِ مرحومہ کے لئے سہولت اور آسانی کا خیال ہمیشہ رہا۔

تصدیقِ معراج اور صدیق اکبرؓ

جب حضورؐ معراج شریف سے واپس تشریف لائے۔ اور بعد نماز صبح واقعہ معراج لوگوں سے بیان فرمایا تو دنیا حیران رہ گئی۔ کفارؔ کو وساوس پیدا کرنے کا موقعہ ہاتھ آیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے لوگوں نے کہا کہ آپ کا دوست اپنے آسمان کے سفر اور ایک رات میں بیت المقدس آنے جانے کا ذکر کرتا ہے۔ صدیق اکبرؓ نے صرف اتنا دہرایا کہ کیا انہوں نے فرمایا ہے؟ مخالفین نے کہا ہاں! تو صدیق اکبر بولے۔ اگر وہ فرماتے ہیں تو بالکل سچ فرماتے ہیں۔ صَدَقَ اللّٰہُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

مخالفین نے بیت المقدس اور اس کے راستے کے بارے چند سوالات کئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس وقت رب العالمین نے وہ تمام نقشہ میرے سامنے کر دیا۔ اور ایک ایک سوال کا جواب دیکھ دیکھ کر تبلا دیا گیا۔

اللہ کا دین

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ　　　بے شک مذہب اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے

اسلام کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ اسلام انسانیت کے ساتھ دنیا میں آیا اور جو شخص بھی ازلی سعادت مند تھا اس نے اس مقدس طریق زندگی کو قبول کیا اس لئے کہ اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ ہمارے مشاغل کھانے پینے تک محدود نہیں۔ سیر و تفریح ہی ہماری زندگی کا مقصد نہیں۔ فتح و شکست ہی کے لئے ہم زندہ نہیں۔ حواس ظاہرہ کا استعمال ہی ہماری ترقی کا معراج نہیں۔ بلکہ انسانیت کو ایسی قوتیں عنایت ہوئی ہیں جن کی اصلاح اور جن کے استعمال سے جن و ملک سے انسان بازی لے جا سکتا ہے

اور جب تک ان پوشیدہ قوّتوں کی اصلاح نہ ہو تب تک خلافتِ الٰہیہ کا بلند منصب حاصل نہیں ہوتا۔ یہ عالم جو عالمِ دنیا کے نام سے موسوم ہے پوشیدہ قوّتوں کی اصلاح کا بہترین مقام ہے اور جس نے یہاں پر کمالاتِ انسانی حاصل نہ کیئے وہ مرنے کے بعد بھی بلند قسم کے درجات سے محروم کر دیا جائے گا بلکہ یہاں صرف حیوانیت کی تربیت میں لگے رہنے کے جرم میں اسے سخت سزا میں دھر لیا جائے گا۔

مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ	جو اس جہان میں اندھا رہا وہ اُس جہان میں بھی
فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝	اندھا اور زیادہ گمراہ ہوگا

اور ان پستیوں میں گرا دیا جائے گا جن کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

رسول اللہؐ کا حقیقی کام

دنیا میں انبیاء علیہم السلام نے کس قسم کا انقلاب پیدا کیا؟ اور یہ انقلاب کن بنیادوں پر قائم ہوا؟ یہ ایک سوال ہے؛ جس کا جواب قرآن کریم کی ایک ایک آیت میں موجود ہے اور ہدایت کا سارا دفتر اسی سوال کا جواب ہے۔

یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ جتنے پیغمبر دنیا میں تشریف لائے وہ انسان کی اصلاح کے لئے آئے تمام انبیاء علیہم السلام نے ایک ایسے عالم کا پتہ دیا جس کی دریافت انسانی عقل کے لئے ناممکن ہے اور بڑے بڑے عقلمند اس عقدے کو اپنی عقل کے زور سے حل نہ کر سکے۔ ارسطو اور افلاطون جیسے حکیم اور فلاسفر اس سربستہ راز کو پا نہ سکے لیکن انبیاء علیہم السلام کی دل کی قوّت نے اپنے ماننے والوں کے دلوں میں اس جہان سے متعلق تمام حقائق کا یقین پیدا کر دیا۔

؎ جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اس کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

ایمان کی تاثیر

ایمان دراصل نام ہی اس یقین کا ہے جو عالمِ بالا سے متعلق قلب کی گہرائیوں میں آجاتا ہے اور تمام حواس کو اپنے نور سے منور کردیتا ہے۔ آنکھ کی بینائی بدل جاتی ہے۔ کان کی شنوائی تبدیل ہوجاتی ہے آنکھ حق دیکھنے کے شوق میں رہتی ہے۔ کان حق سننے کی طلب میں جیتے ہیں۔ دل آسمانی حقائق سے قوت پاتا ہے۔ اعضا و جوارح اپنی سرکشی سے باز آجاتے ہیں۔ محبت کا نور جسم کے رونئیں رونئیں میں جان بن کر داخل ہوجاتا ہے اور زبان بے اختیار بول اٹھتی ہے۔

اِنَّ صَلوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ	بے شک میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی
وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط	اور میری موت اللہ تعالےٰ کے لئے ہے
(الاعراف)	جو ہر مخلوق کا پروردگار ہے۔

آنکھ نیند سے زیادہ بیداری کی شیفتہ ہوجاتی ہے کان نغمۂ شیریں سے زیادہ داستانِ غم سننے کے مشتاق ہوجاتے ہیں، آرام کی جگہ محنت لے لیتی ہے اور بےفکری کی جگہ مستقل فکر پیدا ہوجاتا ہے اور دنیوی تفکرات یک قلم موقوف ہوجاتے ہیں اور غیب کی آواز یہ دلنواز خوشخبری سناتی ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ	سن لو۔ بے شک اللہ تعالےٰ کے دوستوں کو نہ
وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (یونس)	کسی قسم کا خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہیں۔

حقیقی انقلاب

حیرانی اس بات پر ہے کہ کفر کی رسوم بھی زندہ رہیں، جہالت کی عادات بھی قائم رہیں۔ فکر آخرت سے بھی سراسر دوری ہو۔ اسلامی اعمال و اشغال سے بھی ذرہ بھر انس نہ ہو پھر بھی ایمان کا دعوےٰ بلند آہنگی سے کیا جائے

جب ایمان آتا ہے تو بے ایمانی رخصت ہوجاتی ہے عمل، قول اور نیت سب اپنا اپنا الگ رنگ

اختیار کرتے ہیں اور یہی تبدیلی اصل مقصود ایمان ہے۔ تمام انبیا علیہم السلام نے یہی تبدیلی لوگوں میں پیدا کی اور یہی حقیقی اسلامی انقلاب ہے۔

پیغمبر اعظم حبیب خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کی زندگی کو اسی طریق پر بدلا۔ دنیا کا وجود جھوٹا نظر آنے لگا۔ آخرت کی زندگی کی بڑائی سامنے آگئی۔ مرنے کے بعد اپنی زندگی کا یقین کامل ہو گیا۔ ہر عمل کے بارے پرسش میں ذرہ برابر شک نہ رہا اور حالت یہ ہوگئی کہ لوگ جن چیزوں کو جمع کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں وہ ان کو راہِ مولا میں لٹانے کے شیدائی بن گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ اس خواہش سے کیا جائے کہ ہماری زندگی کا رخ غلط خواہشات سے ہٹ جائے اور حضور صلعم کے نمونے پر ہم اپنی زندگی کو ڈھال لیں اور اس بحرِ کرم کے ساتھ تعلق پیدا کر کے اپنی حیاتِ ابد کو سنوار لیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر حضور کی سیرت کے مطالعہ کا حقیقی فائدہ ہے ورنہ تاریخ کی ایک کتاب کی طرح حضور سرور کونینؐ کے حالات پڑھ لینے کے بعد بھی پہلے کی طرح عمل میں ذوق پیدا نہ ہو اور روح میں بلندی کی تڑپ نہ آئے تو گویا ایسا شخص آبِ حیات کے چشمے پر پہنچ کر بھی پیاسا ہی رہا۔

اسلام کا حقیقی فائدہ

ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام پیغمبروں کے سردار اور اللہ تعالےٰ کے حبیب ہیں۔ نبوت اور رسالت آپ پر ختم کر دی گئی اس لئے آپ کا دین قیامت تک رہے گا اور کوئی پیغمبر حضورؐ کے بعد آ نہیں سکتا۔ یہ دین زندہ دین ہے اس کے اصول فطرت کے اصول ہیں اس لئے آخرت کی فلاح و بہبود کے خواہشمندوں کا اولین فرض ہے کہ وہ دینِ اسلام کا مطالعہ کریں اور انسانی شرافت کا راز پانے کے لئے اسلامی اصولوں پر عمل کریں اس جد و جہد سے ان کے سینے میں ایک نور پیدا ہوگا جس کی روشنی میں ایسے حقائق کھلیں گے جن کا وہم و گمان بھی غیر مومن غافل انسان کو نہیں ہو سکتا۔

تجدیدِ اسلام

اگرچہ سرورِ دو عالم نے تمام آسمانی مذاہب کا خلاصہ پیش کیا ہے اور اسلام میں تمام الہامی مذاہب

کی خوبیاں موجود ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مذہب سے تو اسلام کا نہایت قریب کا تعلق ہے بلکہ دینِ ابراہیمی کی تجدیدی صورت کا نام ہی اسلام ہے۔

اصل اسلام مجاہدہ ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا قرآنی مطالعہ ہمیں بتلاتا ہے کہ خلیل اللہ کو اللہ تعالےٰ نے کن کن کٹھن مجاہدوں اور کن کن مشکل ریاضتوں سے تربیت دی۔ جوانی میں جان سب سے عزیز ہوتی ہے۔ اس عمر میں حضرت خلیلؑ نے جانبازی کی وہ مثال قائم کی جو حیاتِ انسانی کے تلاطم خیز سمندر میں روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتی ہے۔ بڑھاپے میں بقائے نسل کی خواہش فطرتاً غالب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو بڑھاپے میں بیٹے کی قربانی کا حکم دے کر اس خواہش کی قوت کو جانچا کہ ہماری محبت کے مقابلے میں یہ خواہش کتنی قوت رکھتی ہے؟

اس آزمائش میں بھی حضرت خلیلؑ پورے اترے اور اسماعیلؑ ذبیح اللہ جیسے اکلوتے فرزند کو خدا تعالےٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے ہمہ تن آمادہ ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالےٰ نے ان کا دل بڑھانے کے لئے پردہ غیب سے آواز دی۔ اے ابراہیم آپ نے ہمارے حکم کی پوری پوری تعمیل کی اس لئے آپ محسن ٹھیرے اور محسن ہمارے محبوب ہوتے ہیں ہم اپنے محبوبوں کو ایسے ہی کامیاب کرتے ہیں۔

جان و مال کی قربانی اسلام کا رکنِ اول ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔ (التوبہ)

اللہ تعالےٰ نے ایمان والوں سے سودا کیا ہے ان کے مال و جان خرید لئے ہیں اور جنت کی حیاتِ ابدان کو عنایت کی ہے۔

ہمارے آقاؐ کے مجاہدات

ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی تکالیف و مصائب سے پُر ہے یتیمی کا داغ ایسا

داغ ہے جو بچپن کی زندگی کو حسرت اور ارمان سے بھر دیتا ہے۔ ہمارے آقا جب اس جہان میں تشریف لائے تو آپ یتیم تھے پھر چھ برس کی عمر میں والدہ ماجدہ انتقال فرما گئیں۔ آٹھ برس کی عمر تھی کہ عبدالمطلب جیسے مشفق دادا ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔

سارے جہان کی غمخواری

جوانی کا عالم بھی عام جوانوں سے مختلف تھا۔ جس راحت کو جوانی کی امنگیں ہر قیمت پر خرید کرتی ہیں اس راحت و آرام اور اس کی خواہش کا نام و نشان تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی میں نہ تھا۔

ع سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

کے مصداق ہر مصیبت زدہ سے عملی ہمدردی کے ایسے ثبوت پیش کئے جو انسانیت کے لئے ہمیشہ راہنمائی کا کام دیں گے۔

انسانی ہمدردی کی قدیم رسم

مکے کے مخلص اور ہمدردِ انسانیت بہادر جوانوں نے بے کسوں کی حمایت کے لئے ایک جماعت کھڑی کر دی۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس جماعت کی حمایت میں پیش پیش تھے اور نبوت کے ظہور کے بعد آپ فرمایا کرتے تھے اگر اس حمایت کے مقابلے میں مجھے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں انہیں رد کر دیتا اور آج بھی میں ایسے معاہدوں کے لئے تیار ہوں۔

بعثت سے قریب کے زمانہ پر از سر نو طائرانہ نظر

حضورؐ کی زندگی کا اب نہایت ہی بلند دور شروع ہو رہا ہے اس لئے آنجناب کی بعثت سے قریب زمانہ پر ہم از سر نو طائرانہ نگاہ ڈالتے ہیں۔ کئی نئے مطالب سامنے آئیں گے باقی کا اعادہ ہو گا اور پھر اطمینان سے ہم اگلے دور کی طرف بڑھ جائیں گے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابوطالب کے ساتھ شام

کا سفر کیا جس میں بُحیرہ راہب نے پیشانی مبارک سے نبوّت کے آثار چمکتے ہوئے دیکھے اور جناب ابوطالب کو مشورہ دیا کہ آپ جلد انہیں واپس لے جائیں یہودی ان مقدس نشانات کو دیکھیں گے تو حضورؐ کے دشمن ہو جائیں گے۔ اور خطرہ ہے کہ وہ آپ کو تکلیف دیں چنانچہ ابوطالب حضور کو جلدی واپس لائے۔ یہ سفر بہت چھوٹی عمر میں ہؤا۔ پھر جوانی میں بعض سفر تجارت کے لئے آپ نے فرمائے۔

حضورؐ کی تجارت اور وعدہ وفائی

قریش کا مقبول پیشہ تجارت تھا۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے اپنے لئے اسے ہی پسند فرمایا۔ امانت دیانت اور وعدہ وفائی میں آپ کی مثال دی جاتی تھی۔ ابوالحمساءؓ ایک صحابی نے ظہورِ رسالت سے پہلے حضور سے لین دین کا کوئی معاملہ کیا ابھی وہ معاملہ نامکمل تھا کہ ابوالحمساءؓ نے کہا میں پھر حاضر ہوتا ہوں۔ وہ گھر جا کر اپنا وعدہ بھول گئے۔ ادھر حبیبِ خدا ہیں کہ انتظار میں آنکھیں اس کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ تین دن تک وہاں ٹھیرے رہے۔ تیسرے روز جب وہ وہاں سے گذرے تو حضور کو موجود پایا اور ندامت سے کہا کہ حضورؐ میں بھول گیا تھا۔

حضور کا صبر و تحمل اس درجے کا تھا کہ پیشانی پر بل تک نہ آیا صرف اتنا فرمایا کہ ابوالحمسا! تم نے مجھے تکلیف دی میں اس مقام پر تین دن سے موجود ہوں

آپؐ کی تجارت

حضرت خدیجہؓ ایک دولت مند خاتون تھیں۔ شرفائے قریش میں آپ کو خاص درجہ حاصل تھا حضور کی دیانت امانت اور برکت کے قصے جب ان کے کان میں پہنچے تو حضور کو اپنا شریکِ تجارت بنانے کی دعوت دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعوت منظور فرمائی اور خدیجۃ الکبریٰ کا مالِ تجارت لے کر شام کو تشریف لے گئے۔

حضرت خدیجہؓ کا بلند اقبال

اس سفر میں حضرت خدیجہؓ کا ایک غلام بھی ہمراہ تھا۔ اس نے حضور کے اخلاق دیکھے عادات دیکھیں، برکات مشاہدہ کئے، گرویدہ ہو گیا، واپسی پر حضورؐ کے اوصاف ایک ایک کر کے حضرت خدیجہؓ کے سامنے گنوائے۔ خدیجہ کا ستارۂ اقبال چمکا، سعادت نے یاوری کی، خوش نصیبی نے ساتھ دیا۔ شرافت نے راہنمائی کی اور آپ کی خدمت میں شادی کا پیغام بھیجا۔ حضورؐ نے منظور فرما لیا۔ اس وقت حبیبِ کبریا کی عمر پچیس برس اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی عمر چالیس برس تھی۔ شادی ہو گئی اور اب سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیالداری کی زندگی شروع کی بچپن ایسا گزرا کہ سعادت اور شرافت کی تصویر بنے رہے جوانی کا عالم ایسی پاکیزگی اور بلند اخلاقی میں بسر کیا جو دنیا کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ پھر یہ گھر بار کی زندگی اس حسن و خوبی سے بسر فرمائی کہ سبحان اللہ۔ حضور کی زندگی یہاں بھی بہترین نمونہ تھی۔

اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت)

غارِ حرا کا مجاہدہ

ویسے تو عمر کے ہر دور میں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ریاضت اور مجاہدہ فرماتے رہے لیکن تیس برس کی عمر میں تو حضور کا بہترین مشغلہ ہی مجاہدہ اور ریاضت قرار پایا۔ ہر وقت بلند فکری۔ مقصدِ اعلےٰ کی یاد اور حصولِ انوارِ الٰہی میں استغراق سا رہنے لگا۔

کچھ عرصہ اس طرح نظمِ اوقات قائم فرمایا کہ تھوڑے سے ستو لئے تھوڑا سا پانی لیا اور جبلِ نور کی چوٹی پر تشریف لے گئے اور کئی کئی دن اس تھوڑی سی غذا پر بسر فرماتے یہی جبلِ نور ہے جس میں غارِ حرا ہے انتہائی بلندی سے کچھ نیچے اتر کر کعبۃ اللہ کی جانب چند فٹ لمبا اور چند ہی فٹ چوڑا غار ہے اونچائی اتنی ہے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں یہی غارِ حرا ہے جو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص الخاص

مجاہدہ کا مقام ہے اور نزولِ قرآن سے پہلے اور ظہورِ نبوت سے قبل اسی غار کی تنہائیاں اور اسی پہاڑ کی بلندیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد مرغوب تھیں۔ اور عمر مبارک کا کافی حصہ اسی مقدس مقام میں گذرا اگرچہ نبوت اور رسالت ایسا فیضانِ الٰہی ہے جو کسی ریاضت کا محتاج نہیں کسی مجاہدے سے مشروط نہیں تاہم چونکہ نبی کو اپنی امت کا نمونہ بننا ہوتا ہے اس لیئے ہر وہ کام جو امت کی حیاتِ ابد کے لیئے مفید ہو سکتا ہے جو جاذبِ ہدایت قوتوں کو بیدار کر سکتا ہے جس سے فلاحِ انسانی کا دروازہ کھل سکتا ہے جو رحمتِ الٰہی کو کشش کر سکتا ہے۔ زندگی کے ہر دور میں وہی پیغمبرِ خدا کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے اور اسی طرزِ زندگی سے نبی اور رسول کا مقبولِ خلائق نمونہ بنتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (قرآن کریم)

بے شک ذات رسولِ خدا میں تمہارے لیئے بہترین نمونہ ہے۔

ہر شریف فن کا تقاضا ہے کہ سکونِ دماغ سے اور پوری توجہ سے اس کی باریکیاں حاصل کی جائیں جس علم پر، جس فن پر جتنا زیادہ غور و فکر ہو گا جس قدر خلوت میسر آئے گی اتنا ہی اس علم کے اور اس فن کے نکات کھلیں گے۔

معرفتِ الٰہی نہایت ہی لطیف اور بے انتہا شریف فن ہے درحقیقت انسانی زندگی کا مقصود معرفتِ الٰہی ہی ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔

اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو اس لیئے پیدا کیا کہ وہ ہماری عبادت کریں۔

اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔ یعنی۔ اِلَّا لِیَعْرِفُوْن۔ ہم نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی معرفت کے لیئے پیدا کیا ہے۔

عبادت کا حقیقی پھل

عبادت مجاہدہ ہے اور ہر مجاہدے کا پھل مشاہدہ ہوتا ہے اس لیئے تخم کو بیان فرمایا اور پھل مراد

لی۔ جو شخص خالص عبادت کا بیج بوئے گا معرفتِ الٰہی کا پھل اٹھائے گا۔

تقوےٰ کی ضرورت

معرفت خداوندی کے حاصل کرنے کی قوت ہر انسان میں موجود ہے لیکن یہ شیشہ اس قدر نفیس اور نازک ہے کہ تھوڑے سے صدمے سے اس کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ غالب رہتا ہے۔

نفس انسان کی خدا کی نافرمانی کی طرف ادنیٰ سی جنبش اس نازک اور نفیس شیشے کو توڑنے کی قدرت اپنے اندر رکھتی ہے اس لئے زندگی کی اس شاہراہ پر چلنے کے لئے تقوےٰ اور پرہیزگاری کے پاسبان کی اشد ضرورت ہے۔ گناہ سے بچنے والا انسان جب خلوص کے ساتھ عبادتِ الٰہی میں مصروف ہوتا ہے تو انوارِ الٰہی اس کے سینے کو منور کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کوئی عبادت گذار یادِ الٰہی میں مصروف رہتا ہے۔ یہ یاد اپنی کمیّت اور کیفیت میں پوری توجہ اور کثرت کے ساتھ ہو تو دو مشغولیتوں کا درمیانی وقفہ بھی یاد کی کیفیت سے معمور رہتا ہے جس طرح سورج کو دیکھنے کے بعد کچھ وقت آنکھ کی چندھیاہٹ باقی رہتی ہے۔

طریقِ کار

کچھ عرصہ کامل راہنما کی ہدایات سے اور اس کی نگرانی میں اگر کثرتِ ذکر کی مشق کی جائے اور بیرونی اثرات سے شیشۂ دل کو محفوظ رکھا جائے تو انوارِ الٰہی کا عکس اس تیزی سے اسے منور کرتا ہے، اور تجلیاتِ الٰہی اس کثرت کے ساتھ اس پر عکس فگن ہوتی ہیں کہ دل کا زنگ آلود شیشہ چمک اٹھتا ہے اور بشریت کے تقاضے اور سفلیت کی آلائشیں بہت جلد کافور ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ شیشہ محبوب کی صفات کا ایسا گہرا نقش اپنے اندر لے لیتا ہے جو رہتی دنیا تک قائم رہ سکتا ہے۔

؎ آئینہ کز زنگ و آلائش جدا است

پر شعاعِ نورِ خورشید خدا است

جب آخرت سامنے آجائے

غیب کا وہ قرآنی سرمایہ جو عالم آخرت سے متعلق ہے طالب مولا کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور عالم مثال کے تمام اثرات اس خوبی سے قبول کرتا ہے جس طرح فوٹو کا کیمرہ خارجی اشیا کا پائیدار عکس اپنے اندر لے لیتا ہے ۔ عالم آخرت کی دھندلی سی تصویر بھی آئینہ دل پہ اتر آئے تو پھر دنیا اپنی تمام دلچسپیوں کے باوجود نگاہوں میں نہیں جچتی اور عالم آخرت اپنی تمام پوشیدگیوں کے باوجود مخفی نہیں رہتا اور یہی ایمان بالغیب کا دلکش ثمرہ ہے جو معرفت الٰہی کے نام سے موسوم ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ معرفتِ الٰہی مختلف لوگوں میں مختلف مدارج پر ہوتی ہے ۔ افراد انسانی کی استعدادیں مختلف ہیں اور ہر فرد وبشر کا کمال اسی میں ہے کہ وہ مخفی استعداد کو بروئے کار لائے ۔ عبادت سے ، ریاضت سے ، محنت اور مشقت سے جیسے بن پڑے آئینہ دل کو صاف کرے۔

چوٹی کی استعدادیں تھوڑے سے وقت میں بلندی کے تمام مدارج طے کر لیتی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی متابعت میں اصلاحِ عالم کا فریضہ انجام دیتی ہیں ۔ نفوسِ انسانی کی اصلاح بغیر اصلاح یافتہ قلب کے ناممکن ہے جبھی تو ہمارے عام مواعظ گھرے اور پائیدار اثرات سے محروم ہوتے ہیں ۔ کوئی عارضی صفت سننے والوں کی طبیعت سے مناسبت رکھتی ہو تو وقتی طور پر واہ واہ کے نعرے اٹھنے لگتے ہیں ورنہ دنیا سے منہ پھرانا اور آخرت کی طرف توجہ دلانا ہے محبت الٰہی کے جذبہ کو بیدار کرنا اور ذکر اللہ کے دوام کو پیدا کرنا سوائے انبیاء علیہم السلام کے صحیح جانشین کے ناممکن ہے ۔

عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ ۔ میری امت کے علما (یعنی صاحبِ مشاہدہ اہل ذکر و بیان) بنی اسرائیل کے انبیا علیہم السلام کی طرح ہیں (حدیث)

الفاظ اور ان کے معانی کو قوتِ حافظہ میں محفوظ کر لینے کو عرفِ عام میں علم کہا جاتا ہے اور اس فن کے مالک کو عالم ، ایسا شخص کسی زبان کا سرمایہ بھی اپنے حافظہ میں لے سکتا ہے اور کسی فن کی اصطلاحات کو بھی دماغ میں محفوظ کر لیتا ہے اور حسبِ ضرورت اسے بیان بھی کر سکتا ہے ایسا شخص

اپنے علم اور فن کا عالم کہلاتا ہے۔

شریعتِ اسلامیہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو اپنی علمی اصطلاحات رکھتا ہے اور فنی نکات سے آراستہ ہے۔

زبانِ عرب جاننا، قواعد زبان سے باخبر ہونا، اصطلاحاتِ شرعیہ کو پہچاننا اور فن کے اعتبار سے زبانِ عربی اور شریعتِ اسلامی پر عبور رکھنا علم اسلامی کہلاتا ہے اور ایسے شخص کو جو اس قسم کی علمی مہارت پیدا کرلے عرفِ عام میں عالمِ دین کہتے ہیں۔

علم کی تعریف جو اوپر ہوئی ہے وہ صرف اس علم سے متعلق ہے جو حواس ظاہرہ کی کد و کاوش سے انسانی دماغ کو روشن کرتا ہے ایسا علم مسلم کو بھی حاصل ہوسکتا ہے اور غیر مسلم کو بھی۔ کیونکہ وہ بھی حواس ظاہرہ سب رکھتا ہے۔

مومن کا مقصود

لیکن توحید و رسالت پر ایمان لانے کے بعد جو علم مومن کا مقصود ہوتا ہے وہ صرف صُورِ علمیہ کو دماغ میں لینا نہیں بلکہ اس سے مراد سینے کی قوتوں کی بیداری اور ان کی تربیت کے بعد حقائق اشیاء کی ماہیت کی پہچان اور مختلف قسم کے مجاہدات سے آئینۂ دل کو ایسا صاف کرنا کہ یہ آئینہ عالم مثال کی صورتوں کا انعکاس قبول کرے اور الہام کی زبان سمجھنے کے قابل ہوجائے اور ایمان سے متعلق تمام حقائق کا اپنی استعداد کے مطابق مشاہدہ کرے۔ اور یہی مشاہدہ ہی ہے جو یقین کی قوت میں چار چاند لگا دیتا ہے اور اطمینان قلب پیدا کرتا ہے۔

جیساکہ قرآن کریم میں بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ الٰہی مجھے دکھلایئے کہ آپ مردوں کو زندہ کیسے کریں گے؟ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ اے ابراہیم! آپ اس پر ایمان نہیں رکھتے؟ عرض کی الٰہی! ایمان تو ہے یہ اس لئے کہ دل میں اطمینان پیدا ہو۔

اِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ رَبِّ اَرِنِیْ	جب (حضرت) ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے اللہ
کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ	مجھ کو دکھلادے کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کریگا

تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ (البقرہ)
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تو اس پر ایمان نہیں رکھتا عرض کی ہاں لیکن تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔

یہ حقیقت ہمیشہ سامنے رہے کہ ایمان کے بعد مجاہدہ مشاہدہ پیدا کرتا ہے اور مشاہدہ ایمان کو مضبوط بناتا ہے۔

ایمان لانے کے بعد حقائق کے مشاہدہ کی جستجو اور اس تلاش میں والہانہ جدوجہد ہی صحیح معنوں میں مسلمان بناتی ہے کیونکہ ایسا انسان ہی دماغی قوتوں سے بڑھ کر قلبی قوتوں کی تربیت کرتا ہے اور جب قلبی قوتیں تربیت پا جاتی ہیں تو انسان شرح صدر کے بلند مقام پر جا ڈیرے ڈالتا ہے اور تمام علمی یا عقلی قوتیں اتنی نیچے رہ جاتی ہیں کہ اس کے مقام کا احاطہ تو کیا کرتیں ملاحظہ بھی نہیں کر سکتیں۔ اور اپنی نادانی سے اس کو جنون، دیوانگی وغیرہ کا نام دیتی ہیں۔ حالانکہ مومن اس جنون کی تلاش میں ہوتا ہے جس کی فرزانگی اہل عقل کی دریافت سے ماورائی ہے۔

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر
شریکِ زمرۂ لایحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر (اقبال)

صرف اقرارِ لسانی اور بے ذوق عمل سے ایمان اور احسان کی بلندیاں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ ہر بلندی کے حصول کے لئے قربانی اور جانبازی شرطِ اوّل ہے۔ اکثر استعدادیں اس قربانی اور جانبازی کے فقدان سے اندر ہی اندر مر جاتی ہیں اور جب استعداد فنا ہو جاتی ہے تو بشریت کا وہ سرمایہ جو روزِ ازل سے انسان کو امانت کے طور پر دیا گیا تھا۔ وہ غارت ہو جاتا ہے اور ایسا آدمی سگِ دنیا بن کر رہ جاتا ہے جس کی حیات کا مقصد زندگی اور اسبابِ زندگی کی پوجا کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ نبی اکرمؐ کو حکم ہوا ہے کہ آپ ایسے شخص کی مطلق پرواہ نہ کریں۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ذٰلِکَ
آپ اس کی پرواہ نہ کریں جو ہمارے ذکر سے منہ پھیرے اور حیاتِ دنیا کے سوا کچھ ارادہ نہ کرے

مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى (النجم)

ان کی عقل کی رسائی یہاں تک ہے بیشک تیرا پروردگار وہ خوب جانتا ہے اس کو جو اس کے راستے سے بھٹک گیا اور اس کو جو ہدایت پر رہا۔

دنیا اپنے لفظ سے اپنے معنی بتلا رہی ہے یہ وہ مقام ہے جو درجات یعنی (بلندیوں) اور درکات یعنی (گراوٹوں) کے درمیان ایک برزخی حیثیت رکھتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں سے آخرت کی بلندیاں حاصل کی جاتی ہیں اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے آخرت کی پستیاں اور گراوٹیں حصے میں آتی ہیں اور ان سب کی اصل ذہن انسانی میں ہے اور تخیل میں ہے یعنی جس نے اپنے قلب و دماغ میں آسمانی زندگی کا عکسی تصور لے لیا اور اس کو ہر تدبیر سے پختہ کرتا رہا وہ آخرت کی بلندیاں حاصل کرتا رہا اور جس نے آسمانی زندگی کا انکار کیا یا ناپختہ اقرار کیا اور حیاتِ دنیا کے رنج و راحت کے چکّر میں گھومتا رہا وہ اس مرکز سے پستیوں کی طرف گرنا شروع ہو گیا نہ ان بلندیوں کی کوئی انتہا ہے نہ ان پستیوں کی کوئی حد۔ اس قفس عنصری میں رہ کر یہ دونوں چیزیں محض خیالی ہیں لیکن جونہی یہ طائر لاہوتی اس پنجرے سے آزاد ہوگا وہ بلندیاں اور یہ پستیاں اپنی حسّی صورت میں جلوہ گر ہو جائیں گی، پھر جس مقام کا کوئی اہل بن گیا اسی کے درجات اور درکات میں وہ اپنی اپنی مثبت اور منفی کوشش کے مطابق بڑھتا چلا جائے گا۔

انسان اگر یہ سمجھے کہ میں دنیا کو بسانے آیا ہوں تو یہ اس کی غلط فہمی ہے بلکہ یہ تو اپنی ازمائش اور امتحان کے ایام بسر کرنے آیا ہے۔

مقام پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ چمن
نہ سیرِ گل کے لئے ہے نہ آشیاں کے لئے (اقبال)

قرآنی نظریہ کے مطابق اسے ایک بہت پست اور گھاٹے کے مقام میں دکھایا گیا ہے اور خسارے پر خسارے کے امکانات کے دروازے چاروں طرف سے کھول دیئے گئے ہیں اور اگر کوئی شخص اس اَبدی خسارے سے بچنا چاہیئے تو اس کے لئے صرف ایک ہی رستہ ہے کہ وہ اپنے دل میں اس زندگی سے بلند تر زندگی کا اقرار کرے اور اس زندگی سے پست تر زندگی کا اعتراف کرے پھر اعلٰے زندگی کے حصول

کے لیئے سر دھڑ کی بازی لگا دے۔ جان و مال کی قربانی پیش کر دے اور اسفل حیات سے بچنے کے لیئے اپنی دماغی قوتوں کو مضبوط کرے اور عمل میں ہر طرح کی احتیاط برتے اس کا خلاصہ قرآن پاک کی سورہ العصر میں موجود ہے۔

وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِی خُسْرٍ ۙ	قسم ہے زمانے کی بے شک انسان خسارے میں
اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	ہے مگر وہ لوگ (اس خسارے سے بچ نکلے) جو
وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ	ایمان لے آئے اور اچھے عمل کئے اور حق کی وصیت
(العصر)	کرتے رہے اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

مبارک گھڑیاں

جب کائنات کے اس سردارِ اعظمؐ کی حیاتِ مبارک کی چالیس منزلیں ختم ہوئیں بچپن کی سعادت مندیاں گزریں۔ جوانی کی شرافتیں بسر ہوئیں اور حیاتِ مقدس نے جوانی اور بڑھاپے کی حدِ فاصل پر قیام فرمایا۔ تو وہ مبارک گھڑیاں قریب سے قریب تر آگئیں کہ آسمانی ہدایت دنیا کے ظلمت کدوں کو آفتابِ رسالت کے انوار سے منور کر دے اور آسمان جو زمین سے چھ سو برس دور رہا تھا پھر اسے زمین کے قریب تر کر دے۔

جبرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ وہ جدید پیغامِ الٰہی سنیں اور قدیم امانتِ خداوندی کو اٹھائیں اور زمین پر جائیں اور سرزمینِ مکہ میں ہمارے اس محبوب کو تلاش کریں جس کے لیئے ہم نے دو جہان پیدا کیئے اور اپنی رحمت و محبت کا جس کو ہم نے مظہرِ اتم بنایا۔ ہماری یہ امانت اور ہمارا یہ پیغام ان تک پہنچا دیں۔

جبرائیل علیہ السلام نے پیغام سینے میں رکھا اور امانت کندھوں پر اٹھائی اور زمین پر تشریف لائے۔ اس وقت سرورِ دو عالم جانِ جہاں حبیب رب العالمینؐ غارِ حرا میں اپنے محبوبِ حقیقی کی یاد میں مصروف تھے۔ جبرائیل علیہ السلام آئے اور اپنی پوری شان و شوکت سے آئے سید الملائکہ کی یہ آمد حبیبؐ خدا کے پاس پہلی آمد تھی۔ اپنی آسمانی صورت میں آئے۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ دیکھا۔ صورت

اجنبی تھی عادتاً اس سے قرب نہ تھا کچھ گھبرائے۔ فرشتے نے محبوبیت کی شکل اختیار کی اور قریب آیا، گلے لگایا اور محبوبِ حقیقی کا پیغام سنایا اور رسالت کی بشارت دی۔ رحمۃ للعالمینی کا خلعت پہنایا۔ خلافتِ الٰہی کا تاج سر پر رکھا اور سورۂ علق کی پہلی پانچ آئتیں پیش کیں۔

قرآن کی پہلی آیات

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۙ

آپ اپنے پروردگار کے نام کا ورد کریں جس نے مخلوق کو پیدا کیا۔ انسان کو جمے ہوئے خون سے بنایا۔ آپ پڑھیں اور آپ کا رب بہت ہی کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو پہلے وہ نہ جانتا تھا۔

قرآن کی ابتدا ہوگئی۔ انسانیّت کو اس کی امانت بہترین ذریعے سے پہنچ گئی۔ آگاہی اور شعور میں اضافہ ہوا۔ بھولی بسری زندگی کی یاد تازہ ہوگئی۔ آنے والے واقعات آنکھوں کے سامنے آگئے۔ حال کے بنانے کے لئے ایسا نمونہ عنایت ہوا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسےٰ علیہ السلام تک نہ کسی نے دیکھا تھا نہ سنا تھا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے عالم آشکارا ورد کے ساتھ محمد رسول اللہ کا مخفی اور ازلی راز منصۂ ظہور پر جلوہ گر ہوا۔ سرورِ دو عالم رحمۃ للعالمینی کی چادر اوڑھ کر قرآن کا نسخہ کیمیا، آدم علیہ السلام کی حقیقی وراثت دلانے کا ضامن قرآن ہاتھ میں لے کر مکے میں تشریف لائے خلوت کا عرصہ ختم ہوا۔ جلوت کا میدان سامنے آیا اور سرورِ دو عالم فخرِ کونین نے اس آسمانی امانت کو اہلِ مکہ کے سامنے پیش کیا۔

سعید روحوں کی قلّت

سعادت مند روحیں پیغامِ ازل سننے کے لئے ہمیشہ چشم براہ رہتی ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سعادت نسبتاً دشوار اور تنگ راستوں سے آتی ہے اس لئے اس کے حاصل کرنے والوں کی تعداد ہمیشہ تعجب انگیز

قلت میں رہی ہے۔ اگر یہ دولت عام ہوتی تو ہمیشہ ملکوں کے ملک اور قوموں کی قومیں لمبی مدت تک اس دولت سے محروم رہ کر ابدی سعادت کی راہیں اپنے اوپر بند نہ کرتیں

سرِ غمِ عشق بو الہوس را نہ دہند
این دولتِ سرمد ہمہ کس را نہ دہند

ترجمہ۔ اے سرمد محبت کی چبھن لالچی اور دنیا پرست لوگوں کو عنایت نہیں ہوتی اور یہ لازوال دولت ہر ایک کے حصے میں نہیں آتی۔

عقل کی دریافت سے ماوری، اور علم کے ادراک سے بالاتر یہ حقیقت ہے اس کا حصول اور اس سے محرومی ظاہر اور مخفی اسباب سے وابستہ ہے اور اسباب عالم کی یہ کثرت کہ وہ شمار میں نہیں آتے اس واسطے کسی کو معلوم نہیں کہ ہدایت کا انعام کس عملِ خیر سے وابستہ ہے اور ضلالت کا عذابِ الناک کس عملِ شر سے پیوستہ۔ بہرحال خیر کا رشتہ خیر سے ہے اور شر کا تعلق شر سے کس کو کس لیے قبول فرماتے ہیں؛ اور کس کو کس لیے رد کرتے ہیں؛ عام لوگوں کو اس راز سے آشنائی نہیں دی گئی اگر کوئی عامی خواص میں اپنا نام لکھوانا چاہے تو اسے اپنے وقت کی جزئیات پر نگاہ رکھنا ہو گی اخلاص کے لیے ہر عمل خیر خواہ وہ ذرّے کے برابر ہو کرنا ہو گا۔ اور تقوے کی بنا پر ہر عمل شر سے خواہ وہ عمل ذرے کے برابر ہو بچنا ہو گا۔

مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝
وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝
(الزلزال)

ابتدائی مسلمان

مکے کی چند سعادت مند روحوں نے پیغامِ ازل کو سنا اور قبول کیا۔ مردوں میں حضرت صدیق اکبرؓ کے حصے میں یہ دولت آئی۔ عورتوں میں جناب خدیجۃ الکبریٰؓ کو یہ سعادت ملی۔ لڑکوں میں حضرت علیؓ مرتضےٰ اس انعام سے نوازے گئے۔ غلاموں میں جناب زیدؓ بن حارث کے نصیب جاگے۔

پھر آہستہ آہستہ یہ دولت لٹتی رہی۔ آسمان کے فرشتے جس سرعت کے ساتھ اس نورِ عالم افروز کو پھیلتے دیکھنا چاہتے تھے وہ نہ پاکر حیران تھے۔ کائنات کے ذرّات ششدر و متعجب تھے کہ محمدؐ مصطفےٰ ہادی بن کے آئے اور خود سامنے آکر روئے انور دکھاکر فوزِ عظیم کے لئے بلائے اور انسانوں کی اکثریت ایسے پیغام پر کان نہ دھرے ہزار ہزار تعجب ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخفی ذرائع سے آسمانی مدد سے۔ اپنے خلق کی تلوار سے، اپنے سینے کی گرمی سے، آسمانی پیغام کی تاثیر سے۔ اہلِ مکّہ کو تعلیمِ الٰہی کا مسخر کرنا چاہا لیکن شیطان کا جال کفر و شرک کے بندھن لے کر انسانی قلوب کو ایسا پھانس چکا تھا کہ حقیقت نظروں سے اوجھل ہی رہی۔ حسنِ ازل قبیح نظر آنے لگا۔ پیغامِ خدا کی حقیقت مجاز سے بھی کم قیمت نظر آتی۔ کچھ عرصہ تو اہلِ مکّہ خاموشی سے سنا کئے۔ لیکن آخرکار وہ اس بارانِ رحمت کو برداشت نہ کر سکے۔ زبانِ طعن دراز کردی۔ رکاوٹ کے ذرائع حرکت میں آنے لگے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خود مکّہ کے اندر ایسے ایسے دشمن کھڑے ہوگئے اور ایسی ایسی چالیں چلنا شروع کردیں جو فرعون اور نمرود کو بھی نہ سوجھی تھیں

امتحان بقدرِ استعداد

نَحْنُ مَعْشَرَ الْاَنْبِیَاءِ اَشَدُّ بَلَاءً ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ۔ (حدیث)

ہم پیغمبروں کی جماعت سخت سے سخت آزمائشوں میں مبتلا ہوتے ہیں پھر جو ہم سے زیادہ مناسبت ظاہری و باطنی رکھتا ہو ان جیسی آزمائشوں میں ملایا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

جانِ دو عالمؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ آپ پر پتھر پھینکے گئے، غلاظتیں اچھالی گئیں۔ قتل کے مشورے کئے گئے۔ آپ کے جاں نثار غلاموں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں۔ عشقِ محمدؐ کے متوالوں کو پتھروں پر گھسیٹا گیا۔ لوہے کی تپتی ہوئی سلاخوں سے ان کے جسم داغے گئے۔ ہر قسم کے معاشرتی تعلقات قطع کر لئے گئے۔ غرض بھٹکتی ہوئی انسانیت نے ہدایت کا ہر طرح مقابلہ کیا باوجود اس کے دینِ حق کی تبلیغ ہوتی رہی اور انوارِ الٰہی قلوب کی ظلمتوں کو مٹاتے رہے لیکن تمام پیغمبرانہ کوششوں

کے باوصف ہدایت کی رفتار بے حد دھیمی اور تبلیغ حق کے اثرات بالکل ناکافی رہے۔

ادھر اہل مکہ کی دشمنی اور اس کے ظالمانہ اظہار سے ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت اکتا گئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ اسلام کا بیج قلوب کی سرزمین میں بونے کے لئے کوئی ایسا خطۂ زمین منتخب کیا جائے جو اس ہدایت کے گل بوٹوں کو خوشی سے قبول کرے۔ کاتب قدرت نے روزِ ازل سے یہ سعادت زمین یثرب کے حصے میں لکھ دی تھی۔ چنانچہ وہاں پہنچنے کے اسباب بننا شروع ہو گئے

اہل مدینہ اور اسلام

حج کے موقعہ پر اہلِ مدینہ طوافِ کعبہ کو آتے تھے۔ حضورؐ نے ان میں سے ایک جماعت کو قرآن کریم پیش کیا اور محمدی انوار کا جلوہ دکھایا۔ یہ چھ آدمی تھے سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ دوسرے سال بارہ آدمی آئے اور بارہ ہی مسلمان ہو گئے۔ تیسرے سال بہتر آدمی آئے اور مسلمان ہوئے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ حضورؐ! مدینے کی سرزمین آپ کے نقشِ پا کی منتظر ہے آپؐ تشریف لے چلیں۔ حضورؐ نے مدینہ تشریف لے جانا قبول فرمالیا۔

چونکہ غلامانِ محمد کو اہل مکہ بے حد تنگ کرتے رہے۔ تبلیغِ اسلام سے مکے والوں کو دشمنی پیدا ہو گئی تھی۔ اہل مدینہ نے الحاح وزاری سے دعوت دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا مصمم ارادہ فرمالیا۔

مکّہ کے اسلام لانے والوں کی یکتائی

تیرہ سال مکہ میں تبلیغِ دین حق ہوتی رہی اور ازلی سعادت مند لوگوں نے اسلام کو جان و دل سے قبول کیا۔ یہ امر فطرت اسلام میں داخل ہے کہ نادار، مفلس، بے کس لوگ اسلام جلدی قبول کرتے ہیں اور شکستگیٔ دل کی سرزمین میں یہ بارآور نہال خوب پھلتا پھولتا ہے ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

اِسلئے سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی غلاموں میں بلال حبشیؓ، عمار ابن یاسر اور اس کا خاندان حبابؓ بن ارتؓ صہیبؓ رومی جیسے درویش پاکباز، عشق و محبت کے متوالے اور جان پر کھیلنے والے غریب مسلمان ہیں۔ ہر طبقے اور ہر جنس سے مسلمان حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ قریش کے امرا میں سے اور مکہ کے اہل اثر رسوخ میں سے اہل تدبیر ورائے میں سے اور اہل شجاعت اور سخاوت میں سے سبھی قسم کے لوگ اس نعمت کے حاصل کرنے میں شامل تھے۔ تعداد تھوڑی تھی لیکن سب سچے موتی تھے۔ نظرِ کیمیا اثر نے ان سب کے کھوٹ نکال دیئے تھے اور وہ سب ایسے یگانۂ روزگار بنے کہ بڑی بڑی مہذب قومیں ایسے یکتا انسان پیش نہیں کر سکیں اور زمانے کے عقلا ان کے اخلاص۔ قربانی اور کمالاتِ ظاہری و باطنی کو مثال کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

ہجرت مدینہ طیبہ

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسمان کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

زمین و زماں سب اللہ تعالےٰ نے انسان کے لئے مسخر فرما دیئے ہیں کہ جہاں چاہے قیام کرے مسلمان کی حیاتِ مستعار کا مقصود اللہ کی عبادت اور اعلائے کلمۃ الحق ہے جہاں اس مقصد کے لئے زمین ہموار ہو وہ اس کا وطن ورنہ

ع ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

کے مصداق ہر ملک اس کا اپنا وطن ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًاo

ترجمہ۔ اور کہہ اے رب! داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا اور بنا دے مجھ کو اپنے پاس سے ایک حکومت کی مدد۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع مبارک مکے والوں کی تنگ دلی سے بھر گئی اللہ جل جلالہٗ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیج دیا کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکَ بِالْھِجْرَۃِ[1] ۔ اور رب رحیم نے اپنے حبیب کو مدینہ جانے کی اجازت بخش دی۔

مومن کی مراد ایں عبادت اور رجوع الی اللہ مقصود ہے اس لئے ہجرت کے مقصد کے حصول کے لئے بھی اللہ تعالےٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جامع دعا سکھلا دی۔ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ ۔ اور پھر دار الہجرت میں کامیابی اور

---

[1] اللہ تعالےٰ آپ کو ہجرت کا حکم فرماتے ہیں۔ (الحدیث)

کامرانی کی خوشخبری عنایت فرمائی

وَمَنْ یُّھَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا کَثِیْرًا وَّسَعَۃً ط

ترجمہ۔ اور جو وطن چھوڑ دے اللہ تعالےٰ کی راہ میں اس کے مقابلے میں بہت جگہ پائے اور کشائش

اللہ تعالےٰ کی راہ میں کوئی بھی عمل ہو اخلاص و محبت سے قدم اٹھانے والا پہلے ہی قدم پر کامیابی کا سہرا باندھ لیتا ہے۔ فرماتے ہیں وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (سورۃ النسآء) اور جو کوئی نکلے اپنا گھر چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھر آ پکڑے اس کو موت سو ٹھہر چکا اس کا ثواب اللہ پر اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضورؐ نے تمام صحابہ کو ہجرت کا حکم دے دیا اور آہستہ آہستہ تمام اصحابِ رسول صلعم اپنا سب کچھ مکے میں چھوڑ کر مدینے میں چلے گئے لیکن ابھی سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی۔ صدیقِ اکبرؓ اور علی مرتضےٰ رضؓ مکے ہی میں تھے۔

قریش نے دارالندوہ میں مشورہ کیا کہ ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی لیا جائے اور یہ گروہ دارالنبیؐ کا محاصرہ کرے اور جانِ دوعالمؐ کو شہید کر دے۔

یہی رات ہجرت کی شب قرار پائی۔ حضورؐ نے اپنے بستر مبارک پر حضرت علیؓ کو سلا دیا اور خود باہر تشریف لائے۔ حضرت علیؓ دیکھ رہے تھے کہ بسترِ استراحت نہیں جانبازی کی امتحان گاہ ہے۔

جان فروشی سے اسلام کی ابجد شروع ہوتی ہے۔ دراصل اسلام سراسر محبت ہے اور محبت کی پہلی ریت جانبازی ہے۔

جو طعنے جگت کے سہہ نہ سکے پیتم سنگ انکھ لڑائے کیوں
جو سیس تلی پر رکھ نہ سکے وہ پریم گلی میں آئے کیوں

ایک معجزہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر ریت اٹھائی کفار کی طرف پھینکی اور ان کے سامنے باہر

تشریف لے گئے یہ معجزۂ رسولؐ تھا کہ وہ آپ کو دیکھ نہ سکے۔ صدیقؓ اکبر کو ساتھ لیا اور غارِ ثور میں پہنچے یہ غار مکّہ کے جنوب مغرب میں تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

دوسرے روز صبح سرورِ دو عالم کی بجائے علی مرتضےٰؓ کو دیکھ کر کفار کو کھلائے سے گئے۔ ندامت اور غصے کے دریا میں خس و خاشاک بن کے بہہ گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش شروع ہوئی۔ پھرتے پھراتے غارِ ثور تک گئے اور عین دہانۂ غار تک جا پہنچے۔ صدیق اکبرؓ محزون سے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (قرآن) آپ غم نہ کریں اللہ تعالےٰ ہمارے ساتھ ہے

روایت ہے کہ تشریف آوری کے فوراً بعد دہانۂ غار پر کبوتری نے انڈے دیئے اور مکڑی نے جالا تن دیا غار کا منہ ایسا معلوم ہُوا کہ مدّت سے بند پڑا ہے۔

صدیق اکبرؓ نہ صرف خود ہی رسول اللہ صلعم کے عاشق زار تھے بلکہ سارا گھر ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام تھا حضرت اسماءؓ دختر صدیقؓ اکبر روزانہ شام کو کھانا لاتیں حضرت عبداللہ صدیق اکبرؓ کے فرزند مکّے کے روزانہ حالات سے آگاہ کرتے۔ یارِ غارؓ کا غلام بکریاں چرانے کے بہانے دودھ پیش کرتا۔

موقع کو غنیمت جانو

وقت اور اخلاص کی خدمت اپنا درجہ اور مقام رکھتی ہے ہجرت کی شب بنت صدیقؓ اکبر حضرت اسماؓ نے توشہ دان میں کھانا رکھا اس وقت توشہ دان کا منہ باندھنے کیلئے کوئی چیز نہ تھی اپنا کمر بند جس کو عربی میں نطاق کہتے ہیں پھاڑ دیا اور اس آدھے حصے سے توشہ دان کا منہ باندھ دیا۔ بظاہر یہ کام کوئی بڑا کام نہ تھا۔ ایسے موقع پر ایسا ہو جاتا ہے لیکن اخلاص و محبت کی ہر ادا مقبول ہے اور منظور ہے اعمال میں ذرے ذرے کا شمار ہے اس لئے ہمیشہ موقع کا منتظر رہنا چاہیئے اور وقت پر چھوٹی بڑی قربانی سے دریغ نہ ہونا چاہیئے۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ قربانی پسند آئی اسی وقت ایک خوبصورت خطاب سے سرفراز فرمایا۔ قیامت تک حضرت اسماءؓ کے نام کے ساتھ محبوبِ خالق کے یہ الفاظ "ذاتُ النِّطَاقَیْن" (دو کمر بندوں والی) اسم اور مسمیٰ کے لئے برکت و شرافت کا نہ ختم ہونے والا ذخیرہ قائم رکھیں گے۔



...إذ هما في الغار إذ يقول لصاحبه
لا تحزن إن الله معنا...

اگر آپ بھی چاہتے ہیں کہ خطابِ نبوی اپنے حصے میں لیں تو اس کی شرطِ اول یہ ہے کہ وقت کی نزاکتوں کو ہمیشہ سامنے رکھیں اور دین کے لئے ہر چھوٹی بڑی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ پھر دنیا اور آخرت آپ کے ہاتھ میں ہے۔

زندگی موجود ہے اور باقی ہے

موت ایک پردہ ہے اس پردے کی دوسری جانب سب کچھ ہو رہا ہے۔ بڑے چھوٹے تمام اعمال کے نتائج نکل رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ ہمارے اخلاص اور عمل پر ان کی خوشی موجود ہے فرق صرف اتنا ہے کہ خطاب کو عوام کے کان سن نہیں سکتے ...... ورنہ خطابات کے دفتر میں ہر خطاب کا اندراج ہو رہا ہے۔ اور سننے والے سن بھی رہے ہیں۔

سفرِ مدینہ

آپ تین دن غارِ ثور میں ٹھہرے چوتھے روز صدیق اکبرؓ کی پیش کردہ اونٹنیوں پر سفر شروع ہوا۔ صدیقؓ کی جانثاری نے دشوار سفر میں جابجا آسانیاں پیدا کر دی تھیں۔ منزلیں طے ہو رہی تھیں۔ اثنائے سفر میں حضرت زبیرؓ ملے وہ شام سے مالِ تجارت لا رہے تھے۔ حضرت زبیرؓ نے دربارِ رسالت میں بیش قیمت کپڑے پیش کئے جو بے سروسامانی کی اس حالت میں خوشی سے قبول فرما لئے گئے۔

سراقہ کا واقعہ

ادھر قریش نے ایک انعام مقرر کیا کہ جو (خلاصۂ کائنات) محمد صلعم کا سر لائے وہ سو اونٹ کا حقدار ہے ان بیچاروں کو کیا معلوم تھا کہ یہ وہ محبوبِ خدا ہیں جن کی محبت اور الفت میں لاکھوں انسان ہر زمانے میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنی فداکاری کا ثبوت پیش کرتے رہیں گے اور اس سر کا ایک ایک بال سلطنتوں کی قیمت پائے گا باقی سرپھروں میں مکے کا ایک شخص سراقہ بن جعشم اس انعام کی خاطر چڑھ دوڑا۔ دور سے آپ کو دیکھا اور

پہچانا۔ نیت تو خراب تھی ہی گھوڑے کو اڑ لگائی۔

ایک معجزہ

جب قریب گیا۔ پہلے خود گرا پھر سوار ہوا۔ پھر گھوڑا گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا آسمان کے تیور بدلے ہوئے دیکھ کر ڈرا کہ اب جان کی خیر نہیں پکارا یا رسول اللہ صلعم مجھے پناہ دیجئے۔ حضورؐ نے پناہ دی کہنے لگا کہ پناہ نامہ لکھ دیجئے۔ حضور نے حکم دیا اور عامر بن فہیرہ صدیق اکبرؓ کے غلام نے جو اس وقت ہمراہ تھا۔ چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امان لکھ دی۔ حضور نے اس وقت ایک بشارت دی سراقہ! تیرا اسوقت کیا حال ہوگا جب کہ کسریٰ کے کنگن تیرے ہاتھوں میں ہوں گے۔

حضرت عمرؓ کا زمانہ ہے ایران فتح ہو چکا ہے۔ مال غنیمت حاضر ہے۔ امیر المومنین مالِ غنیمت کا جائزہ لے رہے ہیں اور کچھ اس میں سے تلاش کرتے ہیں آخر ڈھونڈھ ڈھانڈ کر شاہِ ایران کے کنگن نکالے اور سراقہ کے ہاتھوں میں پہنا دیئے اور کہا کہ سرورِ دو عالم کی پیشین گوئی آج پوری ہوئی فَلِلّٰہِ الحمد۔

حالانکہ پہلی مرتبہ جب مالِ غنیمت پر نظر پڑی اور کروڑہا پونڈ کا قیمتی سامان اور خزانے ملاحظہ کئے تو رو پڑے عرض کی گئی۔ امیر المومنین یہ خوشی کا مقام ہے اور آپ رو رہے ہیں! فرمایا میں اس لئے رویا ہوں کہ جب دولت بہتات سے آتی ہے تو انسان کو راہِ حق سے غافل کر دیتی ہے۔

مدینے میں انتظار

اہل مدینہ کے دل میں محبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور صبح سعادت کی طرح چمک رہا تھا۔ وہ ہر گھڑی انتظار میں تھے کہ جس بے مثال محبوب کا تصور ذہن میں دلایا گیا ہے دیکھئے وہ اپنی دلربا صورت سے نگاہ ظاہر کو کب منور کرتے ہیں۔ بوڑھے، جوان، مرد، عورت سبھی علی الصبح مدینے سے باہر نکل آتے اور دوپہر تک چشم براہ رہتے۔ کئی دن ایسا ہوتا رہا کہ صبح آتے اور دوپہر کو دیدار نہ پا کر حسرت اور ارمان سے بھرے سینے لے کر لوٹ جاتے۔ لیکن ایک دن انتظار کی گھڑیاں گذار کر واپس ہوئے ہی تھے کہ ایک

یہودی نے قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر دیکھا کہ نور کے دو پتلے دور سے نمودار ہوئے ہیں جھٹ پکارا مسلمانو! جس نبیؐ کی انتظار میں تم تھے دیکھو وہ آرہے ہیں۔ اہل مدینہ شوق اور محبت کا ایک طوفان سینوں میں لئے استقبال کو بڑھے۔ محبت کے دو پتلے جلوۂ الٰہی کا ہار پہنے سامنے ہیں۔ خلعت خلافتِ الٰہیہ کندھوں پہ سجائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں جو سنا تھا اس سے ہزار چند زیادہ پاکر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اللہ اکبر

قُبا میں تشریف آوری

۲۰ ستمبر ۶۲۲ء شنبہ کے دن آنحضرت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی بالائی بستی قُبا میں تشریف لائے۔ یہاں انصار کے خاندان آباد تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلثومؓ بن ہدم کے گھر قیام فرمایا۔ یہ صحابی اپنے خاندان کا سردار تھا۔

کیا خوش نصیب ہے وہ انسان کہ دو جہان کا سردار حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جس کے گھر مہمان ہو حضور کی مہربانی سے تمام خاندان کا سر ہمیشہ کے لئے فخر سے بلند ہوگیا۔ اکثر صحابہ پہلے ہی کلثوم بن ہدم ہی کے مہمان تھے حضرت علیؓ بھی مکے والوں کی امانتیں پہنچا کر دو تین دن کے بعد مدینے پہنچ گئے۔

مسجد قبا کی تعمیر

کلثوم بن ہدم کی ایک زمین پڑی تھی۔ حضور نے یہیں ایک مسجد کی بنیاد رکھی دنیا میں یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو سرور دو عالم نے اپنے ہاتھ سے تعمیر کی۔ اس مسجد کی تعمیر میں اللہ کا محبوب اپنے ہاتھ سے بھاری بھاری پتھر اٹھا رہا ہے۔ سبحان اللہ ـــ

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کی شان ہے اور کیسی انکساری۔ جان دو عالم مصروفِ کار ہیں اور تمام مزدوروں میں خود اپنے ہاتھ سے کام کر رہے ہیں۔ مسجد تیار ہوئی۔ چودہ روز اسی مقام عالی میں قیام رہا پھر شہر مدینہ کو رونق بخشی۔ راستہ میں بنی سالم کے محلے میں نماز ظہر کا وقت آگیا۔ جمعے کا دن تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کا سب سے پہلا

خطبہ یہیں دیا اور نماز جمعہ ادا فرمائی جب اہل مدینہ کو حضورؐ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو وہ جوشِ محبت میں استقبال کے لئے باہر نکلے اور مدینہ سے قبا تک راستہ پر دو رویہ فداکاروں کی صفیں تھیں۔ چہرے خوشی سے چمک رہے تھے۔ آنکھوں میں محبت کا نور تھا اور سینے جوشِ مسرت سے لبریز تھے۔

خاندانِ بنو نجار کی مستورات اپنے اپنے مکانوں کی چھتوں پر نکل آئیں اور یہ اشعار پڑھنے لگیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

ترجمہ:- کوہ وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند نکل آیا۔ اب ہم پر شکر خدا اس وقت تک واجب ہوگیا جب تک اللہ سے دعائیں مانگی جائیں گی اے اللہ کا رسول تو اپنے ہادی کے حکم سے یہاں تشریف لایا۔

راستے میں بنی نجار کی معصوم لڑکیاں پڑھ رہی تھیں۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي نَجَّارٍ يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارٍ

ترجمہ:- ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں اب تو نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اچھے ہمسائے ہوگئے۔

حضورؐ نے لڑکیوں کو مخاطب فرمایا۔ کہ تم مجھ کو چاہتی ہو۔ سب نے مل کر کہا نعم! پھر حضورؐ نے فرمایا میں بھی تم کو چاہتا ہوں۔ جذبات قلبی کا اشعار میں بیان اور اس کو پڑھنا یہ فطرتِ انسانی ہے۔ سلامتی فطرت اس میں ہے کہ پاکیزہ جذبات کو پاکیزہ الفاظ وتراکیب میں پیش کیا جائے۔ پسندیدہ مقام پر ان کا استعمال ہو۔ قرآن پاک نے شعرا وشعر کی مذمت بھی کی ہے لیکن صرف گندے اشعار کی اور نامناسب طریقۂ اظہار کی مذمت فرمائی ہے ورنہ قرآن پاک تو ہر محمود و مرغوب چیز کی اشاعت کا داعی ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور فطرت کی ہر خواہش عمدہ اسلوب سے یہاں پوری ہو رہی ہے۔

اہل مدینہ کی خواہش

اہل مدینہ جان نثاری میں معروف عشق محمد رسول اللہ میں مشہور سب چاہتے تھے کہ آج دو عالم کا میزبان ہمارا مہمان بنے۔ اُمرا بھی اسی خواہش سے تر زبان تھے اور غربا بھی اسی تمنّا کو آنکھوں کا نور بنائے ہوئے تھے۔

سرورِ دو عالم نے فرمایا کہ ہمارا قیام وہاں ہوگا جہاں اللہ کو منظور ہے۔ اونٹنی کی مہار چھوڑ دی گئی۔ سواری جا رہی تھی کہ حضرت ابوایوبؓ انصاری کی سعادت کا ستارہ چمکا اور اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیبؐ کی میزبانی کی یہ دولت ان کے حصّے میں دے دی جو قیامت تک یادگار بن گئی۔ اونٹنی جب ان کے گھر کے قریب پہنچی تو بیٹھ گئی۔ حضور نے فرمایا بس! ہمارا قیام اب یہیں ہوگا۔ حضورؐ نے سات ماہ تک اسی مکان میں قیام فرمایا۔ دو منزلہ مکان تھا پاس ادب سے دوسری منزل پیش کی گئی۔ زائرین اور مشتاقان لقا کی سہولت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی منزل کو پسند فرمایا۔

کھانا حضرت ابوایوبؓ ہی کے گھر سے آتا تھا اور سات ماہ تک میاں بیوی نے وہ کھانا کھایا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تناول فرمایا۔ سبحان اللہ! کتنی خوش نصیبی ہے۔ اکثر حضرت ابوایوبؓ وہاں سے پہلا لقمہ اٹھاتے جہاں محبوبؐ رب العالمین کی انگلیوں کے نشان پاتے۔ یہ بھی محبت کا ایک فطری سبق ہے جو وہ بے اختیار دہراتے۔

ایک مرتبہ چھت پر پانی کا گھڑا گر گیا۔ حضرت ابوایوبؓ نے دیکھا کہ مبادا پانی نیچے ٹپک پڑے بظاہر خشک کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہ دیکھ کر اپنے لحاف سے خشک کر دیا اور خود سردیوں کی تمام رات بغیر لحاف کے گذار دی۔ اور دل کی مشتاقی ہمیشہ اس کیفیت سے سرشار تھی۔

اے دل و دیدہ ہر دو خانۂ تو   سرِ من خاکِ آستانۂ تو
کاش برمن فتد نہ بر توسن   دمبدم زخم تازیانۂ تو

ترجمہ:۔ اے محبوب میرا دل اور میری یہ دونوں آنکھیں تیری قیام گاہ ہیں اور سر میرا تیرے آستانے کی

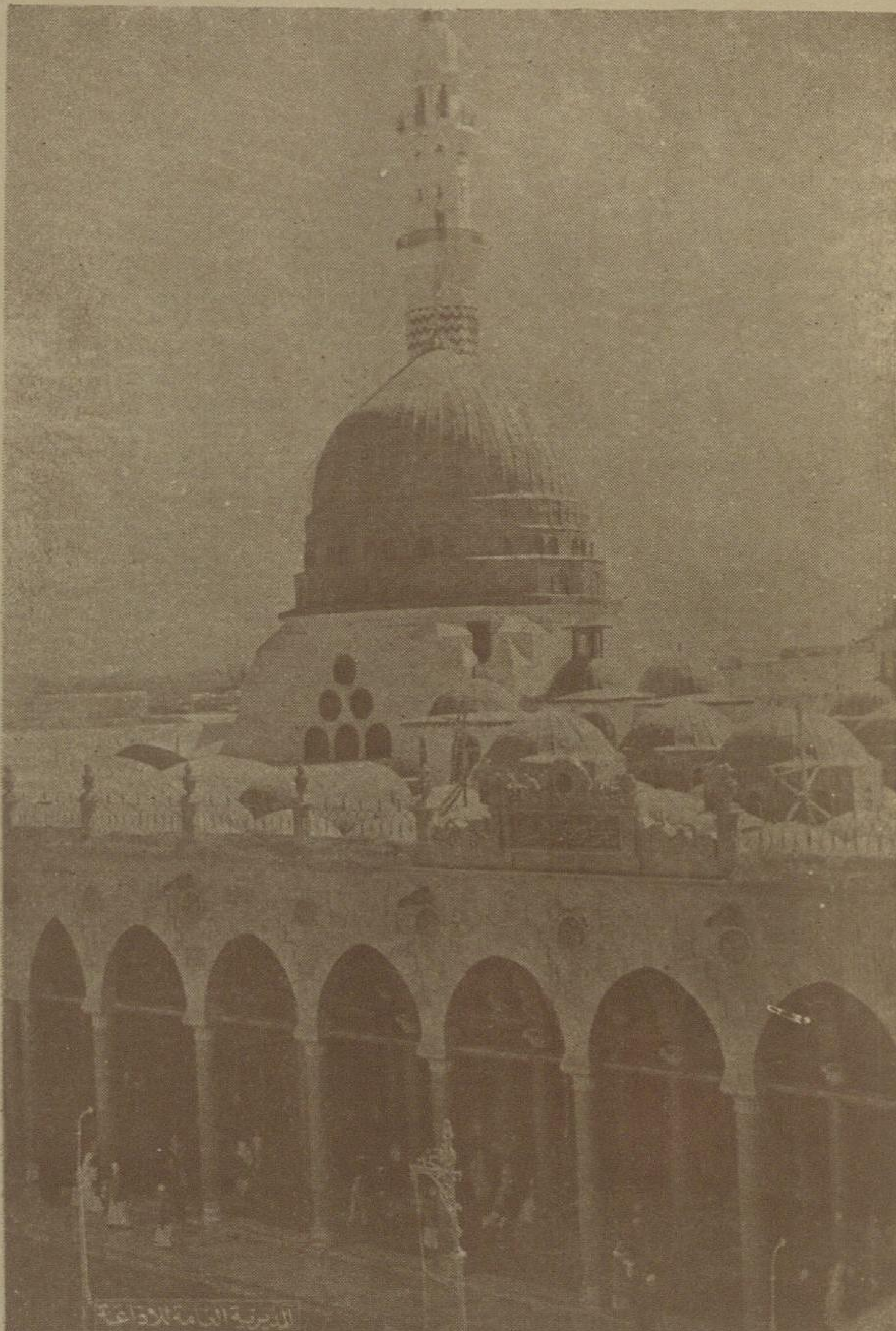
خاک ہے ۔ اے میرے شہسوار! اے کاش کہ حضور کے چابک کی ضرب اس گھوڑے کی بجائے مجھ پر پڑتی۔

مسجد نبوی کی تعمیر

دربار سرورِ دو عالمؐ روزانہ لگتا ہے۔ زائرین آتے ہیں اور نبوت و رسالت کے فیض سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اہل مدینہ کا دل اور اسلام کا نور نہ معلوم کس مقام پر اکٹھے رہے تھے۔ بچھڑے دوستوں کی طرح ملے۔ جوق در جوق مسلمان ہو رہے ہیں اور سرزمینِ مدینہ میں دریائے وحدت ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ محبت کی سب رتیں ادا ہو رہی ہیں۔ جانبازی کے باغ میں بہار آئی ہے اور سرفروشی کے دریا سے نہریں نکل رہی ہیں اشارہ نبوی فرمانِ حق تصور ہوتا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو میں کلام حق کا لطف آتا ہے

اللہ جل جلالہٗ کے اس باغبان نے محبت الٰہی کے وہ پودے قلوب کی سرزمین میں لگائے جن کی جڑیں پاتال تک پہنچ گئیں۔ عبادتِ الٰہی اور اطاعتِ محمد صلعم کے سوا سب مشاغل باطل نظر آنے لگے اگرچہ عبادت کے لئے اللہ تبارک و تعالےٰ کی ساری زمین وقف ہے اور سجدۂ مومن کسی ایک مقام کے ساتھ وابستہ نہیں تاہم ظاہری مرکز بھی قیام دائرہ کے لئے ضروری ہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر قیام مدینہ کے اولین مشاغل میں ہے۔ حضور فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوبؓ کے گھر کے سامنے ایک زمین پسند فرمائی۔ اراضی کے مالک یتیم بچے تھے جو اسعد بن زرارہ پہلے بیعت کرنے والے انصاری کی تحویل میں تھے باہمت بچوں نے اپنی کائنات دربار رسالت میں پیش کر دی ادھر کرم نوازی کی شان ہے۔ فرمایا! قیمت ادا کریں گے دس دینار قیمت مقرر ہوئی حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قیمت اپنی گرہ سے ادا کی۔ زمین کو صاف کیا گیا اور مسجد نبوی کی بنیاد پڑی۔ اس وقت اس کی لمبائی سو گز تھی۔ تمام صحابہ کرام ادنٰے مزدور کی طرح تعمیر مسجد میں کام کرتے تھے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک سے پتھر اٹھاتے صحابہ قربان ہو ہو جاتے کہ جانِ جہان تکلیف نہ فرمائیں لیکن حضور سراپا نور رحمتِ عالمؐ کے ہاتھ سے ایک پتھر لے لیا جاتا تو دوسرا اٹھا لیتے۔ صحابہ پتھر اٹھاتے اور یہ رجز پڑھتے جاتے۔ ادھر کائنات کا سردارؐ ان کی آواز میں آواز ملاتا۔



مسجدِ نبوی ص و گنبدِ خضرا

گنبدِ خضرا

حبیبِ کبریا علیہ الصلوۃ والسلام

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید اینجا

علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ زمین کے جس مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ مبارک ہے وہ مقام عرش اعظم سے بھی افضل ہے -

اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃ

فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃ

ترجمہ: الٰہی آخرت کے سوا کوئی بھلائی نہیں۔ میرے مولا! تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما دے۔

مسجد کی دیواریں تین گز بلند تھیں۔ کھجور کے ستون، کھجور ہی کے شہتیر اور بانسے تھے اور اوپر کھجور کے پتے ڈال کر ایک چھپّر کی صورت بنالی تھی۔

تعمیرِ مسجد پر جو انعاماتِ خداوندی کا اعلان ہے مَنْ یَّعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ (قرآن کریم) وہ بہت ہی روح افزا ہے لیکن اولین تعمیر مسجد نبوی کو دیکھ کر آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تعمیر مسجد سے مراد صرف اینٹ، پتھر اور گچ کی تعمیر نہیں جس پر ہزاروں روپے اٹھ جائیں اور بعض اوقات تو مساجد آثارِ قدیمہ کی طرح دیکھنے دکھانے کا ایک مقدس مقام بن جاتی ہیں اور مسلمانوں کی تعمیر دین سے غفلت کے مرثیے زبانِ حال سے پڑھتی ہیں۔

بلکہ تعمیرِ مسجد سے اصل مراد تعمیرِ دین کا مرکز ہے جہاں عبادتِ الٰہی دن رات ہوتی رہے اور وہ ایک مخصوص مکان ہو سکتا ہے اور یہی مقدس مقام راتوں کو جاگنے والوں کے لیے امن کا گھر ہے۔ جہاں پانچوں وقت دربارِ خداوندی میں سجدہ ہوتا ہے۔

حرمِ نبوی اور اہلبیت نبوی کی مدینہ میں تشریف آوری

مسجد کے ساتھ حرم نبوی کے لئے حجرے بھی تیار ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ اور حضرت عبداللہ بن ابو بکرؓ کو دو اونٹ اور پانسو درہم دیئے اور حکم دیا کہ مکّے جائیں اور حرم نبوی اور حضورؐ کی پیغمبر زادیوں کو لے آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں میں حضرت رقیہؓ، حضرت عثمانؓ کے ساتھ حبش میں تھیں۔ حضرت زینبؓ کو ان کے سسرال نے آنے نہ دیا۔ حضرت زیدؓ حضرت خاتونِ جنت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت سودہؓ زوج النبی کو لے آئے۔ حضرت عائشہؓ اپنے بھائی عبداللہ کے ہمراہ مدینہ تشریف لائیں۔

مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور

انصارِ مدینہ

دنیا ایک تماشاگاہ ہے۔ اس میں ہزاروں میلے لگے۔ لاکھوں رونقیں ہوئیں۔ کروڑوں انقلاب آئے جو نیچے کی زمین اوپر کر گئے اور تقدیریں تبدیل کر گئے۔ قسمتیں نہ صرف انسانوں کی تبدیل ہوتی رہیں بلکہ قطعاتِ ارضی بھی ناظم تقدیر سے اپنی تقدیریں بدلواتے رہے۔ اجاڑ زمینیں پُربہار بستیاں بن گئیں اور رونق بھرے شہر جنگل بیلے ہو گئے۔ مادی تبدیلیاں بھی بے شمار ہوئیں اور روحانی انقلاب بھی بے شمار آئے۔ وہی زمینیں جن میں کل کفر کی ظلمت کا سکّہ جاری تھا۔ وہاں نورِ اسلام کا پرچم لہرایا۔ اس انقلاب کی ایک بولتی ہوئی تصویر مدینۃ الرسول ہے۔ یہی سرزمین ایک طویل مدّت تک یہودیوں کا دارالحکومت بنی رہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم یہاں پھلی پھولی اور حوالی مدینہ میں اپنے بیسیوں قلعے تعمیر کئے۔

انصار مدینہ

یمن میں ایک سیلاب آیا جسے سیل العرم کہتے ہیں اور قبیلہ قحطان کے بعض لوگ مدینے آئے ان میں دو بھائی اوس اور خزرج بھی آئے جو یہاں آکر آباد ہو گئے۔ ان کی اولاد بڑھی تو دو قبیلے بن گئے اوس اور خزرج یہی وہ دو قبیلے ہیں جو اسلام لاکر انصارِ مدینہ کہلائے۔

مدینہ میں یہود کی کثرت تھی اور اقتدار بھی انہی کا تھا اس لئے اوس اور خزرج دونوں قبیلے ان کے حلیف بن گئے۔ کچھ مدّت تو دونوں قوموں میں معاہدہ رہا۔ پھر یہودیوں نے معاہدہ توڑ دیا۔

یہود کا اقتدار کیسے کم ہوا؟

اوس اور خزرج کا خاندان بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ لیکن ریاست اور اقتدار کی باگ یہود کے ہاتھ

میں تھی۔ یہودیوں کا ایک سردار فطیون نہایت عیاش اور بدکردار تھا۔ انصار کے سردار مالک بن عجلان نے اس کو قتل کر دیا اور شام میں جاکر شام کے حکمران ابوجبلہ کے پاس پناہ لی اور اس سے امداد طلب کی۔ وہ ایک بھاری فوج لے کر یثرب پر چڑھ آیا۔ یہودی دہشت کھا گئے ان کے رؤسا کو ابوجبلہ نے بلایا اور ایک ایک کر کے دھوکے سے سب کو قتل کر ڈالا۔ یہودی شکست خوردہ ہو گئے اور انصار کا اقتدار بڑھ گیا۔

اوس و خزرج کی باہمی جنگیں اور ان کا مذہب

اوس اور خزرج نے بھی ارد گرد بہت سے قلعے تعمیر کرائے اور پوری قوت اور طاقت سے وقت بسر کر رہے تھے آخر قوت کی تلوار بے استعمال نہ رہ سکی اور باہم اوس و خزرج کی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور کئی خونریز لڑائیاں ہوئیں

جنگ بعاث ان کی آخری باہمی لڑائی ہے جس میں ان کے تمام مشہور بہادر کام آئے اور ان کے دونوں خاندان بے حد کمزور ہو گئے۔ اس کمزوری کی بنا پر انہوں نے قریش مکہ کے پاس اپنے آدمی بھیجے کہ وہ انہیں اپنا حلیف بنالیں۔ لیکن قریش سے یہ معاہدہ ہو نہ سکا۔

اوس اور خزرج دونوں قبیلے بت پرست تھے لیکن یہود کے قرب نے انہیں اس بات سے آشنا کر دیا تھا کہ الہام ربانی کتابوں کی صورت میں آسمان سے اترتے رہے ہیں اور نبی اور رسول پیغام الٰہی کو ہر زمانے میں اس وقت کے انسانوں کو پہنچاتے رہے ہیں۔ یہودیت کی حقیقت ایمان بالآخرت سے بھری ہوئی ہے لیکن دنیا پرست علماء نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کے جرم سے ایمانی انوار کو ختم کر دیا اور عمل کے بغیر صرف نام کا ایمان خوش فہمی رہ گیا۔

ایمان اور عمل کا لزوم[1]

نبوت اور رسالت سے آشنائی اور تعلیمات الٰہی سے شناسائی ایمان کے مبادیات سے ہیں۔ اور ایمان عمل کی جان ہے۔ ایمان اور عمل اگرچہ الگ الگ انوار ہیں اور جداجدا کیفیات کے سرچشمے تاہم ان کو

---

[1] اس عنوان کی ذیلی سرخیاں نشان ستارہ پر ختم ہوتی ہیں۔

ایسا توام کر دیا گیا ہے کہ ایک کے بغیر دوسرا بے کار ہے عمل بغیر ایمان کے منافقت ہے اور ایمان بغیر عمل کے صرف ایک اچھا تخیل اور اس دارِ عمل میں جب کہ حواس کی تسکین بغیر مشاہدہ کے نہیں ہو سکتی۔ عمل کو ایمان کا مظہر بنا کر اس کو ایسا ضروری قرار دیا گیا ہے کہ گویا ایمان بغیر عمل کے زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ لیکن جو لوگ ایمانی کیفیات کو عمل کے جسم نوری سے دُور رکھتے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ جان ایمان کو ختم کرنا شروع کر دیتے ہیں تا آنکہ ایمان کا نور ظلمت کی گھٹاؤں میں کھو کے رہ جاتا ہے پھر نام تو ایمان کا ہوتا ہے لیکن نشان ندارد۔ اور صرف نام کا مومن وہ کام کر گذرتا ہے جو بے ایمان آدمی کا کردار ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں یہود و نصاریٰ کے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور بت پرستوں کی طرح مورچے سنبھال لینے کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایمان بالآخرت کے سارے تقاضے ان کے اندر ختم ہو چکے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق رسالت نہ کرنا یہودیت اور نصرانیت کو بے پردہ کرنا تھا اس لئے کہ حضور سرورِ دو عالم کی تعلیمات ان سب کی حقیقت کا اقرار کرتی ہیں اور ان کے انبیاء کی تصدیق کرتی۔ ان کی کتابوں کو آسمانی صحیفے بتلاتی ہیں۔ اس لئے ظاہری مناقشت کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی سوائے اس کے کہ یہ لوگ ایمان بالآخرت کی دولت سے بے بہرہ تھے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والی ایمانی آنکھ سے محروم ہو کر حضور کو جھٹلایا۔

ایمان کی راہ میں حُبِ دنیا بہت بڑی رکاوٹ ہے

ایمان سے خالی کرنے والی اگر کوئی چیز سب سے زیادہ مؤثر ہے تو وہ حُبِ دنیا ہے اس لئے کہ حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ — دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔

جب یہ لعنت کوئی فرد یا کوئی قوم قبول کر لیتی ہے تو لذات اور شہوات، آرام و آسائش اور عزت و وقار زندگی کا مقصود بن جاتے ہیں اور ہر وہ چیز جو اس مقصود کے سامنے حائل دیکھتے ہیں۔ اس کے دور کرنے میں وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ خواہ یہ مقصد ہدایت کی تکذیب سے حاصل ہو خواہ باہمی آویزش سے، ایمان کے فقدان اور حُبِ دنیا سے یہ سب کچھ کر گزرتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ جاہ طلبی اور کثرتِ مال کی محبت میں غرق تھے اور محبت الٰہی اور محبت آخرت کو دل کے اندر حبِ دنیا کے بے شمار پردوں نے چھپا رکھا تھا۔ وہ خدا کا نام لیتے تھے۔ فرشتوں سے آگاہ تھے۔ آسمانی کتابوں کے قائل تھے۔ رسالت کی کرشمہ سازیاں بھی دیکھ چکے تھے لیکن ان سب حقائق پر بشریت کے حیوانی تقاضے غالب تھے۔ اپنی خواہش سے دین کو موڑ توڑ لیتے اور قانونِ الٰہی کی تاویل اپنی منشا کے مطابق کر لیتے ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے اور دوزخی بتلاتے ہوئے ذرا بھر نہ جھجکتے اور اپنے متعلق طرح طرح کی خوش فہمیوں میں مبتلا تھے کہ اگر ہم اپنے برے اعمال کے بدلے جہنم میں بھیج بھی دیئے گئے تو وہاں گنتی کے چند دن رہیں گے۔

علماء کی بحثیں اپنے اقتدار کے لئے ہوتیں جن کی غرض سوائے ذاتی شہرت کے کچھ نہ ہوتی اور خوفِ خدا کا نشان ان کے کسی عمل سے نمایاں نہ ہوتا اور ایک دوسرے کو حقیر ثابت کرنے میں سارا زور صرف کرتے اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کو ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ (البقرہ)	اور یہود یہ کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں ہیں (یعنی باطل پر ہیں) اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی چیز پر نہیں ہیں (یعنی ناحق پر ہیں) حالانکہ وہ سب کتاب الٰہی پڑھتے ہیں۔

عوام کالانعام اپنے لیڈروں اور غلط پیشواؤں کے آگے بھیڑ بکریوں کی طرح ہوتے ہیں وہ ان کو جدھر چاہیں لے جائیں اگرچہ عوام کے اعمال بھی صحیح مذہب کی تضحیک کر رہے ہوتے ہیں اور وہ اوامر و نواہی کی حدود کو پھاند کر ہوا و ہوس اور شہوات نفسانیہ کے مہلک جال میں پھنس چکے ہوتے ہیں اور خود بھی دنیا دوستی اور خدا فراموشی کی زندہ تصویر ہوتے ہیں تاہم پیشرووں کی کور باطنی، بے راہ روی اور بے عملی ان کی اصلاح کے دروازوں پر مضبوط تالے لگا چکی ہوتی ہے۔

اور اصلاح کی امید کا امکان ختم ہو چکا ہوتا ہے ایسی قوم سے خدا دشمنی اور آخرت فراموشی کے سوا کیا توقع ہو سکتی ہے۔

یہود و نصاریٰ حبِّ دنیا کی بنا پر حقیقت کو چھوڑ بیٹھے اور ہمیشہ کیلئے گمراہی مول لے لی

یہود و نصاریٰ کی اسی حالت نے ان کو سرورِ دو عالم کے مقابلے میں لا کھڑا کیا وہ حقیقت حال کو جانتے تھے۔ توریت و انجیل میں پیغمبر آخر الزمان کی پیش گوئیاں نورانی الفاظ میں پڑھ چکے تھے اور اپنے طور پر منتظر بھی تھے کہ ظہورِ قدسی سے ہم اپنی عاقبت سنوار لیں گے۔ ہمارے جھگڑے چک جائیں گے اور ہمارے اختلافات مٹ جائیں گے لیکن جب دعائے خلیل اور نوید مسیحا کا ظہور قدسی ہو تو بجائے نور ہدایت سینوں میں لینے کے گمراہی کی ظلمتوں سے پیٹ بھر لئے جس کی وجہ سے مَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ کی لعنتی بوچھاڑ ان پر پڑنے لگی اور ضَالِّیْن کے ظلمت خانہ مدام میں پھنسا دیئے گئے۔ ہدایت کا نور جب کسی بدعمل، بدکردار کے سینے سے دور ہوتا ہے تو یہ دوری قرب الٰہی کے تمام مواقع ختم کر دیتی ہے اگرچہ یہ سفر آہستہ آہستہ طے ہوتا ہے لیکن گمراہی کی طرف تھوڑا سفر بھی بہت ہے پھر نور ہدایت کا ملنا دشوار ہو جاتا ہے۔

بہ زحمت اتصال افتد چو پیوندے برید از ہم
بہ فرصت قطرہ دریا مے شود چوں قطرہ شد دریا (نظیری)

ترجمہ:۔ جب اتصال محبت کا پیوند ٹوٹ جاتا ہے تو پھر اس کا جڑنا مشکل ہو جاتا ہے جیسے دریا جب خشک ہو جاتے ہیں تو ان کے بھرے جانے کے لئے کافی مدت درکار ہوتی ہے۔

بدراہ مسلمان صرف حبِّ دنیا کی وجہ سے بدراہ ہیں

آج بعینہٖ یہی حالت مسلمانوں کی ہے دین ان کے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ آسمانی مذہب کا کوئی حصہ ان کے لئے قابل عمل نہیں ہے۔ اعمال آخرت کی حقیقت نہ ہی سمجھتے ہیں اور نہ ہی عمل کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ حبِّ دنیا نے انہیں ایسا اندھا کیا ہے کہ موت کے بعد کے جہان کا کوئی عکس ان کا سینہ

ك يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ أَبْنَاءَهُمْ — وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی پہچان رکھتے ہیں جیسا وہ اپنے بیٹوں کو پہچان سکتے ہیں۔

قبول نہیں کرتا اور نماز، روزہ جیسی عبادات سے ایسے غافل ہیں کہ گویا یہ فرائض ان کے لئے آسمان سے آئے ہی نہیں، یاد الٰہی کو ایک عبث فعل خیال کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو جو یادِ خداوندی کا احساس رکھتے ہیں دیوانہ اور بے کار کہتے ہیں۔

بس قومیت ہے وطنیت ہے اور ترقیات مادی کا بھوت ہے جو دن رات ان پر سوار ہے۔ کفر کو جو چالیں پسند ہیں وہ ان کو بھی پسند ہیں۔ رہا اسلامی امتیازی کارنامہ تو وہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ یہ مسلم قوم کہلاتی ہے اور قومی رسوم شادی غمی کو ایک خاص طریقے سے ادا کرتی ہے۔

عوام کی حالت دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ اسی قوم کے افراد ہیں جس کو آسمان سے سندات مل چکی ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (بقرۃ)

تم بہتر امت ہو جو لوگوں کے لئے لائی گئی تم پسندیدہ باتوں کا حکم کرتے ہو اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتے ہو۔

ان کو حرام و حلال کا پتہ نہیں، پاکی، ناپاکی کو پہچانتے نہیں، مذہب کے نام سے ناآشنا، خدا اور رسول سے واسطہ نہیں، کلمہ طیبہ تک صحیح یاد نہیں۔ یہ ناگفتہ بہ حالت دور افتادہ دیہات تک محدود نہیں۔ بڑے بڑے علم کے مرکز شہروں میں یہی حالت ہے۔ ڈنگر ڈھور کی طرح کھانے پینے اور کمانے کے سوا ان کا کوئی شغل نہیں شہوت رانی اور بے راہ روی میں غرق ہوئے جا رہے ہیں یادِ خدا اور یادِ آخرت کبھی بھول کر بھی نہیں کرتے اور لطف یہ ہے کہ بھری پُری قوم میں انہیں کوئی کہنے والا نہیں۔ امریکہ، افریقہ، یورپ اور جاپان میں اسلام کے اصولوں کے پہنچنے کے امیدوار اپنے گھر کی اس تباہی سے ناواقف ہیں۔

عُلمائے سوء کی خطرناک حالت

ہم میں بعض ایسے علماء بھی ہیں کہ باریک سے باریک مسائل جہاں شرح صدر والوں کی رسائی بھی مشکل ہے وہاں عقل و علم کے زور سے منازل طے کر کے باہمی آویزش کو مذہب بنائے ہوئے ہیں۔ مناظرے ہیں۔ مباحثے ہیں، جدال ہیں اور تفریق کا بازار گرم ہے اور فتویٰ بازی کے ذریعے دل کی بھڑاس نکالی جاتی ہے

حضرت ہارون علیہ السلام پیغمبر وقت ہیں حضرت موسےٰ علیہ السلام توریت لینے کی خاطر کوہ طور پر جاتے ہیں اور بنی اسرائیل کو اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون کے سپرد فرماتے ہیں۔ سامری نے سونے کا بچھڑا بنا لیا۔ اس میں آواز پیدا کی اور بنی اسرائیل کو بلایا کہ یہی تمہارا خدا ہے اس کی پوجا کرو۔ کم ظرف لوگ بچھڑے کو پوجنے لگے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے تعارض نہ کیا، موسےٰ علیہ السلام واپس آئے قوم کی حالت زار دیکھ کر غصے سے بھر گئے۔ حضرت ہارونؑ سے الجھے کہ آپ نے کیوں ان سے تعرض نہ کیا حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا۔ اس لئے کہ میں بنی اسرائیل میں تفریق ڈالنے کے گناہ سے بچنا چاہتا تھا گویا تربیت میں آئی ہوئی قوم میں تفریق ڈالنا اتنا بھاری جرم ہے کہ ایک پیغمبر اس کے ارتکاب سے بچنے کی خاطر اپنی آنکھوں سے بچھڑا پجتا دیکھتا ہے اور زبان تک نہیں کھولتا۔ یہ اور بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ناراضگی کا اظہار کیا لیکن یہاں یہ تبلانا مقصود ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بچھڑا پوجتے دیکھا اور ان سے بیزاری کا اظہار نہ کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے یہی عذر پیش کیا۔

خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ	میں اس بات سے ڈرتا رہا کہ آپ یہ کہیں گے کہ تو
بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ	نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔

لیکن ہمارے مذہبی راہنما ہیں کہ سوائے تفریق کے نہ کچھ سوچتے ہیں اور نہ ہی کچھ کہتے ہیں گویا یہ آئے ہی اس لئے ہیں کہ ایک مضبوط قوم کو متخالف گروہوں میں تبدیل کر دیں ؎

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے محبت کی لے میں حد سے گزرنے والے ایک گڈریے کو سخت سست کہنے پر فرمایا کہ تجھے تو ہم نے وصال کا وسیلہ بننے کو بھیجا تھا نہ کہ فراق کا آلۂ کار بنایا تھا۔

کفر و شرک جس کو مٹانے کی خاطر ہمارے علماء کی زندگیاں وقف ہونی چاہئے تھیں لیکن جزوی اختلافات کی بنا پر اسی کفر کو اور اسی شرک کو سرور دو عالمؐ کے غلاموں کی گردن میں مڑھتے ہیں۔ اور پھر اسی کے خلاف بولتے ہیں۔ اور اسی کو تبلیغ حق سمجھتے ہیں۔ آپ ہزار بریت کے ثبوت پیش کریں وہ آپ

کو مشرک اور کافر کہتے ہی جائیں گے۔

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلماں ہوں میں

خوفِ خدا جو ایک مسلمان کا اوڑھنا بچھونا ہونا چاہیئے تھا اور امید نعمائے الٰہی جس پر دین کا مدار ہے۔ اس کا اس قدر فقدان ہے کہ کسی ادا سے اس کا ثبوت نہیں ملتا گویا دین حق تمام کا تمام علم ہی علم ہے اور جذبات سے اس کو کوئی واسطہ نہیں۔

حالانکہ خوف و امید دو ایسی چیزیں ہیں جن سے دنیا کا سارا انظام وابستہ ہے اور یہ سارا کارخانہ انہیں دو بہنوں کے بل چل رہا ہے ایک مثبت ہے اور دوسرا منفی اور دین حق کی بنیاد بھی خوف اور امید کے ان دونوں فطری احساسات پر ہے۔

ذکر و فکر میں وابستگی کا نام و نشان نہیں۔ شب بیداریوں کے صرف قصے ہی قصے ہیں جو وعظ میں کہے جاتے ہیں۔ تہجد کے لئے اٹھنا اس علم کے باوجود کہ فرائض کے بعد سب سے بڑی عبادت تہجد ہے خود کہنے والوں پر ایسا بھاری ہے کہ ہفتے گذر جاتے ہیں ایک رات بھی توفیق نہیں ملتی کہ تہجد پڑھ لیں۔

عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ اپنے ہم نوا کو بہتر سمجھا جاتا ہے اگرچہ وہ نہ صرف یہ کہ سنت سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پروا نہ کرتا ہو بلکہ فسق و فجور میں بھی قدم رکھتا ہو، اور ایک پارسا، متقی اور پابند صوم و صلوٰۃ کو محض اس لئے نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ جزئیات میں ان کا ہم زبان نہیں اور اس نفرت نے دو مسلمانوں کے درمیان کفر و اسلام کے باہمی فرق سے بھی کہیں زیادہ فاصلہ قائم کر دیا ہوا ہے

موجودہ مسلمان امراء کی ناگفتہ بہ حالت

مسلم قوم میں ایک تیسرا گروہ ہے جو جاہ و حشم کے لحاظ سے مال و دولت کے اعتبار سے اور جہان دانی کے لحاظ سے صفِ اول میں ہے۔ اس گروہ کا علم ضروریاتِ زندگی کیلئے ضرورت سے زیادہ ہے اور ان کا عمل لوازماتِ حیات کے لئے بہت کافی آرام و آسائش کے سامان اتنے کہ دیکھنے والے کو رشک آئے، نفاذ حکم

کی قوت ایسی کہ جو کہہ دیں وہی ہوجائے۔ ترقی یافتہ ممالک (جو فی الحقیقت کفر و عصیان کی پستیوں میں گرے ہوئے ہیں) اپنی قوم کا کوئی مہذب طبقہ دکھانا ہو تو صرف اسی طبقہ کو میدان مقابلہ میں لایا جا سکتا ہے۔ یہ اپنی بود و باش میں اپنی دولت و ثروت میں اپنے لباس و پوشاک میں ....کسی ترقی یافتہ قوم سے پیچھے نہیں، تمام مدارس تمام کالج اور ترقی کی تمام شاہراہیں انہیں کے دم قدم سے معمور و بھرپور ہیں یہ رات دن اس کوشش میں مصروف ہیں کہ دولت زیادہ سے زیادہ اکٹھی کی جائے اور دولت کے تمام سرچشمے اپنے قبضے میں کر لیے جائیں۔ اللہ کی زمین پر صرف دولت کے ذریعے تسلط جمایا جائے اور من مانی کی جائے ان کی دولت میں سوائے ان کی اولاد کے کوئی دوسرا حقدار نہیں۔ زکوٰۃ کو یہ لوگ چٹی سمجھتے ہیں صدقات، خیرات کا نام نہیں لیتے۔ پڑوس میں لوگ بھوکے مرتے رہیں ان کی رگ حمیت میں جنبش نہیں آتی اپنے خزانوں پر سانپ کی طرح بیٹھے ہیں اور ان کی محافظت کر رہے ہیں۔ دینی ضروریات سے واسطہ نہیں قومی خدمات کی طرف تب رجوع کرتے ہیں جب کوئی منصب عوام کے ہاتھ سے لینا مقصود ہوتا ہے۔

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ گویا ان کے لیے فرض ہوئے ہی نہیں عقائد شرعیہ کے بارے ان کا تردد ان کے یقین پر غالب ہے۔

ذات باری عز اسمہ سے محبت اور اس کی اطاعت کے معنی ان کے ذہن میں نہیں آئے فرشتوں کے وجود کا مسئلہ ان کا ذہن حل نہیں کر سکا۔ قیامت کا تصور بھی (جس کے متعلق قرآنی ارشاد ہے کہ قدرت خداوندی کی کرشمہ سازیوں کے نتیجے میں فوری طور پر واقع ہوگی) ان کے دماغ میں نہیں آتا۔ ہاں اگر یہ کہہ دیا جائے کہ سائنسدانوں کی رائے ہے کہ سورج آہستہ آہستہ بے نور ہو رہا ہے اور اس کی کشش میں قدرتی طور پر کمی واقع ہو رہی ہے اور اس عمل کشش میں انتہائی کمی واقع ہونے سے نظام شمسی کے درہم برہم ہوجانے کا احتمال موجود ہے اور اس صورت میں اگر ایک ستارے نے بھی اپنا مقام چھوڑ دیا تو کائنات کی تباہی یقینی ہے اور اسی کا نام قیامت ہے گویا اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کا نفاذ اسباب عالم کا ہمیشہ محتاج ہے اور اس کے حکم سے فوری طور پر قیامت کا وقوع ضروری نہیں۔ غرضیکہ ایمانی بنیادیں سب کی سب منہدم ہیں اور اعمال میں انہیں صرف وہی عمل پسند ہے جس سے دنیا کی زندگی لطف اندوز ہو سکے۔ رضائے الٰہی کا خیال بھی ان کے دل میں نہیں ہے

بس دنیا ہی دنیا ہے۔ اور جو کام کرتے ہیں اسی زندگی کے لئے کرتے ہیں حیاتِ آخرت کی بھلائی مقصود تو کیا ہوتی انکے ذہن میں بھی نہیں آتی ادھر ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالےٰ کی وعید قرآن کریم میں موجود ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاٰيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهٖ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا

آپ فرما دیں کیا ہم تم کو اطلاع دیں ان لوگوں کی جو عملوں کے لحاظ سے سب سے زیادہ گھاٹے میں ہیں وہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کی کوششیں دنیا کی زندگی میں برباد ہو گئیں اور گمان یہ رکھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالےٰ کی آیات کو جھٹلایا اور اس کے ملنے سے انکار کیا بس ان کے سب اعمال باطل ہو گئے سو ہم قیامت کے روز ان کے لئے وزن قائم نہیں کریں گے۔

(یعنی ان کے کسی عملِ خیر کی قیمت نہ ہوگی اس لئے کہ ان کے اچھے کام بھی حیاتِ آخرت کے یقین سے خالی تھے)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ امتِ مسلمہ بھی یہود کے قدم بہ قدم چلے گی۔ یہود کے عوام اس کے علما اور امرا کی بعینہٖ یہی حالت تھی جو آج ہمارے بُرے عوام اور علمائے سوء اور بدعمل امرا کی ہے۔

اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا

اس تحریر سے تصویر کا ایک رخ دکھایا گیا ہے۔ اب دوسرا رخ دیکھئے۔

عاشقانِ رسول کا وجود غنیمت ہے

تینوں طبقوں یعنی عوام، علما اور امرا میں خدا کے صالح بندے بھی موجود ہیں اور وہ آج بھی اس قابل ہیں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ان پر فخر فرمائیں۔

حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اُبَاهِي بِكُمُ الْاُمَمَ — میں تمہاری وجہ سے تمام انبیا کی امتوں پر فخر کرونگا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صالحین امت کی نیکیوں، ان کی بھلائیوں ان کی محبت و معرفت الٰہی پر فخر فرمائینگے نہ کہ فاسقوں فاجروں اور حرص و ہوس کے بندوں کی بدعملیوں پر۔ اور ان کی کثرت پر۔

آج بھی عوام میں ایسے لوگ موجود ہیں جو حدودِ شرعیہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے ہیں اور ذکرِ الٰہی سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ عبادتِ الٰہی اور اطاعتِ خداوندی میں دل و جان سے مصروف رہتے ہیں۔ نماز روزہ کی پابندی ان کی زندگی کا مقصد ہوتا ہے۔ رات کو جاگنا اور بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہونا انہیں تمام اشغال سے عزیز ہے طلب رزق حلال میں محنت اور مشقت سے کبھی جی نہیں چراتے اور زندگی ایسی سلامت روی سے بسر کرتے ہیں کہ لوگ ان کی نیکی کے سوا کچھ نہیں دیکھتے وہ گمنامی میں وقت بسر کر جاتے ہیں اور جب مرتے ہیں تو ان کی بھلائی کے تذکرے ہر دیکھنے والے کی زبان پر ہوتے ہیں۔

علماء کرام میں ایسے اہلِ حق موجود ہیں جن کی زندگی کا مقصد اعلائے کلمۃ الحق کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ وہ خداداد علم کو اور اپنی کوششوں کو ہمیشہ رضائے الٰہی کے لئے وقف کر دیتے ہیں، ہوا و ہوس، حبِ دنیا اور بڑا بننے کی بیہودہ خواہشوں سے ہمیشہ اپنے دامن کو پاک رکھتے ہیں۔ جزوی اختلافات کی وجہ سے وہ امتِ مسلمہ میں نفرت آمیز تفریق پیدا کرنے کے جرم سے ہمیشہ اجتناب کرتے ہیں اور اپنے طریقِ کار کو اس خوبصورتی سے پیش کرتے ہیں کہ اس کی بزرگی بھی ثابت ہو جاتی ہے اور کسی کی دلآزاری بھی نہیں ہوتی۔ حق کی بات کہنے سے اور راہِ راست پر چلنے سے انہیں ہر قسم کے خطرات پیش آتے ہیں لیکن وہ سنتِ انبیاء کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیشہ خندہ پیشانی سے ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ عبادتِ الٰہیہ اور یادِ خداوندی میں وہ اپنا مقام رکھتے ہیں۔ ان کی زندگی سرورِ دو عالم کی زندگی کا عکس ہوتی ہے۔ علم اور عمل میں ایسے راسخ ہوتے ہیں کہ قول اور فعل کو ہمیشہ ایک مقام پہ کھڑا کرتے ہیں اور ہمیشہ حق کا فیصلہ دیتے ہیں کسی کے دباؤ اور اثر میں آ کر حق گوئی سے سرِمو تجاوز نہیں کرتے۔

امرا میں بھی ایک ایسا طبقہ موجود ہے جن کی دولت ان کی اپنی خواہش سے صَرف نہیں ہوتی بلکہ ہر موقعہ پر وہ حصولِ رضائے الٰہی سامنے رکھتے ہیں۔ خوشی کا موقعہ ہو یا مقامِ رنج و غم وہ حدودِ شرعیہ سے کبھی

تجاوز نہیں کرتے ۔ فرائض کی بجا آوری میں وہ کسی صالح انسان سے کبھی پیچھے نہیں رہتے ۔ عبادتِ الٰہی اور اطاعتِ خداوندی میں دل و جان سے مصروف رہتے ہیں ۔ قومی اور ملکی ضروریات میں وہ بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں ذاتی اخراجات میں وہ میانہ روی کو اپنا وطیرہ بناتے ہیں اہل حق کی خدمت اپنے ذمے فرض سمجھتے ہیں ۔

یہی لوگ ہیں جنہیں درویش امیر کہا جاسکتا ہے اور ان کی پاکیزہ اور بے عیب زندگی طبقہ امرا کے لئے نمونہ ہوتی ہے ۔

اذان کی ابتدا

اسلام انفرادی اصلاح اور اجتماعی بہبود کا علم بردار ہے اور ان دونوں کی جان عبادتِ الٰہی اور ذکرِ خداوندی ہے۔ انفرادی عبادت ہر وقت یادِ الٰہی میں مصروف رہنا ہے جس کو کلامِ الٰہی میں اس طرح بیان کیا گیا ہے

يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ (آل عمران)

اللہ تعالےٰ کی یاد ہر حال میں کرتے ہیں خواہ وہ کھڑے ہوں بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں۔

اور تہجد اور شب بیداری کی صورت میں بھی انفرادی عبادت کو بیان کیا گیا ہے۔

تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ز (سورہ سجدہ)

ان کے پہلو بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اس کی رحمتوں کی امید رکھتے ہوئے۔

فرض نمازوں، جمعہ وغیرہ میں اجتماعی نظامِ عبادت پیش کیا گیا ہے۔ گویا مسلمان کا حقیقی کام خلوت ہو یا جلوت، یادِ الٰہی ہے۔ اجتماع کیلئے مرکزیت جان کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ اجتماع روحانی اصلاح کے لئے ہو خواہ مادی ضروریات کے لئے مقررہ وقت پر حاضری کے لئے افراد کو مطلع کرنا مرکز کی ذمہ داری ہے۔

ہجرتِ مدینہ سے پہلے نمازِ جماعت کا انتظام نہ تھا جس وقت کوئی مسجد میں آجاتا نماز ادا کر لیتا۔ اللہ تعالےٰ کا حکم نازل ہوا

وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِينَ ○

رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ نمازِ جماعت کے لئے وقت معین پر لوگوں کو بلایا جائے۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کئے جائیں جو نماز کے وقت لوگوں کو بلائیں لیکن اس میں تکلیف زیادہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بلایا اور مشورہ کیا۔ مختلف اصحابِ کبار نے مختلف رائیں پیش کیں۔

عیسائیوں اور یہودیوں میں نماز کے لئے بلانے کا یہ طریقہ تھا کہ بوق اور ناقوس بجائے جاتے بعض صحابہ

نے یہ طریقہ بھی پیش کیا۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زید دونوں نے موجودہ اذان کے طرز کو خواب میں دیکھا اور حضور سرور دو عالمؐ کے سامنے پیش کیا حضورؐ نے اس کو پسند فرمایا اور حضرت بلالؓ کو بلا کر اذان دینے کا حکم دیا اس وقت سے ہمیشہ حضرت بلالؓ ہی بارگاہ رسالت کے مؤذن قرار پائے۔

اصحاب سرور کائناتؐ میں مواخات (بھائی چارہ)

اسلام کی تعلیمات کا جزوِ اعظم یہ ہے کہ دنیا منزل گاہ نہیں ہے یہ جہان تمام کا تمام ایک شاہراہ کی حیثیت رکھتا ہے مسافرِ آخرت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی مقام کو منزل نہ سمجھے۔ دشوار گذار وادی میں چلنے والے کو وادی کا طے کرنا مقصود ہوتا ہے نہ کہ اس کی دشواریوں کو آسانیوں سے بدلنا۔ طالب حق کی نظروں میں بھری پُری دنیا کی قیمت ایک تودۂ خاک سے زیادہ نہیں۔ وہ اس کی دلفریبیوں کو راستے کے تماشے سے زیادہ حیثیت نہیں دیتا جس کے دیکھنے میں مشغولیت راستے کو طویل تر کر دے گی اور وقت کو مختصر اور ضائع کر دے گی۔ اس لئے طالبِ مولا اپنی تمام کوششیں حصولِ مقصود میں صرف کرتا ہے اور اس کا مقصود صرف اللہ ہوتا ہے اور بس

اللہ بس باقی ہوس

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام میں یہی جذبہ پیدا فرمایا تھا اور اسی لئے مہاجرین اور انصار کو اللہ کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے میں کوئی چیز مانع نہ ہوتی۔

مکے میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت حاصل کر لی۔ اطاعت حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کو اپنا گھر بار چھوڑنا کچھ دشوار نہ ہوا۔ بال بچے سے الگ ہونا کچھ گراں نہ گذرا اور سب اپنے بھرے بھرے گھر چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ترک وطن کر گئے۔

ادھر انصار نے جب اسلام قبول کیا اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں آئے تو حبِ دنیا ان کے سینوں سے اس طرح نکل گئی جس طرح شاہ رگ پر نشتر چبھونے سے سارے جسم کا خون نکل جاتا ہے۔ ان کے لئے بھی اسلام کی خاطر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے جان و مال قربان کر دینا کچھ گراں نہ رہا۔

اور اپنے مہاجر بھائیوں کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اپنے اموال کو کبھی اپنا نہ سمجھا تاہم زیادہ سہولت کے لئے اور نفسی مشکلات کو کمتر کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ میں **مواخات** کا سلسلہ جاری فرمایا اور ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصار کا بھائی مقرر فرمایا۔ اس بھائی چارے میں انصار نے رہتی دنیا کے لئے قربانی اور ایثار کا ایک نمونہ قائم کر دیا۔ سب نے اپنی املاک و جائداد کا نصف حصہ اپنے بھائی کو بانٹ کر دے دیا۔ حضرت سعد ابن ربیع انصاری نے تو اس ایثار میں یہاں تک مساوات کو قائم کیا کہ ان کے نکاح میں دو بیویاں تھیں انہوں نے اپنے مواخاتی بھائی عبدالرحمان بن عوف سے کہا کہ میں ان میں سے ایک کو طلاق دیتا ہوں آپ اس سے نکاح کر لیں لیکن حضرت عبدالرحمان نے اس سے انکار کیا اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ یہ مواخات نسلی اُخوّت سے بڑھ گئی اور جب کوئی انصاری صحابی فوت ہوتا تو اس کی جائداد سے اس کے بھائی بند محروم ہوتے اور حصہ مہاجر بھائی کو ملتا۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَ جَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (سورہ انفال)	جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے راہ خدا میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان کو پناہ دی اور ان کی مدد کی یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔

جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین اللہ کے فضل و کرم سے انصار کی اعانت سے بے نیاز ہو گئے تو تقسیم میراث کے لئے اللہ تعالےٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ (انفال)	اور قرابت والے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

سنہ ۴ھ میں بنو نضیر یہودی جلاوطن ہوئے ان کی املاک اور نخلستان مسلمانوں کے قبضے میں آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا کہ بنو نضیر کے نخلستان وغیرہ مہاجرین کو دے دیئے جائیں اور تم لوگوں کو تمہارے نخلستان

واپس کر دیئے جائیں اس لئے انصار نے عرض کی یا رسول اللہؐ نے املاک بھی بیشک مہاجرین کو دے دیئے جائیں اور ہمارے نخلستان بھی انہیں کے قبضے میں رہیں۔

انصار کا ایثار مسلمانوں کے جذبۂ قربانی کا بنیادی پتھر کہا جا سکتا ہے لیکن مسلمانوں کی غیرت اور حمیت کا مقام بہت ہی بلند ہے اور مسلمان اللہ تعالےٰ کی ذات کو اپنے تمام کاموں میں یاور و ناصر سمجھتے ہیں اور اپنے ہاتھ پاؤں کو ہلانا اپنی گزران کے لئے ضروری جانتے ہیں۔

مہاجرین کھیتی باڑی کا کام تو جانتے نہ تھے۔ تجارت ان کا آبائی پیشہ تھا۔ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے حضرت سعد بن الربیع سے وقتی طور پر تو کچھ خدمت قبول کر لی لیکن قینقاع کے مشہور بازار میں جا کر گھی اور پنیر کی تجارت شروع کر دی۔ اللہ تعالےٰ نے برکت دی چند روز میں اتنے مالدار ہو گئے کہ شادی بھی کر لی اور تجارت کو اتنی وسعت ہوئی کہ سات سات سو اونٹ ان کے مال تجارت کے لادے جانے لگے ان کا قول ہے کہ میں مٹی کو بھی ہاتھ لگاتا تو وہ سونا بن جاتی۔

حضرت عمرؓ نے بھی تجارت کا کام شروع کر دیا اور ان کی تجارت کو بھی اللہ کے فضل و کرم سے بڑی وسعت حاصل ہوئی۔

حضرت صدیق اکبرؓ مقام سنح میں کپڑے کی تجارت کیا کرتے تھے اور گزر اوقات اسی تجارت پر ہوتی تھی اور اس عاشق محمدؐ رسول اللہ کا مال سرور دو عالمؐ کے قدموں میں ہمیشہ نچھاور ہوتا رہتا تھا اور اسلام کی مختلف ضروریات کے لئے ان کے گھر کی ہر شے قربان ہونے کیلئے تیار رہتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ابو بکر صدیقؓ کے مال سے جتنی ہماری امداد ہوئی ہے اور کسی کے مال سے اتنی نہیں ہوئی۔

وہ حضرات جن کے درمیان رابطہ مواخات ہوا

مواخات جن جن حضرات میں قائم ہوئی ان کے نام درج ذیل ہیں۔

۱۔ حبیب کبریا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — حضرت علی مرتضےٰؓ

۲۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق — خارجہؓ بن زید انصاری

۳۔ حضرت عمرؓ ابن الخطاب	ـــــ عتبانؓ بن مالک انصاری
۴۔ حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ	ـــــ اوسؓ بن ثابت انصاری
۵۔ حضرت جعفرؓ بن ابوطالب	ـــــ حضرت معاذؓ بن جبل
۶۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح	ـــــ سعدؓ بن معاذ انصاری
۷۔ حضرت زبیرؓ بن العوام	ـــــ سلامتؓ بن وقش انصاری
۸۔ عبدالرحمانؓ بن عوف	ـــــ سعدؓ بن ربیع
۹۔ مصعبؓ بن عمیر	ـــــ ابوایوبؓ انصاری
۱۰۔ طلحہؓ بن عبداللہ	ـــــ کعبؓ بن مالک
۱۱۔ عمارؓ بن یاسر	ـــــ حذیفہؓ بن یمان انصاری
۱۲ سعیدؓ بن زید	ـــــ ابیؓ بن کعب
۱۳۔ ابوذرؓ غفاری	ـــــ منذرؓ بن عمرو
۱۴۔ سلمانؓ فارسی	ـــــ ابودرداؓ
۱۵۔ حضرت بلالؓ	ـــــ ابورویحہؓ
۱۶۔ ابوحذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ	ـــــ عبادؓ بن بشر

وغیرہم۔

سرور دو عالم حکیم مطلق کے خلیفہ اعظم ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کام میں گہری حکمت موجود ہے اس تقسیم اخوت میں منصب اور مرتبے کو جس حکمت سے ملحوظ رکھا گیا ہے وہ سراسر حکمت کاملہ کا ظہور ہے۔

علم و عمل اور فضائل کے عملی درس کی ہمیشہ ضرورت رہی ہے سرور دو عالم کی نظر کیمیا اثر نے اپنے کمال کے تمام اثرات صحابہ کرام میں منتقل فرما دیئے تھے اور جس شخص میں جس قسم کی استعداد تھی اس استعداد کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ تاہم مشق و مہارت اور ہمہ وقت کی صحبت اس عملی سبق کی پختگی کا سبب تھی اس لئے اس بھائی چارہ میں قابلیت اور استعداد کو بھی ملحوظ رکھا گیا جس سے عملی تربیت میں امداد ملی جس طرح ایک کامل استاد سبق دینے کے بعد قابل اور

لائق شاگردوں کو سبق دہرانے پر متعین کر دیتا ہے۔

اصحابِ صُفّہ اور تربیتِ روحانی

اسلام ایک چمنستان ہے جس میں رنگ رنگ کے پھول اور قسم قسم کے پودے پوری جامعیت کے ساتھ موجود ہیں۔ ہر قابلیت اور ہر استعداد اسلام میں آکر پروان چڑھتی ہے جسمانی اور روحانی تمام قوتیں اسلام میں تربیت پاتی ہیں اور اپنا مقام حاصل کرتی ہیں۔

اسلام میں تعطُّل اور بیکاری کا مفہوم

جو مادیت، روحانیت سے نا آشنا ہے اس کے نزدیک تعطل اور بیکاری اعضائے جسم کے اسباب معیشت میں دخل نہ دینے کا نام ہے لیکن اسلام جو روحانیت کا علمبردار ہے اور جس کا حقیقی کارنامہ روحانی قوتوں کو بیدار کرنا اور انہیں عامل و شاغل بنانا ہے۔ اس کے نزدیک حقیقی تعطل اور اصل بے کاری قلبی قوتوں اور ذہنی حواس کو اپنے مبدأ و معاد کے فکر اور خفی و جلی ذکر سے محروم رکھنے کا نام ہے قرآنی اصطلاح میں غفلت اسی کا نام ہے

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا	اور ذکر کر اپنے پروردگار کا اپنے جی میں گڑگڑاتا ہوا
وَخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ	اور ڈرتا ہوا دھیمی آواز سے اور نہ ہو غافلوں
بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ	میں سے۔
مِنَ الْغَافِلِينَ۔ (سورہ اعراف)	

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ	اور روکے رکھ نفس اپنے کو ان لوگوں کے
رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ	ساتھ جو پکارتے ہیں رب اپنے کو صبح اور شام
وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ	طالب ہیں اس کے دیدار کے اور نہ دوڑیں آنکھیں
تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	تیری ان کو چھوڑ کر طرف رونق زندگانی دنیا کے۔

لہ اس عنوان کی ذیلی سرخیاں نشان ستارہ پر ختم ہوتی ہیں۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا۔ — اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے۔

اسی واسطے قرآن کریم میں جہاں مشاغل دنیوی میں مصروفیت کا ذکر کیا گیا ہے وہاں غفلت کی نفی کے بیان کو لازم و ملزوم کی طرح لایا گیا ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ — وہ مرد ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ — اے ایمان والو تمہارے مال و متاع اور تمہاری اولاد۔ تمہیں اللہ تعالےٰ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔

اسلام میں بشریت کے تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں اور پورا کرنے کا حکم بھی ہے لیکن ذکر الٰہی سے غفلت ہر حال میں حرام ہے۔

نفس پرستی کی انتہا ہو چکی ہے۔ نفس کے تقاضے پورے ہونے کی بجائے حد سے متجاوز ہو چکے ہیں۔ اور حرص و ہوا حُبّ دنیا، ذوق پرستی جیسے قلبی جرائم اتنے عام ہو چکے ہیں کہ ان کے خلاف بولنا خواص نما عوام کی نظروں میں ایک جرم ہے کیونکہ یہ اعمال ایسے ہیں کہ ہر امیر غریب، تعلیم یافتہ، ان پڑھ ان کا شیدائی ہے اور ان کی مذمت کسی کو گوارا نہیں۔ بلکہ الٹا کثرت الٰہی اور اس کے تعلقات کو رہبانیت کہ دیا جاتا ہے۔

رہبانیّت کے متعلق لوگوں کا مغالطہ اور اسکے حقیقی معانی کی تصریح

رہبانیّت کا ذکر قرآن کریم میں ہے لیکن اللہ تعالےٰ نے رہبانیت کی مذمت نہیں فرمائی۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ عیسائی خدا پرستوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے رہبانیت کو اختیار کیا ہم نے ان پر یہ مشقت فرض نہ کی تھی انہوں نے از خود اپنے ذمہ لی لیکن وہ اس کو نباہ نہ سکے اور اس کے حقوق کی نگہداشت نہ کر سکے۔

وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ — اور رکھی اس کے ساتھ چلنے والوں کے دل

رَأْفَةً وَّرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (سورۃ الحدید)

میں نرمی اور مہر اور دنیا چھوڑنا انہوں نے بنا نکالا۔ ہم نے ان پر فرض نہ کیا تھا مگر چاہنے کو رضامندی اللہ کی (انہوں نے اختیار کیا) پھر نہ نبھایا اس کو جیسا چاہیئے نبھانا پھر دیا ہم نے ان کو جوان میں ایمان دار تھے ان کا نیک اجر اور بہت ان میں بے حکم ہیں۔

لیکن دھوکے پر دھوکا یہ لگا ہے کہ نفسی ریاضت کے جتنے کام اسلام میں فرض ہیں ان سب کی کثرت اور ان میں کامل اشتغال کو شیطان نے رہبانیت ظاہر کر دیا اور وسوسہ شیطانی کو جلدی سے قبول کر لینے والے دماغ بھی ادھر متوجہ ہو گئے۔ اور رہبانیت کو ایسا مذموم سمجھا کہ تَبَتُّلْ عَنِ الْخَلْقِ اور کامل توجہ الی اللہ اور ذکر و فکر میں استغراق کو رہبانیت کہہ مردانِ کامل کو صراطِ مستقیم سے منحرف سمجھ کر ان کے فیض سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے نفسی مجاہدہ فرض ہے اور خدا کی طرف راستہ بھی مجاہدہ ہی سے ملتا ہے۔

ہاں! اگر کوئی بندۂ خدا سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اپنی حیات کا حقیقی مقصد پورا کرنے کے لئے عبادتِ خداوندی اور ذکرِ الٰہی میں استغراق پیدا کر کے مشاغل دنیوی سے وقتی طور پر دست کش ہو جاتا ہے تو چاروں طرف سے اسے رہبانیت کے طعنے دیئے جاتے ہیں اور عالم و جاہل دونوں اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ لَارَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ (یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں) اس میں شک نہیں کہ رہبانیت اسلام کے ارکان سے نہیں جیسا کہ عیسائی مذہب کا حصہ ہے لیکن کیا اسلام میں کثرتِ ذکر بھی نہیں ؟ کیا لمبی راتیں جاگ جاگ کر اللہ کی یاد میں گذارنا بھی نہیں؟ تَبَتُّلْ عَنِ الْخَلْقِ بھی نہیں۔ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (اور کٹ جا اس کی طرف یعنی اللہ تعالےٰ کی طرف کٹ جانا اور گوشہ نشینی بھی اسلام میں نہیں ہے۔ اور کیا صرف اسی تبتل گوشہ نشینی اور خالق کی طرف دل و جان سے متوجہ ہو جانے کو رہبانیت کہتے ہیں؟

اَلَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔

جن لوگوں نے ہم میں یعنی ہماری ذات کے انوار کے حصول کے لئے مجاہدے کئے ہم ان پر اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔

مجاہدہ شرطِ راہ ہے اور اس کے بغیر کسی بشر پر اسرارِ الٰہی کھلنا اور انوارِ الٰہی کا قلب پر برسنا بے حد مشکل ہے اور قرآن کریم جو نورِ مبین ہے اور عالمِ غیب کے رموز کا ایک بحرِ بے کراں ہے۔ اس کا سمجھنا بھی ذکرِ کثیر تبتل اور ریاضت کے بغیر مشکل ہے بعض لوگ صرف الفاظ اور ان کے معانی یاد کر لینے پر اکتفا کرتے ہیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ گویا انہوں نے قرآنی حقائق حاصل کر لیے ہیں حالانکہ قرآنی حقائق حاصل کرنے کے لئے تقویٰ طہارت اور ذکرِ کثیر کی بے انتہا ضرورت ہے جب تک اعمال ظاہر و باطن سے قلب کا آئینہ صاف نہ ہو لے قرآنی حقائق دل پر منطبع نہیں ہوتے اور آئینۂ دل صاف کرنے کے لئے ذکر و فکر اور تبتل عن الخلق اور ایسے مجاہدات نہایت ضروری ہیں اور لا رھبانیۃ فی الاسلام (رہبانیت اسلام میں نہیں ہے) کے معانی کو وسعت دے کر سہل انگار اور عافیت پسند مسلمانوں نے ریاضت اور مجاہدہ کو یک قلم چھوڑ دیا ہے بلکہ فرائض واجبات تک کی بھی پروا نہیں کرتے اور یہ ایسا نقصان ہے جس کی تلافی تمام اسبابِ عالم مل کر بھی نہیں کر سکتے اور ایمان و مشاہدہ کا حقیقی کام قلوب کو مسخر کرنا ہے۔ مادی قوتیں مادی قوتوں کو مسخر کر سکتی ہیں قلوب کو مسخر نہیں کر سکتیں۔ اگر مادی قوتوں کے ذریعے مسلمان ترقی یافتہ اقوام کی صف میں کھڑے ہو بھی گئے تو ان کی صدہا سال کی کوششوں سے حاصل کردہ بے پناہ مادی قوتوں سے سبقت لے جانا ممکن نہیں ہے اور اگر ایسا ہو بھی جائے اور موجودہ زمانے میں مسلمانانِ عالم مل کر اور متحد ہو کر پوری جانبازی سے تسخیرِ عالم کر بھی لیں تو یہ مسلمانوں کی برتری ہو گی اور مسلم قوم سرفراز ہو جائے گی لیکن یہ اسلام کی کون سی خدمت ہو گی؟ مذاہبِ عالم پر اسلام کی برتری یہ ہے کہ دنیا کو زیادہ سے زیادہ اللہ تعالےٰ کا فرمانبردار بنایا جائے اور خاتم الانبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرایا جائے اور حیاتِ آخرت کے لئے بنی آدم کو تیار کیا جاوے۔ عیش پسندی اور خواہشات کی غلامی سے انسانیت کو نجات دلائی جائے۔ کیونکہ عشرت کوشی اور خواہشات کی غلامی سے سرکشی بڑھتی ہے ایسا انسان حیاتِ آخرت کے لئے تو کیا تیاری کرے گا وہ تو دنیا کے مختصر سفر میں بھی قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے بخلاف اس کے اگر مسلمان رسالت کے حقیقی سرمایہ یعنی خدا دوستی اور آخرت طلبی کو دنیا کے سامنے پیش کریں تو جنگ و جدل اور باہم دشمنی سے تنگ آئی ہوئی دنیا اور عیش و عشرت سے اور نفس پرستی سے پریشان شدہ دنیا اور سلامتی کے راستے کے خلاف چل چل کر تھکی ماندی دنیا یقیناً مسلمانوں کی راہنمائی قبول کرے گی اور اگر محنتی اقوامِ عالم نے قرآنی حقائق اپنا لیے اور امن اور سلامی کا قرآنی

راستہ پا لیا تو انسانیت فوز عظیم حاصل کر لے گی۔ اس حال میں مسلمان بھی اپنا صحیح مقام حاصل کر لیں گے اور اسلام بھی سرفراز ہوگا۔ اسلام اور مسلمان حقیقی معنوں میں کامیاب ہوں گے ؎

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا، زورِ حیدرؓ، فقرِ بوذرؓ، صدقِ سلمانیؓ

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا

افسوس کہ بعض لوگوں کو نفس نے دھوکا دیا اور ان کا خیال حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کے ڈانڈے پر گامزن ہوا۔ اور حقیقت نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

علوم و فنونِ اسلامی جو صرف جسمِ اسلام کی حفاظت کے لئے وجود میں آئے تھے اور اس کے لئے لوگوں نے زندگیاں وقف کیں، طالب علموں نے گھر بار چھوڑے اور چودہ چودہ سال تک حصولِ علم میں لگے رہے ان کی ہمت پر آفرین کے نعرے بلند ہوئے اور ان کے راستوں میں فرشتوں نے پر بچھائے۔ جب یہ فارغ التحصیل ہوئے تو درس و تدریس کی مسند پر بیٹھے۔ مسلمانوں کو حدودِ شرعیہ بتلائیں۔ اور حلال و حرام کی تمیز سکھلائی اور فتویٰ کی کرسی کو زینت بخشی الحمدللہ کہ ان کی کوششوں سے اسلام کے جسم کی خوبصورتی برقرار رہی لیکن اگر یہی لوگ روحِ اسلام کا انکار کر دیں اور اس کے حصول کے طریقہ و فن کو حقارت سے دیکھیں تو کس قدر . . . . . ہے۔

روحِ اسلام، تعلق باللہ اور محبتِ الٰہی

علمِ دین، دین کا جسم اور اس کا حسن ہے۔ روحِ اسلام تو کچھ اور ہے۔ روحِ اسلام، محبتِ الٰہی اور اللہ تعالےٰ

سے تعلق پیدا کرنا ہے جس کے لئے علوم وفنون سے زیادہ تقوےٰ طہارت کی ضرورت ہے اور ذکر فکر کے ذریعے یہ روح اعظم پیدا ہو سکتی ہے اور سب سے زیادہ کامل مرشد کی ضرورت ہے جیسے استاد کے بغیر کوئی علم پڑھا نہیں جا سکتا اسی طرح تعلق باللہ بغیر وسیلہ شیخ کامل قائم نہیں ہو سکتا۔ کامل پیر کے بغیر تمام استعدادیں دبی کی دبی رہتی ہیں اور معرفتِ الٰہی میں کوئی قدم نہیں اٹھتا۔ لیکن جب ذکر فکر سے اور کامل مرشد کی راہنمائی سے یہ روحِ اعظم پیدا ہو گئی تو سب مشکلات حل ہو گئیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ محبت الٰہی اور تعلق باللہ کی روح جس قدر زیادہ طاقتور ہو گی اسی قدر آسمان سے برکتیں نازل ہوں گی۔ اور اللہ تعالےٰ کی رحمتیں برسیں گی۔ جب اس روح اعظم کا حصول مقصودِ حیات نہ رہا اور صرف علوم وفنون کا خالی خولی جسم رہ گیا جو روح کے بغیر کیسے سلامت رہ سکتا ہے تو اس کے قیام کا کیا فائدہ زمین کا پانی بھاپ بن کر اگر آسمان کی طرف نہ جائے تو بارانِ رحمت کیسے برسے (گویا دنیوی بھاپ بھی جاذب رحمتِ الٰہی ہیں) بالکل اسی طرح اگر عبادت اور ذکر فکر اور محبت کے انوار قلوب کی گہرائیوں سے نورانی شعلے بن کر آسمان پر نہ جائیں تو اللہ تعالےٰ کی امداد اور اس کی نصرت، اطمینان، عزت، کامرانی اور وقار کی صورت میں کیسے نازل ہو۔ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کا جسم بھی بنانا تھا۔ اسے حسن کے زیور سے بھی آراستہ کرنا تھا۔ جسم اسلام اور اس کا حسن شریعت حقہ اور اس کے احکام ہیں اور اس مقدس جسم میں جان بھی پیدا کرنا تھی وہ روح اسلام تعلق باللہ محبت خداوندی اور معرفت الٰہی ہے۔

سرورِ کائنات کی روحانی تربیت کے جداگانہ نتائج

حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مقدس نمونہ دکھا دکھا کر ہر قسم کے اہلِ کمال پیدا کئے اور جس جس شخص میں جو جو استعداد تھی بروئے کار آئی۔ اسلام کا خوبصورت جسم ایمان واحسان کی روح سے آراستہ اور مکمل ہوا۔ ابوبکر صدیقؓ کا صدق وصفا اور اخلاص ومحبت حضورؐ کی محبت میں پروان چڑھے۔ اتباع رسول اللہ کا رنگ ایسا غالب ہوا کہ صحابہؓ نے سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو بہو نقشہ اسی یارِ غار میں دیکھا اور وصال سرورِ کونینؐ کے بعد متفقہ طور پر صدیق اکبرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسندِ مبارک پر بٹھایا جس سے ظاہر شریعت

کو دولتِ حسن ملی۔ اور باطن اسلام کو نورانیت۔ طریقہ نقشبندیہ کی ابتدا حضرت صدیق اکبرؓ سے ہوئی اور یہ طریقہ تصوف تمام طرق میں اُسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہے کیونکہ اس میں شریعت اور طریقت دونوں یکساں تربیت پاتے ہیں ؎

؎ در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

حضرت عمر ابن الخطاب نے عدل و انصاف اور شجاعت و تدبر کا میدان جیتا اور شرح صدر اور تعلق باللہ کی وہ بلندی پائی جو فاروق اعظم کی شان کے شایاں تھی ظاہری تدبیر کے ساتھ ساتھ باطن کی نظریں سینکڑوں میل پر فوجوں کی راہنمائی کرتیں اور انہیں حوادث سے بچاتیں۔ ایران کی حدود میں جناب ساریہؓ کی کمان میں اسلامی فوج کفر کی فوج سے نبرد آزما ہے۔ دشمن نے جنگی چال چلی اور پہاڑی کی دوسری جانب سے مڑکر بے خبری میں مسلمان فوج کے عقب پر حملہ کرنا چاہا۔ حضرت عمرؓ مدینہ میں جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ نگاہ مردِ کامل نے بُعد مکان کے پردوں کو جلا دیا اور عین خطبہ جمعہ میں پکار اٹھے یَا سَارِیَۃَ اَلْجَبَلَ اَلْجَبَلْ۔ جناب ساریہ اس مانوس آواز سے متنبہ ہوئے۔ پہاڑ کا جائزہ لیا اور دشمن کی چال سے واقف ہو کر ان کے دفیعے کا انتظام کیا۔

حضرت عثمانؓ بن عفان کا حیا اور حلم، راہِ خدا میں مال کی قربانی اور ظاہر و باطن کی بے شمار عالی صفات ایسی ہیں جن سے سرور کائنات کے دربار میں اتنا قرب حاصل کیا کہ صلح حدیبیہ کے دن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے بیعت لی۔ حضرت عثمانؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارت میں گئے ہوئے تھے حضورؐ نے اپنے ہاتھ مبارک کو عثمانؓ کا ہاتھ فرمایا اور ان کی طرف سے بیعت لی۔ اور اپنی دو صاجزادیوں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کی شادی یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ سے کر دی۔

حضرت علی مرتضیٰؓ نے تربیت سید الانبیاءؐ سے ظاہر و باطن کے وہ مراتب حاصل کئے کہ اسد اللہ الغالب کہلائے اور طریقت میں مدینۃ العلم کے دروازے بنے

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا (حدیث) میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔

اور تصوف کے تین طریقے قادری، چشتی۔ سہروردی کی نسبت آپؓ سے قائم ہوئی ہے۔

تربیت کے اور نتائج

حضور سید الانبیا علیہ السلام کی تربیت میں جو بھی آیا اس نے اپنا درجہ اور مقام حاصل کر لیا اس تربیت کا ایک حصہ وہ ہے جو اصحابِ صُفّہ کو ملا۔ صُفّہ ایک چبوترا تھا جو مسجد نبوی کے شمالی جانب بنایا گیا تھا جو اب بھی روضہ مبارک کی شمالی جانب قائم ہے اور اس پر ہر وقت تلاوت کلام اللہ شریف ہوتی رہتی ہے۔

بہت سے صحابہ کرام ایسے تھے جن کا کام عبادت الٰہی اور خدمتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کچھ نہ تھا ہر وقت ذکر فکر میں مصروف اور انوارِ الٰہی کے حصول میں مستغرق اور دیدار حبیبؐ خدا میں محو رہتے تھے۔

ع کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی انکی

ان کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف رہتی رہی۔ اور جوشِ محبت میں بھرے ہوئے سیلنے لے کر یہ حضرات دعوت اسلام کے لئے مختلف قبائل میں تشریف لے جاتے رہے۔ غزوہ معونہ میں انہیں حضرات میں سے ستّر آدمی اسلام سکھلانے کے لئے بھیجے گئے ان کی گذر اوقات سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی نوازشات پر تھی۔ جب صدقات میں سے کوئی چیز دربار رسالت میں پیش ہوتی تو وہ پوری کی پوری ان کے پاس بھیج دی جاتی اور یہ حضرات آپس میں بانٹ لیتے اور اگر دعوت کا کھانا وغیرہ آتا تو حضور سرور دو عالم ان سب میں بیٹھ کر تناول فرماتے۔ بعض ان میں سے جنگل سے لکڑیاں لاتے اور بیچ کر اپنے بھائیوں کے لئے کھانا مہیا کرتے۔ ان کا لباس فقیرانہ، غذا درویشانہ، نہ ملنے پر بھی صابر و شاکر۔ کئی کئی دن فاقے بھی آجاتے لیکن اس درویشی پر قانع اور صحبتِ حبیبِ خداؐ کے ہمیشہ دلدادہ اور یہی ان کی روحانی غذا تھی۔ دنیا سے کامل بے نیازی کے ساتھ اور پورے انقطاع کے ساتھ قربِ خداوندی کی تلاش میں اور ذکر و فکر اور عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے اور خانقاہی صورت کے لئے سنگ بنیاد بن کر تزکیۂ نفس میں لگے رہتے۔

صوفیائے کرام اور انکی مقدس خانقاہیں

صوفیائے کرام کا طرز زندگی عین سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز زندگی کا نمونہ ہے اور خصوصًا اصحاب صُفّہ

کے ساتھ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو جو نوازشات تھیں اور جس طرز سے حضورؐ نے ان کو تربیت فرمایا تھا۔ بعینہٖ وہی نمونہ خانقاہ کی زندگی کا ہے۔ شیخِ طریقت سرورِ دو عالم کی نیابت میں مربیّ کے فرائض انجام دیتا ہے اور درویشانِ خدامت جو ملے اسی پر صابر شاکر رہ کر اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور منازل قربِ الٰہی طے کرتے ہیں۔ اور یہی مقدس خانقاہیں تھیں جن کے فیض سے جنید بغدادیؒ۔ بایزید بسطامیؒ اور خواجہ اجمیریؒ اور مجدد الف ثانی جیسی ہستیاں تربیت پاکر نکلیں اور یہی حضرات صوفیائے کرام ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی زندگی کا نمونہ ہیں تسخیرِ قلوب کی جو قوت انبیاء علیہم السلام کے سینوں میں ودیعت رکھی جاتی تھی اور دین کی اشاعت میں زبانی اور کتابی تبلیغ سے ہزار ہا درجہ زیادہ حصہ اس مخفی قوت کا ہے بس اسی قوتِ خداداد سے حضرات صوفیائے کرام صرف ایک نظر کے فیض سے عمر بھر کے کفر کو دھو ڈالتے ہیں اور فسق و فجور کی سیاہ گھٹائیں ان کی ایک صحبت کے اثر سے ہمیشہ کے لئے صاف ہو جاتی ہیں ؎

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

سرورِ دو عالمؐ اور تزکیۂ نفس

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک تعلیم کتاب، تزکیہ نفس اور انوارِ حکمت کی جامع درسگاہ تھی۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی وہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں اپنا رسول انہی میں سے بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت فرماتا ہے اور ان کے نفسوں کو پاک کرتا ہے (ان کا تزکیہ نفس فرماتا ہے) اور ان کو کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت سکھاتا ہے۔

کتاب کی تعلیم کے لیے تو درس و تدریس کی ضرورت ہے اس کے لئے کتابیں بھی درکار ہیں اور علمی ماحول بھی لیکن تزکیہ نفس کے لئے سب سے مقدم مرشدِ کامل پھر ذکر و فکر اور تخلیے کی ضرورت ہے کیونکہ تزکیہ نفس کا تعلق

زیادہ تر خیال سے ہے اگرچہ اعمال بھی اپنی روحانیت سے اور اپنے نور سے تزکیہ کا سامان پیدا کرتے ہیں تاہم خیال کی پاکیزگی اور افکار کی نظافت بلاواسطہ نفس کی تقدیس وتطہیر کرتی ہے اور جب تک گندگیوں اور آلائشوں سے نفس پاک نہ ہو جائے اسلام وایمان مکمل نہیں ہو سکتے۔

تاثیرِ صُحبت

عمل اپنی خوبی اور برائی کے دوگونہ اثرات اپنے اندر رکھتا ہے اور آہستہ یا بہ زودی ہمنشین کے اندر اپنے نفوذ سے اپنی ہی صورت پیدا کر دیتا ہے گویا ہر اچھا اور برا عمل ایک تخم کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ تخم نہ صرف اپنے ہی نفس کی زمین میں پھلتا اور پھولتا ہے بلکہ اس کا اثر ہمنشین پر بھی ویسا ہی ہوتا ہے اگر کسی ہمنشین کی نفسی قوتیں خیر وشر کے قبول میں پہلے سے مستعد ہوں تو فوراً اثر کرتا ہے اور اس کو اپنے جیسا بنا دیتا ہے۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالح ترا طالح کند

ترجمہ۔ ایک نیک عمل والے انسان کی صحبت تجھے نیک بخت بنا دے گی اور برے انسان کی صحبت تجھے بدنصیب بنا دے گی۔

اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے مثالوں کی ضرورت نہیں جمادات سے لے کر حیوانات تک میں تاثیر صحبت سے انقلاب عظیم پیدا ہو جاتا ہے اور مٹی جیسی چیز پھولوں کے پاس بیٹھنے سے ان کی خوشبو اپنے اندر لے لیتی ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

گلے خوشبوئے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلآ ویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہم نشین در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ترجمہ:- ایک خوشبودار مٹی حمام میں مجھے ایک عزیز دوست نے دی میں نے مٹی سے پوچھا اے مٹی!

تو کستوری ہے یا عنبر؟ کہ تیری دل آویز خوشبو سے میں مست ہوا جا رہا ہوں وہ کہنے لگی میں تو صرف ایک حقیر مٹی ہی تھی لیکن کچھ وقت پھولوں کی صحبت میں رہنا نصیب ہوا۔ ہمنشیں کے جمال نے اپنی تاثیروں سے مجھے معطر کر دیا ورنہ میں تو وہی ناچیز مٹی ہی ہوں۔

تزکیہ نفس اور صحبتِ کامل

ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ ایک ناقص قسم کے درخت کا پیوند ایک عمدہ قسم کے پھل دار درخت سے جوڑ دیا جاتا ہے بس کچھ عرصہ اسی خاموش تاثیر صحبت سے وہ ناقص ثمر کا پودا خوبصورت، شیریں اور خوشبودار پھل کا درخت بن جاتا ہے۔ حیوانات کی خُو بُو بھی تاثیر صحبت سے ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔

انسانی عمل کی تاثیر سے اسی قسم کا عمل دوسرے انسان میں پیدا ہو جاتا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ بالکل اسی طرح خیال کی تاثیرات اپنے اچھے اور بُرے نتائج رکھتی ہیں بلکہ ہمارے تمام اعمال ہمارے نفس کی لطیف صورتوں کا مظہر ہوتے ہیں اگر نفس انسان متشکل ہو کر سامنے آئے تو اس کی صورت عمل کی صورت سے مل جائے۔

کسی نفس کو پاکیزہ بنانے کے لئے پاکیزہ نفس کے انعکاس کی اشد ضرورت ہے اسکے بغیر صرف اپنے عمل سے نفس میں لطافت اور پاکیزگی کا آنا دشوار ہے محض اس حقیقت کو ایک ابہام کی صورت میں مولانا روم بیان فرماتے ہیں لہ

یک زمانہ صحبتے با اولیا — بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

لہ گر تو سنگِ خارۂ مرمر شوی — چوں بہ صاحب دل رسی گوہر شوی

ترجمہ لہ:۔ صرف ایک ساعت ولی اللہ کی صحبت سو سال کی خالص عبادت سے بہتر ہے۔

ترجمہ لہ:۔ اگر تو سخت پتھر اور سنگِ مرمر بھی ہو تو جب کامل کی صحبت کا فیض پائے گا تو ہیرا بن جائے گا۔

تزکیۂ نفس کے اربعہ عناصر

اگرچہ تزکیہ نفس پاکیزہ اور مصفا نفس کی ہم نشینی کی برکت سے خود بخود حاصل ہو جاتا ہے تاہم اس کے لئے مربی کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے اور مرید کا اخلاص، اس کی محبت اور اس کی طلب جس قدر زیادہ ہوں گی۔ اسی قدر جلدی یہ دولت نصیب ہوگی اور جب شرائط کی پابندی کے بعد یہ دولت ملتی ہے تو پھر پائیدار رہتی ہے ؎

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

تاثیر صحبت کے دوسرے درجے پر ذکر کثیر ہے قرآن کریم میں ذکر کثیر کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے کیونکہ اس کے بغیر انسانی نفس جلا نہیں پا سکتا اور مہبطِ انوارِ الٰہی نہیں بن سکتا۔ آسمان سے انوار الٰہی کو اگر کوئی چیز کھینچنے والی ہے تو وہ ذکرِ کثیر ہی ہے۔

خلوت بھی اس فنِ شریف کے ارکان سے ہے کہ اس کے بغیر یکسوئی پیدا نہیں ہوتی اور یکسوئی کے بغیر کوئی اہم مقصد علمی ہو خواہ عملی حاصل نہیں ہو سکتا اور یہ نفسی انقلاب علمی اور عملی ہر قسم کے مقاصد سے کہیں زیادہ اہم ہے اور اسلام کے لئے مفید ترین بلکہ جان ایمان و اسلام یہی تزکیہ نفس ہے بس اس کے لئے کامل مرشد۔ ذکر کثیر، خلوت و تنہائی اور طالبِ صادق کی بلند ہمت اربعہ عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

تزکیۂ نفس کے لئے خانقاہ کی اہمیت

علمی مراکز بے شک ذہنوں کو جلا دینے کا سب سامان رکھتے ہیں لیکن تزکیہ نفس کے لئے ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ تزکیہ نفس کے لئے خانقاہ کی ضرورت ہے جہاں اس جوہر کو پانے کے لئے تمام ضروریات مہیا ہوتے ہیں اور تمام لوازمات موجود۔ جیسے مدرسہ میں حصول علم کے تمام لوازمات ہوتے ہیں۔

افسوس کہ بعض علمی مرکزوں کو تزکیۂ نفس کی اہمیت سے تو انکار نہیں لیکن اس کے حصول کے اس نبوی طریقے پر بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے اعتراض ہے اور یہ نہیں دیکھتے کہ اصحابِ صفّہ کی تمام تر تربیت اسی خانقاہی طریقے

سے ہوئی اور تمام صحابہ کرام تزکیہ نفس کی دولت سے مالا مال تھے۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولوالعزمی۔ جامعیت اور بے پناہ نورانیت نے بعض صحابہ کرام (جن کی استعدادیں بے حد بلند تھیں) کی روحانی تربیت بہت تھوڑے وقت میں فرمائی اور اس تربیت میں علمی اور عملی جامعیت تھی لیکن اس طریق تربیت کو سنتِ نبوی نہ کہنا ایک ایسی حقیقت سے انکار ہے جس کے انکار سے ایمان اور احسان کی روح اپنے پر و بال جھاڑ کر پرواز سے محروم ہو جاتی ہے اور یہی ایک ہی طریق تربیت یعنی توجہ اور لزوم صحبت تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنے مخلصین کی تربیت روحانی میں استعمال فرمایا۔

تزکیہ نفس کی اہمیت قرآن و سنت سے ظاہر ہے اور اس کے بغیر ہر تبلیغ بے اثر اور جسم اسلام بے روح ہو جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کا تزکیہ نفس بھی فرمایا اور ان کو کتاب اللہ کا علم بھی سکھایا۔ تزکیہ نفس کا نور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بے پناہ روحانی قوت اور شرح صدر کے خزانہ غیب سے عطا فرمایا اور تعلیم کتاب اللہ کے موتی علم لدنی کے بحر ذخار سے عنایت فرمائے اور ایسے سادہ طریق کار سے سب کچھ دیا کہ بے تکلف ہر طالب کو اپنے مطلب کا گوہر گراں مایہ عطا ہوا نہ تزکیہ نفس کے لئے کسی تکلف کی ضرورت محسوس ہوئی نہ علم کتاب کے لئے کسی تصنع کو سامنے لائے۔

علوم و فنون کے شیدائی اسلام کے صرف ایک بازو کو قوت دینے کے لئے درسگاہیں قائم کریں تو عین اسلام، اور بے نظیر کتب خانے بنائیں تو عین مصلحت، اور حصولِ علم کے لئے ہزاروں تکلفات پیدا کریں جن کا ایک نشان بھی سنت میں نہ ملے تو یہ ان کی عین حکمت۔

لیکن اصحاب صفہ کے درویشوں سے بھری ہوئی خانقاہ جس کی بنیاد سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے رکھی اور جس کا مقصد تزکیہ نفس اور حصول معرفت الٰہی کے سوا کچھ اور نہ تھا تو یہ سنت نبوی، شیدایان علوم و فنون کے نزدیک خلاف سنت قرار پائے۔

یہ گہرے غور و فکر کا مقام ہے اور اس علمی وسوسہ سے نجات روح کے لئے ایک قید سے رہائی ہے

مدینہ کے یہودی

یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم ہیں ــــــ قرآن میں بنی اسرائیل انہیں لوگوں کو کہا گیا ہے یہ عجیب وغریب قوم اپنی مختلف حیثیتوں میں تعجب انگیز کارناموں کی مالک ہے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہونے کے سبب سے یہ شریف النسب اور والا گوہر قوم ہے لیکن اپنی ذاتی قابلیتوں میں بے نفسی اور قومی کمزوری کا ایک مجموعہ ہے۔ بڑی آزاد اور بے باک قوم ہے جہاں تک دینی معاملات کا تعلق ہے۔ اور نہایت بزدل اور ڈرپوک قوم ہے جہاں جانبازی کا سوال پیدا ہو اور انتہائی ناعاقبت اندیش قوم ہے جہاں تسلیم واطاعت پیغمبر کا مقام آئے۔

فرعون، مصر کے بادشاہ نے بنی اسرائیل پر بے حد سختی کی اور اس قوم سے نہایت ذلت کا برتاؤ کیا۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے خداداد ظاہری و باطنی قوتوں سے ان کو فرعون کے پنجے سے نجات دلائی اور فرعون دریا میں غرق ہوگیا اور اس کی قوم تباہ و برباد ہوگئی۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے ایسی کامیابی حاصل ہوئی کہ ساری قوم ان کے فرمان پر جان قربان کر دیتی تب بھی ان کے احسان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی تھی لیکن ان کی تاریخ بتلاتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قدم قدم پر تنگ کیا گیا اور ہمیشہ ان کی نافرمانی کی اور بحث و تمحیص کو اپنا شعار بنایا۔

بچھڑے کی پوجا کی۔ من وسلوےٰ کے مقابلے میں لہسن اور پیاز طلب کیا اور جب دشمن سے جنگ کرنے کا موقع آیا تو نہایت گستاخی سے انکار کیا اور کہا۔

فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا	پس جا تو اور تیرا رب۔ دونوں لڑو۔ ہم یہاں ہی
إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ (مائدہ)	بیٹھے ہیں۔

اس قوم کا مرکز ملک شام ہے لیکن یہ دنیا کے ہر حصے میں پھیلی ہوئی ہے مال و دولت کے لحاظ سے بے انتہا تونگر قوم ہے لیکن عزت وحرمت کے لحاظ سے بہت ہیٹی و ذلیل قوم۔

مدینہ طیبہ میں سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے یہودیوں کا تسلط تھا کئی قلعے انہوں

نے تعمیر کئے۔ ان کے تین قبیلے۔ بنو قینقاع۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ آپس میں متحد رہتے تھے اور یک جان تھے مدینے میں اوس اور خزرج دو قبیلے انصار کے آباد تھے یہودیوں کی ہمیشہ یہی خواہش رہی کہ ان کے رقیب اوس اور خزرج باہم متحد و متفق نہ ہوں اس صورت میں ان کو اپنی شکست نظر آتی تھی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے میں تشریف لائے تو انصار کے دونوں قبیلے مسلمان ہو گئے۔ اب یہودیوں کا ستارہ ایسا گردش میں آیا کہ وہ روز بروز پستی کی طرف گرنے لگے حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے تشریف لائے تو حضور نے چاہا کہ یہودیوں کے ساتھ کچھ معاہدے ہو جائیں تاکہ یہ لوگ گھر کے دشمن کی طرح مستقل خطرہ نہ بنے رہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا اور یہودیوں کو بھی طلب فرمایا اور ایک معاہدہ تحریر کروایا جس کو سب نے قبول کیا۔

یہودیوں سے معاہدہ کی شرائط

۱۔ خونبہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے چلا آتا ہے وہ بدستور قائم رہے گا۔

۲۔ یہودیوں کو مذہب کی آزادی ہوگی اور مذہبی امور میں ان سے تعرض نہ کیا جائے گا۔

۳۔ یہود اور مسلمانوں کے درمیان دوستانہ مراسم ہوں گے۔

۴۔ مسلمانوں اور یہودیوں میں سے کسی ایک فریق کو بھی جب دشمن سے مقابلہ پیش آئے گا تو دوسرا فریق اس کی مدد کرے گا۔

۵۔ کوئی فریق قریش مکہ کو امان نہ دے گا۔

۶۔ مدینہ پر جب بھی کوئی دشمن حملہ آور ہوگا تو دونوں گروہ مدافعت کریں گے۔

۷۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے تو دوسرا فریق بھی اس صلح میں شریک ہوگا لیکن مذہبی لڑائی میں ایسا نہیں ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں ہجرت فرمائی۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو کفارِ مکہ کی ایذارسانی سے چین نصیب ہوا لیکن رنج وغم تو اس دنیا کی فطرت ہے اور صبر کی بار بار تلقین اسی واسطے کی گئی ہے کہ تکالیف مصائب اور رنج وغم سے دوچار ہونا ہر ایک کو لازم ہے بلکہ جتنا کسی کا مرتبہ بلند ہوگا اتنا ہی اس کا رنج وغم بھی وسیع ہوگا۔

مدینے میں دو بڑے صحابہؓ کی وفات

مدینے میں انصار نے حضورؐ کے سامنے آنکھیں بچھائیں، قربانیاں دیں، مال جان پیش کئے اور انصار کے سابقین اولین کا درجہ رکھنے والوں میں اسعد بن زرارہ اور کلثوم بن ہدم دونوں بہت بلند مرتبہ شخصیتیں تھیں اسعد بن زرارہ مدینے کے ان چھ حضرات میں سے تھے جنہوں نے سب سے پہلے مکے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور اسعدؓ نے ہی سب سے پہلے بیعت کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا اور کلثوم بن ہدم وہ جاں نثار صحابی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہلے قبا میں تشریف لے گئے تو انہی کے مکان میں فروکش ہوئے۔ اور اکثر جلیل القدر صحابہ انہیں کے مہمان بنے۔

ابتدائے ہجرت میں ان دونوں جان نثاروں کا انتقال ہوگیا حضور کو ان کی وفات کا صدمہ ہوا یہودیوں نے اور منافقوں نے طعنہ دیا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہوتے تو ان کو یہ صدمہ کیوں پہنچتا۔

اہل کفر وعصیاں کی ایک عام غلط فہمی

دراصل اہلِ کفر وعصیان مختلف قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا رہتے ہیں اور ایک بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ وہ حیات دنیا کے آرام وآسائش کو رضائے الٰہی کا نشان سمجھتے ہیں اور اسی کو نیکیوں کا نتیجہ جانتے ہیں لیکن اس قانون الٰہی سے غافل ہیں کہ دراصل نیکی اور سعادت، منشاء الہام ربّانی کی اطاعت ہے۔ اطاعت میں اگر تکالیف بھی پیش آئیں اور یقیناً آئیں گی تو یہ عین سعادت ہے اور درجے میں بڑائی اور بلندی کا نشان ہے اور الہام کی اطاعت سے روگردانی اور سرکشی اِدبار ہے اور بدبختی اگرچہ ایسا شخص تختِ سلطنت پر ہی بیٹھا ہو اور عمر بھر کسی

قسم کا دکھ نہ دیکھا ہو تو بھی وہ بدنصیب ہے۔

حضرت عبداللہ رضؓ بن زبیر رضؓ کی ولادت

ہجرت مدینہ کے بعد کچھ عرصہ تک مہاجرین کی اولاد نہیں ہوئی تھی اور یہ مشہور ہو گیا تھا کہ یہودیوں نے جادو کر دیا ہے اس لیئے مسلمانوں کی اولاد نہیں ہوتی سب سے پہلے حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کی ولادت ہوئی اور یہود کے جادو کرنے کا خیال دور ہوا۔ اور مسلمانوں کے اندر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت زبیرؓ ابن العوام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور عشرہ مبشرہ[1] میں سے ہیں۔ آپ حضرت خدیجۃؓ الکبریٰ کے سگے بھتیجے تھے اور حضرت زبیرؓ کے والد العوام حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے برادر حقیقی تھے۔

حضرت زبیرؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری تھے اور ان چھ حضرات میں سے تھے جو اصحاب الشوریٰ کہلاتے ہیں۔ حضرت صفیہؓ ان کی والدہ نے ان کی کنیت ابوالطاہر رکھی تھی یہ اسلئے کہ یہ کنیت حضرت صفیہؓ کے بھائی زبیر بن عبدالمطلب کی تھی اور ان کی مشہور کنیت ابوعبداللہ ہے۔

اور بارہ برس کی عمر میں اسلام لائے اور ایک قول کے مطابق آٹھ سال کے تھے جب مسلمان ہوئے۔

حضرت زبیرؓ سے جب یہ کہا گیا کہ آپ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کم بیان کرتے ہیں تو وہ کہنے لگے کہ میرا جو رشتہ اور تعلق حضور سے ہے میں جانتا ہوں لیکن میں نے حضور کی زبانی سنا ہے مَنْ قَالَ عَلَیَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ (حدیث) "جس نے میری نسبت سے ایسی بات کہی جو میں نے نہ کہی ہو تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے"۔

حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اِنَّ لِکُلِّ نَبِیٍّ حَوَارِیًّا وَحَوَارِیَّ الزُّبَیْرُ ہر نبی کا کوئی نہ کوئی حواری ہوتا ہے۔ اور میرا حواری زبیر ہے آپ ۶۴ برس کی عمر میں شہید ہوئے۔

---

[1] دس صحابہ کرامؓ جن کو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں جنت کی خوشخبری دی تھی۔

بیعت الرضوان[1]

حدیبیہ مکہ اور جدہ کے درمیان ایک گاؤں ہے قدیم زمانے میں یہاں صرف ایک کنواں تھا جس کا نام حدیبیہ تھا یہ گاؤں بھی اسی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کے درمیان مشہور تاریخی معاہدہ یہیں ہوا تھا اس لئے تاریخ اسلام میں اس مقام کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

بظاہر یہ معاہدہ مسلمانوں کے لیے زیادہ مفید اور قابلِ عزت نہ تھا۔ شرائط زیادہ تر کفار کے حق میں تھیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ حق بین اس میں سراسر فائدے دیکھ رہی تھی۔

حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ جانے کا ارادہ فرمایا اور عُمرہ کا احرام مدینہ کی میقات ذوالحلیفہ سے باندھا اور اسی مقام پر قربانی کے اونٹوں کی تخصیص فرمادی یعنی ان کی گردنوں میں لوہے کے نعل ڈال دیئے تاکہ یہ اللہ کا مال متصور ہو چودہ سو انصار و مہاجرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور سب کو حکم تھا کہ کوئی شخص بھی ہتھیار لگا کر نہ آئے۔

مکے میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر کی اطلاع پہنچی تو اہلِ مکہ سخت برہم ہوئے اور تمام قبائل اکٹھے ہوئے اور فیصلہ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے میں ہرگز نہ آنے دیا جائے اور وہ مقابلے کے لئے ہر طرح تیار ہو گئے مختلف قبائل کے امدادی دستے مکے پہنچ گئے اور مقام بلدح پر یہ فوج اکٹھی ہوئی۔ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل ابھی تک اسلام نہ لائے تھے یہ دونوں دو سو سوار لے کر چل پڑے اور رابغ اور جُحفہ کے درمیان مقام غمیم تک پہنچ گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ خالد بن ولید مسلمانوں کی اطلاع پانے کو آیا ہے حکم دیا کہ مسلمان راستے سے داہنی جانب ہو کر چلیں خالد کو جب اطلاع ہوئی تو وہ فوراً آگے پہنچا اور قریش کو اطلاع دی کہ لشکر غمیم تک پہنچ گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدستور سفر طے فرماتے رہے تاآنکہ مقام حدیبیہ میں پہنچ گئے۔

---

[1] اس عنوان کی ذیلی سرخیاں نشانِ ستارہ پر ختم ہوتی ہیں۔

ایک معجزہ

عرب میں پانی کی قلّت ہے جہاں کوئی کنواں یا چشمہ ہوتا بھی ہے وہاں بھی پانی نہایت محدود ہوتا ہے مقام حدیبیہ میں اگرچہ ایک کنواں تھا لیکن اس کا پانی بہت تھوڑا تھا اور چودہ سو شاہسواروں اور ان کے جانوروں کے پینے کو ناکافی، پہلی ہی آمد میں خالی ہوگیا لیکن سرورِ دوعالم کا یہ معجزہ تھا کہ اس کنویں میں اس قدر پانی آیا کہ جب تک وہاں مقیم رہے اسی کنویں کا پانی استعمال ہوتا رہا۔ قبیلہ خزاعہ کا ایک رئیس بدیل بن ورقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ قریش تُلے بیٹھے ہیں کہ جنگ کریں اور آپ کو مکے میں داخل نہ ہونے دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جنگ کرنے نہیں آیا میں تو عمرہ بجالانے آیا ہوں اور قریش متواتر جنگوں سے پہلے ہی کمزور ہوچکے ہیں اب لڑائی کا خیال چھوڑ دیں اور ہمارے اور ان کے درمیان ایک معاہدہ صلح ہوجائے اور اگر وہ صلح پر آمادہ نہ ہوئے تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے میں ان سے فیصلہ کن لڑائی کروں گا۔

بدیل مکے پہنچا اور قریش کو حضورؐ کا پیغام صلح پہنچایا۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے اٹھ کر کہا اے قریش میں عمر میں تم سب سے بڑا ہوں اور تم لوگ عمر بھر مجھ پر اعتماد کرتے رہے ہو اب بھی مجھے اجازت دو کہ میں معاملہ خود جاکر طے کروں غرض عروہ سرورِ دوعالمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ مانا آپ جیت جائیں گے اور قریش تباہ ہو جائیں گے لیکن دنیا میں ایسی کوئی اور مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو تباہ کیا ہو لیکن اگر قریش جیت گئے تو آپ کی یہ جمعیت کہیں ڈھونڈے نہ ملے گی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو غصہ آیا نہایت درشتی سے عروہ کو جواب دیا اور کہا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ جائیں گے؟ عروہ نے کہا یہ سخت کلامی کرنے والا کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ابوبکرؓ۔ عروہ نے کہا کہ اگر ابوبکر کا مجھ پر احسان نہ ہوتا جس کا میں بدلہ نہیں دے چکا تو آج اس درشتی اور سخت کلامی کا جواب دیتا

عروہ بن مسعود ثقفی بوڑھا آدمی تجربہ کار تھا اور ایران، روم، حبش وغیرہ کے دربار اور ان کا وقار دیکھ چکا تھا۔ صحابہ کرامؓ کی محبت کا نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور حیران رہ گیا۔

محبّت کا ایک نقشہ

سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام کی محبت کا نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سب محبت رسولؐ کے متوالے اس شمع محبت پہ پروانوں کی طرح قربان ہو ہو جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا سے محبت کرتے ہیں آپ وضو فرماتے ہیں تو پانی کا ایک قطرہ نیچے نہیں آنے دیا جاتا وضو سے آئے ہوئے قطرات پی لیے جاتے، اور آنکھوں پر مل لیے جاتے ہیں اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھوکتے ہیں تو شیدایانِ محمدؐ حضور کا لعاب دہن اپنے منہ اور آنکھوں پر مل لیتے ہیں۔ جب حضور بات کرتے ہیں تو ایک خاموشی طاری ہو جاتی ہے اس بے پناہ عقیدت اور محبت نے عروہ کے دل پر اثر کیا اور قریش سے جا کر کہا کہ تم ایسے شخص سے کس طرح جنگ میں کامیاب ہو سکتے ہو کہ جس کے پیرو فداکاری میں اور محبت و جان نثاری میں اپنی مثال آپ ہیں۔ اور محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر پروانوں کی طرح قربان ہو رہے ہیں۔

محبّت کیا ہے؟

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی

خزانہ ازل کا ایک بے بہا گوہر قدرتِ خداوندی کا ایک بے مثال نمونہ خُدائے لم یزل کی صفات میں سے وہ صفت جو ذاتِ الٰہی کے ظہور کے سببِ اوّلین کے طور پر جلوہ افروز ہوئی

کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ - (حدیث قدسی)

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں میں ایک مخفی خزانہ تھا مجھے اس بات کی محبت ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

اگر انسان حقیقی محبت اپنے اندر پیدا کرے تو صحیح معنوں میں یہ خلیفہ الٰہی بن جائے اور خدا کی قوتوں کا تمام عکس اپنے سینے میں قبول کرے تمام انبیاء علیہم السلام انسان کی محبت ہی کی تربیت کے لئے تشریف لائے ، یہ اس لئے کہ محبّت کا صراطِ مستقیم

صرف ایک ہے یعنی اللہ تعالےٰ ہی کی محبت صحیح اور مفید محبت ہے باقی تمام محبتیں غلط اور مضر ہیں اور محبت کی غلط راہیں بے شمار۔ اور یہ غلط راہیں بظاہر بہت پُر رونق ہیں اور اگر انسان محبت کے صراط مستقیم کو چھوڑ جائے یعنی اپنے اللہ سے محبت کرنے کا خیال ترک کر دے تو پھر شہوات کی محبت، خواہشات کی محبت اور محسوسات کی محبت اس کو صحیح راستہ سے بھٹکانے کے لئے ہر وقت تیار ہے ان میں سے جس محبت کی راہ پر گامزن ہو گیا راستہ کھو گیا اور بھول گیا اور صحیح راستہ چھوڑ گیا پھر اس کا اپنے مرکز پر آنا محال ہو گیا کیونکہ جتنی جدوجہد غلط اور فانی محبت میں کرے گا اور جتنی کوششیں عمل میں لائے گا۔ اپنے مرکز اور اپنے مقصد سے دور تر ہوتا چلا جائے گا۔ اللہ تعالےٰ کی ذات جسم و بدن کی قیود سے پاک اور آزاد ہے۔ اس ذات مطلق سے محبت کرنا۔ گویا محبت سے محبت کرنا ہے کیونکہ اس کی ذات انور کا مظہر اول محبت ہی ہے۔

اقسامِ محبت

محبت کی کئی اقسام ہیں اور ہر قسم اپنا مظہر خود تلاش کر لیتی ہے۔ ایک تو وہ محبت ہے جس کا رخ ہمیشہ بلندی کی طرف ہوتا ہے اور اس کی پرواز عرش سے بھی اوپر ہے۔ محبت کا یہ شاہباز کسی جال میں پھنستا نہیں ہے ذات مطلق کی تلاش اس کی زندگی کا مقصود ہوتا ہے اور جو منزل سامنے آتی ہے نہایت آسانی سے اس سے گذر جاتا ہے اور اس کی محبت، محبت مطلقہ سے غذا حاصل کرتی ہے اور بڑھتی ہے یہ محبت خدا کرے بڑھے جیسے بھی بڑھے اس میں ترقی ہو جیسے بھی بن پڑے۔ یہی معراج انسانیت ہے۔ اور یہی مقصودِ مومن ہے

محبت کی ایک خاصیت

محبت یاد کو بڑھاتی ہے اور یاد آتش محبت کو اور بھڑکاتی ہے۔ اگر فطری طور پر کسی کو غلبہ محبت حاصل ہوا تو یاد کی دولت خود بخود اسے حاصل ہو گئی اور وہ درد[1] کی یاد کی طرح کسی اور غم خوار کا محتاج نہ رہا کیونکہ محبت کا سوز خود بہت بڑی یاد دہانی ہے لیکن اگر جوش محبت کا جذبہ فطری طور پر کسی میں کم ہو تو اس کمی کا علاج صرف یاد ہے جو ابتداء میں بہ تکلف کرنا پڑے گی پھر آہستہ آہستہ بے تکلف یاد شروع ہو جائے گی۔

[1] کیونکہ درد اپنی یاد دہانی آپ ہے۔

ذکر کی ضرورت

اسی یادِ محبت ہی کو قرآن کریم میں لفظ ذکر سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور کثرتِ ذکر کی سخت تاکید اسی لئے فرمائی گئی ہے کہ اوسط درجے کے جذبہ محبّت کو بیدار کرنے کا بہترین ذریعہ اور مفید ترین آلہ صرف یاد ہی ہو سکتی ہے جوں جوں کوئی طالب مولا ذکر میں شاغل رہیگا توں توں اسکی محبت بیدار ہوگی اور جب محبت بیدار ہوگی تو وصلِ محبوب کی تڑپ بے چین کرے گی اور قربِ الٰہی اور وصل الٰہی کے ایک ہی معنی ہیں اور جب قربِ خداوندی کا احساس بیدار ہوگیا تو معرفت الٰہی کی دولت خود بخود مل جائے گی اور انسان اپنے مقصودِ زندگی کو اس آسانی سے پالے گا اور معرفت الٰہی کا دور و دراز اور مشکل راستہ محبّت کی برکات سے آسان ہو جائے گا۔

جائیکہ زاہداں بہ ہزار اربعین رسند
مست شراب عشق بیک آہ مے رسد

حجابات کیسے دور ہوں

اللہ تعالےٰ کا نور ہر شے کو محیط ہے اور انسان کی شاہ رگ سے بھی نزدیک تر لیکن نفس انسانی کے اپنے پردے درمیان میں حائل ہیں اور وہ ذات اقدس نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ[1] ہونے کے باوجود دور سے دور تر معلوم ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض بے بصیرت انسان اس ذات گرامی کے وجود کا بھی انکار کر دیتے ہیں۔

نفس انسانی کے یہی پردے محبت کی آگ سے خود بخود جل جاتے ہیں اور اگر محبت کی کمی ہو تو ذکر فکر کی گرمی سے جلائے جاتے ہیں اور تمام نفسی مجاہدات اس غرض سے کرائے جاتے ہیں کہ یہ پردے ہٹ جائیں اور ذاتِ خداوندی کا نور قریب تر محسوس ہونے لگے۔ محبت، ذکر و فکر اور نفسی مجاہدات سے احساسِ قرب اتنا بیدار ہو جاتا ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے میں وہی نور مطلق جان بن کر نظر آتا ہے۔

---

[1] ترجمہ۔ ہم بندے کو اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

مظاہر محبت

بلند ترین محبت اپنا مظہر آپ ہوتی ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی محبت کہ اس کے لئے کسی دوسرے مظہر محبت کی ضرورت ہی نہیں علی ہٰذا القیاس مجازیب کی محبت بھی نور مطلق کے پردوں سے اعتصام کرتی ہے اور درمیان میں کسی واسطہ سے متعلق نہیں ہوتی ان دونوں محبتوں میں فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ہمت بلند اور استعداد کامل محبت کی انتہائی حدود پر پہنچنے کے باوجود عقل وخرد کی رسوم کی نہ صرف محافظ ہوتی ہے بلکہ یہ حضرات الہامی احکام کی روح کو اپنی تدبیر کے نورانی جسم میں لاکر اپنے مقدس اعمال سے اس خوبی سے پیش کرتے ہیں کہ نظم عالم کے لئے ان کے اعمال سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اور مجازیب کی محبت حسنِ ازل کے پردوں پر جب ٹکتی ہے تو اس کی محویت عقل وخرد کی حدود سے ایسا تجاوز کرتی ہے کہ رسومِ ظاہر کے تمام بندھنوں سے آزاد ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ ہر طالبِ مولا کی محبت ایک نہ ایک مظہر تلاش کرتی ہے اور ایک سالک کے لئے محبت کا بہترین مظہر اپنے مرشد کی ذات مقدس ہے جب کسی سالک کا رشتہ محبت اپنے پیرو مرشد سے جڑ جاتا ہے تو راہ سلوک کی بیشتر دشواریاں آسان ہو جاتی ہیں۔ وہ اس طرح کہ محبت خود نتیجہ اور پھل بھی ہے اور دوسرے پھلوں کی طرح تخم اور بیج بھی ہے جب محبت کا بیج بویا جاتا ہے تو لامحالہ ثمر محبت پیدا ہوتا ہے اس کے لئے کسی تمثیل کی ضرورت نہیں اس کی بے شمار مثالیں ہیں جب کسی طالب مولا کو اپنے مرشد کامل سے محبت ہو جاتی ہے تو ہادی طریقت کا سینہ بھی اپنے مرید کی محبت کا داغ قبول کرتا ہے۔

ترا از من اگر بر سینہ داغ است
نہ پنداری کہ زاں داغم فراغ است

اور جب کسی ہادی طریقت کے دل میں اپنے مرید کی محبت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر فیوض اور انوار کے لئے کسی دوسری کشش کی ضرورت نہیں رہتی۔ خود محبت کے جوش سے پیرو مرشد کے سینے کے انوار مرید کے سینے میں منتقل ہوتے رہتے ہیں جس طرح ماں کی محبت کی وجہ سے ہمیشہ اس کی چھاتیاں اپنے بچے کے لئے دودھ

سے بھری رہتی ہیں اسی طرح کامل پیر کا قلب منوّر صاحب محبت سالک کے سینے میں ہمیشہ فیوض و انوار منتقل کرتا رہتا ہے

یہ مظہر کیوں اعلیٰ ہے

سالک کے لیئے اس مظہر محبت کے سب سے اعلیٰ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ محبت کا ایک بلند ترین تقاضا ہے کہ مُحب اپنے محبوب کی ذات وصفات میں فنائیت چاہتا ہے اور جب کسی کو اپنے ہادی سے محبت ہو جاتی ہے تو فنائیت کا یہ درجہ فطرتاً اسے حاصل ہو جاتا ہے اور فنا فی الشیخ کی مشکل ترین منزل اس طرح آسان ہو جاتی ہے

؎ چوں تمام افتد سراپا ناز مے گردد نیاز
قیس را لیلےٰ ہمی نامند در صحرائے من

اور جب فنا فی الشیخ کی منزل اوّل جو مشکل ترین مرحلہ ہے طے ہو گیا تو باقی تمام فنا کے مراحل آسان ہو جاتے ہیں

محبت کی دوسری قسم

محبت کی دوسری قسم وہ ہے جس کا رخ ہمیشہ پستی کی طرف رہتا ہے اور سفلی عالم کی مختلف خواہشات اس کی سواریاں بنتی ہیں اور یہ محبت روح انسان کو پستی کے درکات میں دھکیلتی ہے۔ اس محبت میں سفلی تقاضے سفلی ذرائع سے پورے ہوتے ہیں اور نفس حیوانی ہیجان محبت سے اور حاجت روائی سے لذت، لطف اور سکون و قرار پاتا ہے ایسی سفلی محبت کی مثال بھوک پیاس کی مثال ہوتی ہے کہ غذا اور پانی ملنے سے بھوک پیاس بجھ جاتی ہے۔ اطمینان محسوس ہوتا ہے اسی طرح نفس کی خواہشات جب پوری ہوتی ہیں تو اس کو سکون و قرار محسوس ہوتا ہے ایسی تمام خواہشات اور ان کی محبت کا نقشہ قرآن کریم میں دیکھئے فرمان خداوندی ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ
وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ
الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ
وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ

رجھایا ہے لوگوں کو مزوں کی محبت پر عورتیں اور بیٹے
اور ڈھیر جڑے ہوئے سونے کے اور روپے کے
اور گھوڑے پلے ہوئے اور مویشی اور کھیتی یہ برتنا ہے
دنیا کی زندگی میں اور اللہ جو ہے اسی پاس ہے

الدُّنیَا وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ۔ اچھا ٹھکانا۔

جس پست فطرت و دنی الطبع انسان نے الہامی آواز کو نہ سنا اور اپنے باطنی حواس کو روشن نہ کیا اور جس نے حیاتِ دنیا کے محدود دائرے سے باہر قدم نہ رکھا اور غیر محدود حیات کا تصور اپنے دماغ میں نہ لیا وہ ڈھور ڈنگر کی طرح کھانے پینے اور آرام و آسائش اور مزعومہ ذلت و عزت کے چکر میں گھومتا رہا اس نے صرف ایک ہی حیوانی محبت کی پیاس بجھائی اور طبیعت کے سفلی تقاضے پورے کرنے میں اپنی عمر عزیز گنوائی۔ ادنیٰ مزدور سے لے کر تخت سلطنت تک ذرا نگاہ دوڑایئے بے شمار بڑے بڑے بادشاہ فلاسفر، چوٹی کے سائنسدان، بڑے بڑے لیڈر اور ہر قسم کے تاجر اسی روح کے مہلک مرض میں گرفتار ہیں جو کچھ وہ سوچتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں وہ سب اسی دنیا کو جنت بنانے کے لیے ہوتا ہے اور پیدائش سے موت تک کی مختصر زندگی کے لیے ان کی سب کوششیں وقف ہوتی ہیں۔ کسی کا ایک قدم بھی آگے نہیں اٹھتا اور الہامی آواز پر کان نہیں دھرتے جو ان کی موت کو حیات ابد کا دروازہ ثابت کرتی ہے اور مادی دنیا کو روحانی عالم کی ایک اسفل ترین شکل میں پیش کرتی ہے اسی روحانی بیماری میں مبتلا رہنے کی وجہ سے وہ انسانی عظمت کا ملاحظہ نہ کر سکے اور اپنی غیر محدود زندگی کا کوئی سامان نہ کیا۔ ان کے عقول روشن سے روشن تر ہوتے گئے اور ان کے قلوب تاریک سے تاریک تر۔ اللہ تعالیٰ کی محبت آخرت کی محبت اور اپنی حقیقی بھلائی کی محبت ان کے سینوں میں گہری نیند میں سوئی رہی اس کی بیداری کے تمام سامان باقی انسانوں کی طرح انہیں حاصل تھے لیکن نہایت بے دردی سے انہیں ٹھکرا دیا اور اپنی تمام کوششیں فانی اور عارضی خواہشات کو پورا کرنے میں صرف کر دیں۔ عورتوں کی محبت، میں مست رہے۔ اولاد کی محبت نے انہیں چین نہ لینے دیا۔ دولت کی حرص میں اندھے ہو گئے اور اپنی عظمت کے اظہار میں دیوانہ وار پھرے اور یہ نہ سمجھے کہ جتنی یہ چیزیں بڑھتی جائیں گی عمر اتنی گھٹتی جائے گی تا آنکہ موت کے دروازے پر جا پڑے اب لافانی زندگی کے لیے کوئی سامان نہیں وہاں رہنے میں انہیں کوئی دلچسپی نہیں۔ اپنی خوابیدہ قوتیں ایک ایک کر کے دیکھ لیں اور ان کی علامِ بیداری پر خون کے آنسو بہائے اور اپنی تمام کوششوں کے ضائع جانے پر زہر کے گھونٹ پیے اور پکار اٹھے۔ فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا" الٰہی! ہمیں دنیا میں لوٹا دے ہم اچھے عمل کریں گے

وَلَوْ تَرٰی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ اور کبھی تو دیکھے جس وقت منکر سر ڈالے ہوں گے

نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝

اپنے رب کے پاس اے رب ہمارے ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا ہم کو پھر بھیج ہم کریں بھلائی ہم کو یقین آیا۔

محبت کی زمین میں محبت کی تخم ریزی کی ہوتی تو آج پھل پاتے لیکن حیوانی محبتوں میں پھنسے رہے اب وہ حیوانیت رہی نہ وہ قوتیں سب فنا کے طوفان میں بہ گئیں اب سوائے حسرت اور یاس کے اور کچھ ہاتھ میں نہیں اور ایک نہ ختم ہونے والا عذاب دردناک سامنے ہے۔

محبت کے یہ فانی مظاہر جو عارضی لذّات کے گھروندے بن جاتے ہیں حقیقت دیکھنے والی نگاہ میں ان کی کوئی قیمت نہیں۔ حقیقی محبت جس کے جوہر بعد موت کھلنے والے ہیں۔ وہ وہی ہے جو حیوانی خواہشات سے ماوریٰ ہے اور پاکیزگی اور لطافت جس کا لباس ہے۔ عشق و محبت کی جو داستانیں دنیا میں مشہور ہیں اور محبت نے جن انسانوں کو سرمست و دیوانہ بنا ڈالا۔ اور وہ اسی محبت کی لے میں اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ دنیا و مافیہا سے الگ ہو بیٹھے ان میں بھی اگرچہ ابتدا میں ملے جلے جذبات کام کرتے رہے ہیں لیکن اگر کسی شخص میں محبت کا جذبہ بدرجہ اتم ہو اور وہ کسی حادثہ سے رک نہ جائے تو یہ آہستہ آہستہ حیوانی قوتوں کو جلا دیتا ہے اور پھر خالص اور نکھری ہوئی محبت باقی رہ جاتی ہے جو نہایت چھوٹے داعیہ سے محبت حق میں تبدیل ہو جاتی ہے[1] اس لیے ایسا مجاز جو حقیقت کی طرف راہنمائی کرے وہ قابل تعریف ہے۔ قابل مذمّت وہ مجازی محبت ہے جو حیوانی جذبات سے اٹھے اور انہیں کی تسکین پر ختم ہو جائے۔

حُسن کیا ہے

مشہور یہ ہے کہ حسن مظہر محبت ہے بیشک یہ صحیح ہے لیکن حسن ہے کیا؟ یہ سوال ایسا ہے جس کا جواب ہر صاحب ذوق اپنی پسند کے مطابق دے گا۔ دراصل حسن کی کوئی ایک جامع تعریف ہو نہیں سکتی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ایک انسان کو پسند کرتا ہے اور وہی انسان دوسروں کی نگاہ میں عوام سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی　　کز تو شد مجنوں پریشان و غوی

---

[1] چنانچہ زلیخا کی محبت بالآخر محبت حق میں تبدیل ہو گئی۔

از دگر خوباں تو افزوں نیستی گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

ترجمہ: خلیفہ نے لیلیٰ سے کہا کہ تو دوسرے حسینوں سے کوئی خاص امتیاز نہیں رکھتی لیلےٰ نے کہا آپ خاموش رہئے کہ آپ کی نظر مجنوں کی نظر نہیں ہے۔

اسی طرح انسانی حسن کے علاوہ بھی بعض مظاہرِ قدرت بعض لوگوں کی محبت کی کشش کا باعث ہوتے ہیں دراصل ہر انسان کے اپنے اندر ایک نورانی جسم میں خوبصورتی موجود ہے جس کو غیر شعوری طور پر وہ ہمیشہ پسند کرتا ہے اور وہی حسن اس کی محبت کا آشیانہ بھی ہے جب کسی کو اپنے اندرونی پوشیدہ حسن کا نقشہ کہیں باہر نظر آتا ہے تو دل بے قابو ہو جاتا ہے اور اپنی محبت کا طائر باہر ایک آشیانہ پالیتا ہے جہاں آنا جانا اور رہنا اس کی زندگی بن جاتی ہے اور جب کسی سے محبت کی آنکھ لڑ جاتی ہے تو اس کی ہر ادا دل میں کھب جاتی ہے اور محبوب کا ہر تعلق محبوب نظر آتا ہے اور اس کا ہر رشتہ مرغوب و مطلوب بن جاتا ہے۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال حقیقتِ حسن کا مظہر خاص تھا اور ہر دل کے اندر یہ قوت رکھ دی گئی ہے کہ جو بھی اس مظہرِ حسنِ ازل کو عقیدت و محبت کی نگاہ سے دیکھے وہ اس حسن کی شراب سے سرمست ہو جائے اور اگر تھوڑی سی عقیدت بھی لے کر جائے تو محبت کے پھولوں سے اس کی جھولی بھر دی جائے۔ صحابہ کرامؓ کو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید قسم کی محبت تھی اور ایسی محبت میں محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے اور اس کے جسم لطیف سے چھونے والی ہر شے مرغوب۔ اسی لئے صحابہ کرام سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی کا ایک ایک قطرہ پانا غنیمت جانتے تھے۔ حضور کا لعابِ دہن مل جاتا تو ان کے لئے سلسبیل کی موج ہوتی اور یہی وجہ تھی کہ جب بعض صحابہ کو حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھنوں کا خون ملا تو وہ دفن کرنے کی بجائے پی گئے گویا محبوب کی ظاہری آلائشیں بھی محبت کی نگاہ میں محبوب ہوتی ہیں۔

یہاں محبت کا مختصر سا ذکر اس لئے کر دیا گیا کہ جو قربانی بھی انسان کرتا ہے اس کا ایک پسِ منظر ہوتا ہے اور اگر کسی قربانی کے پسِ منظر میں صرف ذاتی خواہشات ہوں اور دنیوی احوال تو سب کیا دھرا اللہ کی نظروں میں باطل ہو گیا کیونکہ مقصدِ حیات، حیات دنیا نہیں ہے بلکہ حیاتِ دنیا صرف آخرت کے لئے ہے اور آخرت کی تمام برکات اور عنایات للہیت کے ساتھ وابستہ ہیں یعنی انسان اپنی زندگی اور اپنی ملکیت اللہ تعالےٰ کے لئے وقف کر دے

اور جو کام بھی کرے صرف اللہ تعالےٰ کے لئے کرے۔

اور اللہ تعالےٰ کے لئے اپنا سب کچھ وقف کر دینا صرف اطاعت اور فرمانبرداری سے بھی ہو تو مقبول بارگاہ الٰہی ہے چہ جائیکہ اطاعت کے ساتھ محبت کی چاشنی بھی ہو اگر ایسا ہو تو زندگی پرلطف ہو جاتی ہے اور فرمانبرداری کی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔

حضرت عثمانؓ کو اہل مکہ کے پاس بھیجنا

حضرت عثمانؓ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے بھیجا کہ وہ اہل مکہ سے صلح کی گفتگو کریں۔ حضرت عثمانؓ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دیا۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر دیا اور مشہور ہو گیا کہ عثمانؓ شہید کر دیئے گئے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تو حضور نے فرمایا کہ عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے یہ فرمایا اور ایک درخت کے نیچے صحابہ سے جان کی قربانی کی بیعت لی۔ تمام صحابہ نے حضور سے بیعت کی حضرت عثمانؓ کی بجائے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ میں دایاں ہاتھ دے دیا اور فرمایا کہ عثمان کی طرف سے میں بیعت کرتا ہوں یہ شرف حضرت عثمانؓ کے لئے ایسا ہے جس میں کوئی صحابی آپ کا ہم پلہ نہیں کہ حضور نے بیعت کے موقعہ پر اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ فرمایا۔

اس بیعت کے بعد قرآن کریم کی یہ آیت اتری۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝	اللہ تعالےٰ مومنوں سے راضی ہوا جب کہ درخت کے نیچے وہ آپ سے بیعت کر رہے تھے سو اللہ نے جان لیا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے تو اللہ تعالےٰ نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور قریب کی فتح عنایت کی۔

قرآن حکیم کا دستور ہے کہ اگرچہ شانِ نزول ایک معین (مقام خاص) ہوتا ہے لیکن حکم اور فائدہ عام ہوتا ہے۔ سورہ فتح کی یہ آیت ایک عظیم الشان حقیقت کی فتح باب ہے

۱- رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ	اللہ تعالٰے مومنوں سے راضی ہوا جب وہ آپ کی بیعت ایک درخت کے نیچے کر رہے تھے۔
۲- فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ۔	پس اللہ تعالےٰ نے ان کے دل کی باتوں کو جان لیا
۳- فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ	تو ان پر تسکین نازل فرمائی۔
۴- وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا	اور ان کو فتح قریب عطا فرمائی۔

سرورِ دو عالم کی حیاتِ طیّبہ[1]

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی سراسر روحانیت تھی ظاہر کے جتنے مشاغل تھے وہ بھی تمام کے تمام روح کی زندگی کے لئے تھے عبادتِ الٰہی جو حیاتِ ابد کو کامیاب بنانے کا واحد ذریعہ ہے۔ امت کے لئے اس کا قیام اور نمونہ کے طور پر اس کا نظام قائم کرنا پھر اس کے راستے میں جو جو رکاوٹیں آئیں ان کا ازالہ کرنا ہادی اعظم کی زندگی کا دستور العمل تھا۔ آپ نے نمازیں قائم کیں اور بے نماز آدمی کو اپنی غلامی کے دائرے سے نکل جانے کا حکم دیا۔ حضور نے لمبی راتیں یادِ خدا میں جاگ جاگ کر گذاریں۔ یادِ الٰہی کے مختلف طریقے بتلائے روزے نہ صرف رمضان مبارک میں رکھے بلکہ سال بھر کا بیشتر حصہ روزوں میں گزارا۔

ذکر کی محفلیں قائم کیں اور ان مجالس میں صرف توجہات اور انوارِ محمدی کی بارشیں ہی ہوئیں۔

ان مجلسوں میں صحابہ کرام کی خاموشی اور استغراق کی یہ حالت ہوتی کہ پرندے انہیں بے جان مجسمے سمجھ کر ان کے سروں پر بیٹھ جاتے۔ حضور نے حدیبیہ کے مقام پر صحابہ کرامؓ سے جان بازی کی بیعت لی اور بیعت کا طریقہ یہ اختیار فرمایا کہ ہر صحابی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور ہر ایک سے جان فروشی کا اقرار لیا۔ اگرچہ اسلام قبول کرنا جان بازی اور جان فروشی کا عہد کرنا ہے تاہم اس عہد کو مختلف موقعوں پر دہرایا گیا۔ اور صحابہ کرام سے بیعت لی گئی۔

سرورِ کائنات کا پیدا کردہ انقلاب

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑا انقلاب جو دنیا میں برپا کیا وہ عالم روح کی تعمیرِ نو کی تکمیل تھی۔

---

[1] اس عنوان کی ذیلی سرخیاں نشان ستارہ پر ختم ہوتی ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ کا درجہ اور ثواب کون نہیں جانتا۔ مجاہد میدانِ جنگ میں جان لڑا دیتا ہے لیکن یہ جانبازی اور سرفروشی اگر ذاتی مقصد کیلئے ہو تو اس کی قیمت اللہ تعالےٰ کے ہاں ایک کوڑی بھی نہیں۔ جہاد صرف اللہ کے لئے جان بازی ہے اور قتال پر جان کھپانا تو کبھی کبھی کسی کو نصیب ہوتا ہے لیکن مجاہدہ اللہ کے لئے ہمیشہ تکالیف برداشت کرنا جان جوکھوں میں ڈالنا اور ہمیشہ محنت مشقت برداشت کرنا ہے جس کے لئے زمان و مکان کی کوئی قید نہیں ہے اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا — جن لوگوں نے ہمارے لئے مجاہدے کئے ہم ان کے لئے ضرور اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔

اس لئے مومن کی زندگی ہمیشہ مجاہدہ سے پُر ہونی چاہیئے جیسے کہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام زندگی مجاہدے میں گذاری۔ ہر عبادت مجاہدہ ہے اور یہ مجاہدہ خواہ ذکر فکر ہو، خواہ نماز روزہ نفس پر بہت بھاری ہے اور اپنے نفس کی اصلاح فرضِ اوّلین ہے اور مجاہدے کے بغیر نا ممکن پھر اپنے متعلقین کی درستی اور اصلاح کرنا ہے۔

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا — اے ایمان والو اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ پھر فرمایا اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ

اپنے نفس کی اصلاح مقدم ہے اور اپنے نفس سے جہاد کرنا جہادِ اکبر ہے سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے واپس آرہے تھے فرمایا۔

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر (حدیث) — ہم چھوٹے جہاد سے لوٹے ہیں اور اب بڑے جہاد کی طرف جارہے ہیں۔

گویا مومن کی ساری زندگی مجاہدہ ہے اور جب مجاہدے سے نفس انسانی کی اصلاح ہو جاتی ہے تو پھر یہ مٹی اکسیرِ اعظم بن جاتی ہے۔

بڑے موذی کو مارا نفسِ امّارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدہا و شیرِ نر مارا تو کیا مارا
نہ مارا آپ کو جو خاک سے اکسیر بن جاتا
اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلاحِ باطن کیلئے قائم کردہ نظام

اگرچہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ پڑھا کر ہی عباداتِ الٰہی کرنے کی بیعت صحابہ کرام سے لی تھی تاہم قلبی اور روحانی فیض کے ذریعے امت کی اصلاح کا کام انبیاء کے طریقہ پر انجام دینے کے لئے خاص خاص صحابہ کرام میں جن کی استعدادیں اس لطافت کی حامل ہوسکتی تھیں خصوصی قلبی نسبت کا القا فرمایا اور پھر ان کے سینے سے بعض صحابہ اور تابعین نے روحانی نسبت حاصل کی اسی طرح ہر قرن اور ہر عہد میں ہر مقام پر انبیاء علیہم السلام کی جانشینی کے فرائض انجام دینے کے لئے اسی روحانی نسبت کے حامل حضرات اولیائے عظام کا ظہور ہوتا رہا اور جس طرح مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر اللہ تعالےٰ کے رسول مخلوقِ خدا کی باطنی اصلاح کے فرائض انجام دیتے رہے اسی طرح یہ حضرات اولیاء اللہ اُمّتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلوب کو پاک کرتے رہے۔ ہر زمانے میں ان کی تعداد خاصی رہی ہے اور ان کی مجلس ان کا اٹھنا بیٹھنا ان کا جذب و شوق ان کی کشش، خلق خدا کی ان سے محبت، اور لوگوں کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نقشہ دیکھ کر سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اور صحابہ کی اطاعت اور ذوق و شوق کا ہوبہو نقشہ نظر آتا ہے۔

اسلام کی عام اشاعت ہوجانے کے بعد اور اہل سیف حضرات کی معتد بہ تعداد قائم ہوجانے کے بعد طریقت کے ان مشائخ نے جہاد بالسیف میں تو کم حصّہ لیا ہے لیکن اہل اسلام کے قلوب کی اصلاح اور غیر مسلموں کے دلوں کو مسخر کرنے کا جو کام ان کی ایک غلط انداز نظر سے بن پڑا وہ بڑے بڑے تلوار کے دھنی اور بڑے بڑے مردِ میدان مجاہدین سے بھی نہ ہوسکا۔

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ نگاہ کی تیغ بازی وہ سپاہ کی تیغ بازی

یہ حضرات بھی سنت نبوی کو سامنے رکھتے ہوئے اصلاح قلبی کے طالبین سے بیعت لیتے رہے ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ بیعت جاری رہے گا انشاء اللہ جس کا طریق بالکل وہی ہے جو سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں صحابہ رض سے بیعت لینے کے وقت استعمال فرمایا تھا یعنی بیعت کرنیوالے کا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں

میں لے کر اطاعت خداوندی اور اصلاح نفس کا اقرار لینا جس اقرار و تسلیم کے بعد اور اصلاح نفسی کے دوران میں اور تکمیل کے بعد وہی فوائد اور انعامات ظہور میں آتے ہیں جن کا ذکر آیت فتح میں ہوا۔

مومن کا اول و آخر مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے اور بیعت یعنی اقرارِ قربانی کے بعد رضائے الٰہی حاصل ہو گئی جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔ — بیعت کرنے کے بعد مومنوں سے اللہ تعالےٰ راضی ہو گیا۔

گویا بیعت سے رضائے الٰہی کا حصول یقینی طور پر ہو گیا۔

بیعت کے بعد آزمائش و ابتلاء

بیعت (یعنی قربانی کا اقرار) کرنے سے طرح طرح کے امتحانات ہوتے ہیں نفسانی وساوس ابھر آتے ہیں اور شیطانی فریب بڑھ جاتے ہیں۔ اور ابلیسی قوتیں بھڑک جاتی ہیں کہ کسی طالب مولا کو راہ حق سے باز رکھ سکیں اور اپنے پرائے مخالف ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کے آوازے کستے ہیں اور لڑائی جھگڑا کرتے ہیں بعض اوقات جان لینے کے درپے ہو جاتے ہیں وساوس نفسی اور شیطانی دھوکوں سے رہائی مشکل ترین امر ہے پھر انسان نما شیطانوں سے بچنا جو کسی اللہ والے کو دیکھ نہیں سکتے یہ اس سے بھی مشکل ہے جب تک فضل خداوندی شامل حال نہ ہو رہائی مل نہیں سکتی لیکن وہ ناصر قدیم اپنے بندوں کی امداد بروقت فرماتا ہے اور نفسی اور آفاقی مصائب کا علاج ایسے احسن طریقے سے فرماتا ہے کہ اس سے بہتر علاج ہو نہیں سکتا وہ یوں علاج فرماتا ہے کہ سکینہ نازل فرماتا ہے فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْہِمْ یعنی تعلق باللہ کی وجہ سے سکون و اطمینان سالک کو ڈھانپ لیتا ہے اور کسی مخالف کی مخالفت اس پر اثر نہیں کرتی اور ہر مخالفت ہیچ معلوم ہوتی ہے نفسی وساوس ذکرِ الٰہی کی گرمی سے خود بخود رخصت ہو جاتے ہیں۔ اور مخالفین صبر و سکون کی سیسہ پلائی دیوار پر اگر اپنے ناکام وار کرتے بھی ہیں تو کچھ اثر نہیں ہوتا اسی طرح وقت اطمینانِ قلب سے گزر رہا ہوتا ہے تا آنکہ فتح نصیب ہوتی ہے اور شرح صدر کا بلند مقام حاصل ہوتا ہے۔ جب طالبِ مولا کے ظاہر و باطن میں فتح یعنی کشائش اور کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو پھر دشمن دوست

ہو جاتے ہیں۔ بیگانے یگانے بن جاتے ہیں اور عزت اور وقار قائم ہو جاتا ہے اور دھڑا دھڑ اصلاح و ہدایت کے طالب آتے جاتے ہیں اور دل کا مقصود اور دل کی مراد پاتے ہیں اسی فتح کا ذکر سورہ (النصر) میں موجود ہے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَیْتَ	جب اللہ تعالےٰ کی امداد پہنچی اور فتح تو دیکھے گا
النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ	لوگوں کو اللہ کے دین میں داخل ہوتے ہیں فوج فوج
اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ	پس اللہ کی تعریف کی تسبیح کہہ اور اس سے طلب بخشش
اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝	کر وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس صورت میں مربی کے فرائض میں ہے کہ وہ خود بھی اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کرے اور ذکر میں مشغول رہے اور طالبین حق کا وظیفہ بھی یہی قرار دے اور چونکہ بشریت کی کارفرمائیاں بھی موجود ہیں اس لئے ایسے مقام بشریت کو فرشتوں کا مسکن نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ اگر کسی وقت اس مقام پر تقاضائے بشریت سے کوئی فروگذاشت یا کوئی لغزش ہو جائے تو اللہ تعالےٰ سے معافی مانگ لی جائے اور توبہ کر لی جائے بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ جب وہ کسی کو اپنا بناتا ہے تو اسے معمولی غلطیوں سے اپنے دروازے سے کبھی نہیں ہٹاتا۔

قریشِ مکّہ سے معاہدہ

حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر غلط تھی۔ قریش نے سہیل بن عمرو کو سرورِ دو عالم کی خدمت میں بھیجا کہ وہ اس بنا پر صلح کی گفتگو کرے کہ اس مرتبہ مسلمان واپس مدینے چلے جائیں چنانچہ صلح کی شرطیں مقرر ہو گئیں اور معاہدہ لکھا جانے لگا۔ حضرت علیؓ اس معاہدہ کے کاتب مقرر ہوئے حضرت علیؓ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا۔ قریش اس مبارک ابتداء سے ناواقف تھے ان کا قدیم دستور یہ چلا آتا تھا کہ باسمک اللّٰھم تحریر کی ابتداء میں لکھتے تھے۔ سہیل نے کہا کہ وہی قدیم الفاظ لکھے جائیں حضور نے منظور فرمایا۔ دوسرا فقرہ تھا۔

ھٰذَا مَا قَاضٰی عَلَیْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ	یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ سے فیصلہ ہوا

سہیل نے رسول اللہ کے لفظ پر اعتراض کیا کہ ہم نے رسول اللہ کب تسلیم کیا ہے آپ صرف اپنا نام اور اپنے والد کا نام لکھوائیں حضور نے فرمایا تم خواہ مخواہ جھٹلاتے ہو۔

خدا کی قسم میں خدا کا پیغمبر ہوں۔
یہ فرمایا اور حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اچھا صرف میرا نام ہی رہنے دو۔ ادھر حضورؐ کا حکم تھا ادھر محبت اور صداقت کا تقاضا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کی! حضور میں رسول اللہ کیسے کاٹوں۔ حضرتؐ نے فرمایا اچھا مجھے دکھاؤ خود سرورِ کونین نے جھگڑا چکانے کی خاطر رسول اللہ کا لفظ قلم زن فرمایا اور ابن عبداللہ لکھ دیا۔

النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم

نبی اکرمؐ کے خطابات میں سے ہے نبی الامی یعنی ایسا نبی جو پڑھا لکھا نہیں۔ حالانکہ ؎

نگارِ من کہ بہ مکتب نہ رفت و خط نہ نوشت
بہ غمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

نبوت اور ولایت ایسا فیضان الٰہی ہے کہ جس کے آنے سے علم و حکمت کا کوئی باب باقی رہ نہیں جاتا ظاہری علوم اور لکھنا پڑھنا تو ایسی ابتدائی عقلی چیزیں ہیں جو کہ الہامی، روحانی بلند مضامین اور شرح صدر کے فیض کے مقابلے میں ان کی حیثیت سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے کی ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ	اللہ کی ذات ایسی گرامی ذات ہے جس نے
رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ	ان پڑھ لوگوں میں اپنا رسول بھیجا جو اللہ کی آیات
آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ	ان پر پڑھتا ہے اور ان کا تزکیہ نفس فرماتا ہے
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن	(ان کی روحوں کو لطافت اور پاکیزگی بخشتا ہے) اور
كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ	ان کو قرآن سکھاتا ہے اور قرآن کی حکمت سکھاتا ہے
مُّبِينٍ ۝	اور اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

تمام معقولات جن پر فلسفہ کا دارومدار ہے وہ الہامی ارشادات کا ذہنی عکس ہیں۔ الہام نے خلق کا ذکر کیا۔ امر کا ذکر کیا۔ افلاک کا ذکر کیا۔ چاند سورج کو مخلوقِ الٰہی تبلایا روح کو امر الٰہی فرمایا۔ افلاک کو روحانی عالم کا محسوس جہان فرمایا اور اس قسم کے دوسرے ارشادات الٰہی الہامی زبان میں ہمیشہ بیان ہوتے رہے۔ عقل نے غور و فکر

کی زمین پائی اور پھر اس میں اپنے وہمی اور غیر یقینی مفروضات کے گل بوٹے لگائیے اور انسانی ذہن کی سادگی کا یہ عالم ہے کہ جو جو نقوش اول اول اس پر کوئی لکھدے وہ نہایت ہٹ دھرمی سے انکو قائم رکھنا چاہتا ہے اسی طرح جو نظریئے وقت کے عقلائ نے الہامی دریافتوں سے اپنے ذہن میں ایک عکسی صورت لے کر قائم کئے وہ آگے چل پڑے۔ پھر جوں جوں زمانہ بدلتا گیا یہ نظریئے بھی بدلتے گئے اور ہر زمانے کا فلسفیانہ نظریہ جدا رہا۔

لیکن الہام کی جو حقیقت ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کے وقت میں تھی وہی حقیقت سرور دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں رہی۔

الہام کوئی عقلی انکشاف نہیں یہ قلبی انکشاف ہے اور قلب کو عقل کے مقابلے میں اتنی وسعت حاصل ہے جو آفتاب کو ذرے کے مقابلے میں یا سمندر کو قطرے کے مقابلے میں ہے اس لیئے پیغمبر کا علم یا پیغمبر کا انکشاف اور پیغمبر کا مشاہدہ عقلی علوم کے مقابلے میں اور محسوس مشاہدات کے مقابلے میں اتنا ہی بڑا ہوتا ہے اس واسطے دنیا بھر کے عالم، دنیا بھر کے فلاسفر پیغمبر کے ایک غلام کے مقابلے میں معلومات کے لحاظ سے اور انکشاف و قوت کے اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا کی حکایت قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے اس کو ذرا غور سے پڑھئے کہ عراق کے پایہ تخت میں بیٹھ کر یمن کے دارالسلطنت میں وقت کی ملکہ کا تخت نہ صرف مشاہدہ ہی کر لیا جاتا ہے بلکہ ایک چشم زدن میں اسے سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کے رکھ دیا جاتا ہے۔

اس واسطے انبیا علیہم السلام کو ظاہری علوم کے تکلفات سے اللہ تعالے نے ہمیشہ الگ رکھا اور ظاہری طور پر لکھنے پڑھنے کے فن سے امی ہونے کے باوجود یہ تمام حضرات اسرار الہی کے خزانہ دار اور علوم باطن کے بحر ذخار ہوتے تھے۔

بادشاہوں کو دعوتِ اسلام[1]

اسلام کا دستور العمل عین فطرت ہے۔ زمین میں بیج بویا وہ اگا، بڑھا پھولا اور پھلا۔ زمین قابل نہ ہوئی تو بیج نے اپنی خاصیت ظاہر نہ کی۔

کسی تخم کو کاشت کرنے کے لئے موسم کے دیکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ بے موسم کا بیج بھی تاثیر سے محروم رہے گا۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سال تک اسلام و ایمان کا آسمانی بیج نہایت رازدارانہ طور پر اپنے خصوصی دوستوں، اپنے تربیت یافتہ عزیزوں اور شکستہ دل غربا کے سینوں کی زمین میں کاشت کیا اس کے بعد جب اسلام کو اعلانیہ پیش فرمایا تو چاروں طرف سے کفر کی آندھیاں چل پڑیں اور اس آسمانی شمع کے بجھانے میں سارا زور صرف کر دیا گیا۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔

وہ ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ تعالےٰ اپنے نور کو تمام کرنے والا ہے اگرچہ کافر ناپسند کریں۔

مکے کی زندگی مصیبت کے دن تھے۔ رنج و غم کی گھڑیاں تھیں چاروں طرف سے دشمنانِ اسلام اپنی کفر کی قوت سے مسلح ہو کر اسلام کو کچلنا چاہتے تھے۔ حضور نے مدینے میں ہجرت فرمائی یہاں کی سرزمین اسلام کو راس آئی۔ جان نثار مہاجرین کی ایک جماعت سرورِ دو عالمؐ کی محبت میں سرشار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں جان بکف ہمہ وقت تیار، انصار مدینہ کے سینے قبول اسلام کے لئے جنت کے خزینے بن گئے اور پورے کے پورے اسلام کو اپنے سینوں میں لے لیا اور محبتِ محمد رسول اللہؐ اور اطاعتِ حبیبِ کبریاؐ میں مہاجرین کی طرح سرفروشی کی تصویریں بن گئے۔

---

[1] سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکتوبات گرامی ۶ھ کا کارنامہ ہے اس سے پہلے کئی مضامین مدنی زندگی کے موجود ہیں۔ جلد دوم میں انشاءاللہ مکمل مدنی زندگی۔ کمالات نبوت۔ مغازی۔ معجزات۔ حقائق قرآنیہ وغیرہا بیان ہوں گے۔

حضورؐ کی ہر ادا سے محبت کی اور ہر حکم کے سامنے سر جھکایا۔ اگرچہ حضور کا حکم خود خدا کا حکم تھا لیکن خدا کو کس نے دیکھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان تھی جو حکم خداوندی کی ترجمانی کر رہی تھی ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اطاعت خداوندی اور محبت حبیبِ خداؐ نے مل کر وہ سماں پیدا کیا کہ اب مسلمان مکے کے وہ مسلمان نہ رہے جو سختیاں سہہ سہہ کر اپنے وطن کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

عبادتِ الٰہی اور ذکر خداوندی کا نور جب کسی فرد میں یا قوم میں کثرت کے ساتھ چمک اٹھتا ہے تو وہ فرد اور وہ قوم خدا کی زبان، اس کی قوت، اسی کی سطوت اور اسی کی ہیبت بن جاتی ہے اور جس مقصد کے لئے جدھر رخ کرتی ہے وہ مقصد دست بستہ غلام ہو جاتا ہے۔

جب جنگِ بدر میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں۔ صحابہ کرام کی ادائیں اپنا فرض انجام دے چکیں اور کفار کے دل میں یہ احساس جاگزیں ہو گیا کہ اسلام اب قوت اور ہیبت کا ایک پہاڑ بن چکا ہے۔ جنگِ اُحد میں صحابہ کی جان نثاریاں جب ثابت ہو چکیں کہ اسلام زندہ رہنے کو آیا ہے اور صلح حدیبیہ نے بھی مکے کی طرف سے امن کے پیغام پہنچا دیئے تو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ کے طریق کار میں ایک اور باب کا اضافہ فرمایا۔ درختِ اسلام اپنی فطرت میں جہاں ہمیشہ نیچے سے اوپر چڑھتا اور بڑھتا ہے وہاں اسی کی فطرت رحمتِ عالم بن کر اوپر سے نیچے بھی برستی ہے۔

یعنی یہ شکستہ دل غرباء کے سینوں سے نکل کر بڑے بڑے صاحبِ تمکنت امرا کو اپنی غلامی میں لے لیتا ہے اور روشن دل پاک طینت امراء سلاطین کے جھنڈوں کو نصرتِ الٰہی کے ہم صورت بناتے ہوئے اخلاص مند عوام کو اپنے وسیع دائرہ سلامتی و حفاظت میں لے لیتا ہے۔

بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور عمار یاسرؓ وغیرہم کی قربانیوں نے اور ان کی عبادت الٰہی کے نور کے چمکاروں نے بڑے بڑے بہادروں، مدبروں اور دولت مندوں کو اسلام کی طرف توجہ کرنے کی دعوتِ عمل دی۔ جب ان مقدس اور شہ زور مقبولانِ بارگاہِ خدا کا اجتماع ہو لیا تو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا پیغام عرب اور نواحِ عرب کے

سلاطین اور امرا کے نام بھیجا۔
مصر، شام، ایران، عراق، حبش وغیرہ کو گرامی نامے بھیجے گئے۔

عزیزِ مصر کے نام

عزیزِ مصر کو جو پیغامِ ہدایت سرورِ دو عالم نے ارسال فرمایا اس کی نقل درج ذیل ہے۔
یہ نامہ مبارک حاطب بن ابی بلتعہ صحابی کے ہاتھ بھیجا گیا تھا۔

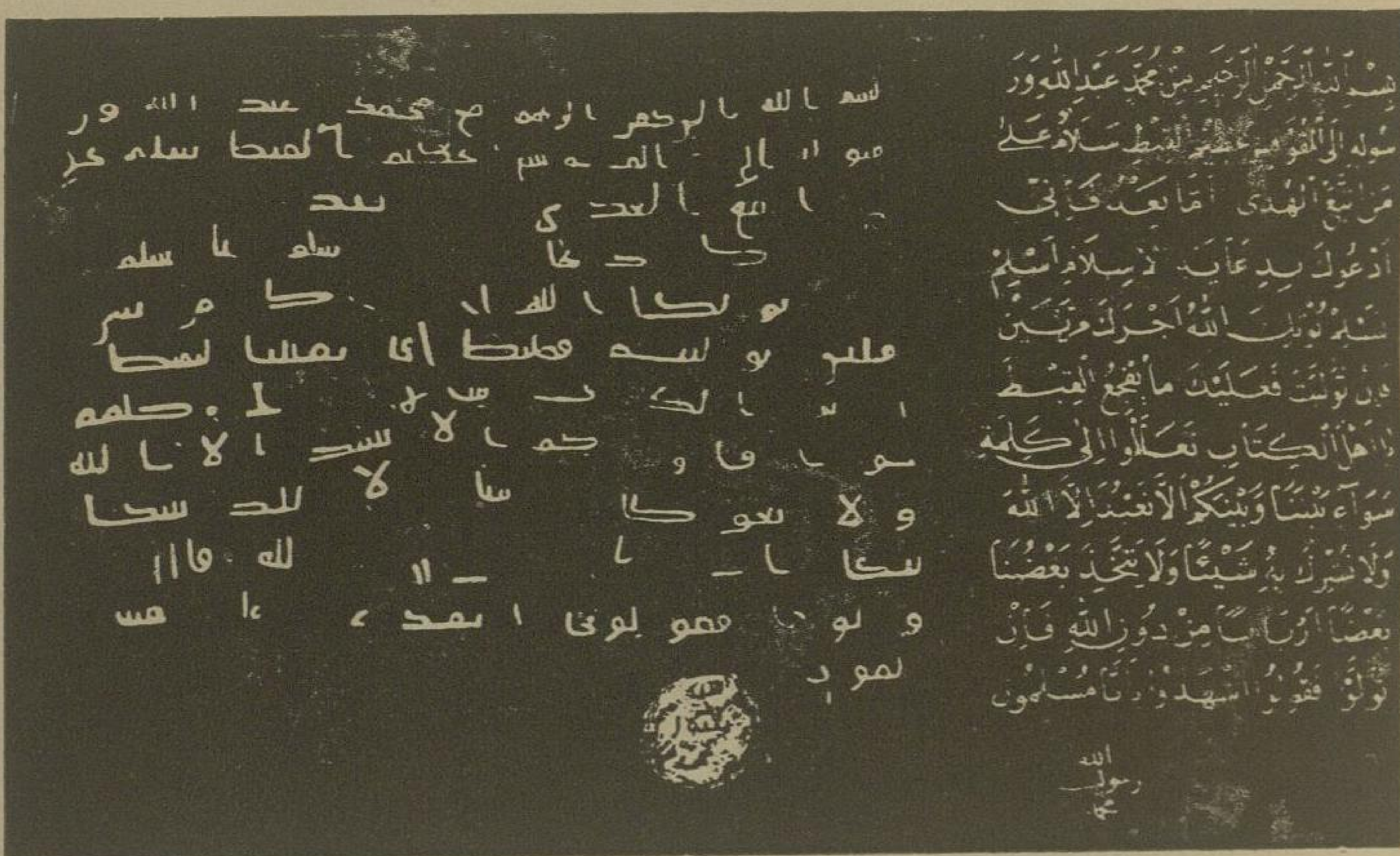
نامہ مبارک بزبان عربی

بسم الله الرحمن الرحيم۔
من محمد عبد الله ورسوله
الى المقوقس عظيم القبط سلام
على من اتبع الهدى - اما
بعد فانى ادعوك بدعاية
الاسلام اسلم تسلم يوتك الله
اجرك مرتين فان توليت فعليك
ما يفجع لقبط يا اهل الكتاب
تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم
ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئاً
ولا يتخذ بعضنا بعضاً اربابا من
دون الله فان تولوا فقولوا
اشهدوا بانا مسلمون

(مہر مبارک) محمد رسول الله

ترجمہ اردو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - اللہ کے بندے اور اللہ
کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے
المقوقس قبطیوں کے سردار کی جانب - ہدایت کی
اتباع کرنے والے پر سلام ہو - اما بعد میں تجھے
دعوتِ اسلام دیتا ہوں - اسلام قبول کر اور سلامت
رہ - اللہ تعالےٰ تجھے دو مرتبہ اجر عطا فرمائیگا
اگر تو نے منہ موڑا تو جو مصیبت بھی قبطیوں پر آئے گی
اس کی ذمہ داری تجھ پر ہے - اے اہل کتاب اس
امر کی طرف آؤ جو تم میں اور ہم میں برابر ہے کہ
اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور
ہم میں سے کوئی بھی کسی کو اللہ تعالےٰ کے سوا
پروردگار نہ مانے - پس اگر انہوں نے منہ موڑا تو تم
کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں -



اس نامۂ مبارک کا ترجمہ دوسرے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

تبلیغ دین حنیف کے ذرائع میں قلمی تبلیغ کی ابتدا ان مبارک خطوط سے ہوتی ہے جو محبوب رب العالمین، ہادیٔ صراط مستقیم، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اطراف کے اہل دول کو ارسال فرمائے اور تحریری طور پر اشاعت دین کی بنیاد رکھی۔

اس دور علم و فضل میں تبلیغ دین کا یہ طریقہ بے حد مفید ہوسکتا ہے۔ اہل علم اور اہل قلم حضرات کے لیے دین کی اشاعت کا یہ ذریعہ نہایت مبارک ہے۔ خدا کرے کہ اہل قلم حضرات اپنی قابلیتوں کو ادھر متوجہ کریں اور اشاعت دین میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

نامہ مبارک سرورِ کائنات علیہ الصلوۃ والسلام بنام مقوقس شاہِ مصر

بائیں جانب اصلی خط کی نقل مع مہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے

دیکھ رہتی ہیں اسے شوق کی آنکھیں ہر دم
اک ملی تھی جو کبھی آپ کی تصویر مجھے

ترجمہ : اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے (یہ خط) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے جو اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول ہے۔ مقوقس کی طرف جو قبطوں کا بادشاہ ہے۔ سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ حمد و ثنا کے بعد میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تو مسلمان ہوجا، تو محفوظ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ تجھے دوگنا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تو نے منہ موڑا تو قبطوں کو جو (دنیا اور آخرت کا) خسارہ ہوگا اس کا ذمہ دار تو ہوگا۔

اے اہل کتاب آؤ! ایسے کلمہ کی طرف جو تم میں اور ہم میں برابر ہے۔ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی بھی کسی کو رب نہ بنائے۔ پس اگر وہ منہ موڑ جائیں تو ان سے کہو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلم ہیں۔

عزیز مصر کا سرور کائنات ؐ کو جواب

اردو ترجمہ	عزیز مصر کا خط بزبان عربی
رئیس قبط کی طرف سے محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ابن عبداللہ کے نام سلام علیک کے بعد میں نے آپ کا نوازش نامہ پڑھا اور جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا میں سمجھ گیا اور وہ بھی سمجھ گیا جس کی طرف آپ نے مجھے دعوت دی ہے اور مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ ایک نبی آنے والے ہیں اور مجھے یہ خیال تھا کہ وہ ملک شام میں مبعوث ہوں گے اور میں نے آپ کے قاصد کی عزت کی اور دو لڑکیاں بھیجتا ہوں کہ ملک شام میں ان کی بہت عزت کی جاتی ہے اور میں جناب کے لئے کچھ کپڑا اور سواری کا ایک خچر بھیجتا ہوں۔ والسلام	لمحمد بن عبد اللہ من المقوقش عظیم القبط سلام علیک اما بعد فقد قرأت کتابک و فھمت ما ذکرت فیہ وما تدعوا الیہ وقد علمت ان نبیا بقی وکنت اظن انہ یخرج بالشام وقد اکرمت رسولک وبعثت الیک بجاریتین لھما مکان فی القبط عظیم وبکسوۃ واھدیت الیک بغلۃ لترکبھا والسلام علیک۔

عزیز مصر اسلام نہیں لایا تھا لیکن سرور دو عالم کے نامہ مبارک کی عزت کی۔

حضرت ماریہ قبطیہ ام المومنین عزیز مصر کی دو فرستادہ لڑکیوں میں سے ایک ہیں۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا تھا اور دوسری لڑکی کا نام سیرین تھا اور یہ حضرت حسان بن ثابت ؓ مداح رسول اللہ کو عنایت ہوئی۔

حاطب بن بلتعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی تھے ان کی تبلیغ واثر سے دونوں سعادت مند بیبیاں مدینہ پہنچنے سے پہلے اسلام لا چکی تھیں۔

قیصرِ روم کے نام

قیصر روم کے پاس حضور کا نامہ مبارک حضرت دحیہ کلبی لے گئے۔

شام میں قیصر روم کے ماتحت جو عربی خاندان حکومت کرتا تھا وہ غسان خاندان تھا اور بصریٰ شہر ان کا دارالحکومت تھا۔ یہ شہر دمشق کے علاقہ میں ہے۔ اب حوران کے نام سے مشہور ہے۔

ان ایام میں حارث غسانی بصریٰ کا حاکم تھا اس نے حضورؐ کا خط مبارک قیصر کے پاس بیت المقدس بھیج دیا۔ جب قیصر کو خط ملا تو اس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص مل سکے تو لایا جائے۔

اتفاق کی بات ہے کہ مقام غزّہ میں ابوسفیان عربی تاجروں کے ساتھ مقیم تھا، قیصر کے آدمی اسے غزّہ سے لے آئے۔ قیصر روم نے دربار سجایا۔ خود شاہانہ ٹھاٹھ سے تخت پر بیٹھا۔ چاروں طرف روم کے امراء قسیس اور رہبان (عیسائی مذہب کے علماء اور صوفیاء) صفیں بنا کر بیٹھے۔

قیصر نے ابوسفیان کو بلایا اور چند سوال کئے جن کا جواب ابوسفیان نے دیا۔

قیصر روم کے سوالات	ابوسفیان کے جوابات
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان کیسا ہے؟	شریف خاندان ہے۔
اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعوٰے کیا ہے؟	نہیں۔
اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟	نہیں۔
جن لوگوں نے مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں یا ذی اثر؟	غریب لوگ ہیں۔
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟	بڑھتے جاتے ہیں
کبھی اس شخص نے جھوٹ بھی بولا ہے؟	نہیں۔
وہ کبھی قول و قرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟	ابھی تک تو ایسا کبھی نہیں کیا اب جو نیا معاہدہ کیا ہے دیکھیں اس پر وہ قائم رہتا ہے یا نہیں۔

تم لوگوں نے کبھی اس سے جنگ بھی کی ہے؟ اور نتیجہ کیا رہا؟	کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ۔
وہ کیا تعلیم دیتا ہے؟	وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ۔ نماز پڑھو۔ پاکدامنی اختیار کرو۔ سچ بولو صلہ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے ابوسفیان سے کہا تم نے اسے شریف النسب بتلایا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ پیغمبر ہمیشہ شریف خاندان سے ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعوےٰ نہیں کیا اگر کسی اور نے ایسا کیا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی اثر ہے۔ تم نے یہ بھی کہا کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں ہوا اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ انہیں بادشاہت حاصل کرنے کا خیال ہے۔ تم نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا جو شخص انسانوں سے جھوٹ کا برتاؤ نہیں کرتا وہ اللہ تعالےٰ کے بارے کیسے جھوٹ بول سکتا ہے تم نے یہ بھی کہا کہ ان کے پیرو غریب آدمی ہیں یہ مسلّم ہے کہ پیغمبروں کے پیرو ابتداء سے ہمیشہ غریب لوگ ہوتے ہیں تم نے یہ بھی مان لیا کہ ان کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے سچے مذہب کا ہمیشہ یہی حال ہوتا ہے کہ وہ بڑھتا ہی جاتا ہے تم نے یہ بھی تسلیم کیا کہ اس نے کبھی دھوکا نہیں دیا۔ پیغمبر کبھی دھوکا نہیں دیتے۔ تم یہ بھی کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقوےٰ وطہارت اور پاکدامنی کی ہدایت کرتا ہے۔

اگر یہ سب کچھ سچ ہے تو میرے اس دربار تک اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ مجھے یہ خیال ضرور تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ عرب میں وہ پیغمبر مبعوث ہوگا۔

اگر میں وہاں پہنچ سکتا تو ان کے پاؤں دھوتا۔

پھر قیصر نے حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا جائے۔

نقل نامہ مبارک

بسم اللہ الرحمن الرحیم	اللہ کے نام سے جو بہت بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔
من محمد عبد اللہ و رسولہ	محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے

الی ھرقل عظیم الروم سلام
علی من اتبع الھدیٰ، اما
بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام
اسلم تسلم یوتک اللہ
اجرک مرتین فان تولیت
فعلیک اثم الاریسین ویا اھل
الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء
بیننا وبینکم ان لا نعبد الا
اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا
یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من
دون اللہ فان تولوا فقولوا
اشھدوا بانا مسلمون۔

جو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے بنام ہرقل
شاہ روم۔ اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی
کرے اس کے بعد میں تجھے اسلام کی دعوت
دیتا ہوں۔ اسلام قبول کر تاکہ تو سلامت رہے
اللہ تعالےٰ تجھے دوگنا اجر عطا فرمائے گا اور
اگر تو نے نہ مانا تو تمام ملک والوں کا گناہ تیرے
سر ہوگا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف
آؤ جو تم میں اور ہم میں یکساں ہے وہ یہ ہے کہ ہم
خدا تعالےٰ کے سوا کسی اور کو نہ پوجیں اور ہم
میں کوئی خدا تعالےٰ کو چھوڑ کر کسی کو خدا نہ بنائے۔
اور اگر وہ نہ مانیں تو کہہ دیں کہ تم گواہ رہو ہم ماننے
والے ہیں۔

قیصر نے جو گفتگو ابو سفیان سے کی اور پھر خط پڑھا۔ اہل دربار نے اس سب حال کو پسند نہ کیا گفتگو کا انداز یہ تھا کہ گویا نور اسلام اس کے سینے میں چمک رہا ہے لیکن اہل دربار کی ناپسندی نے اس شمع نوری کو اس کے سینے میں پھر بجھا دیا۔

خسرو پرویز شاہ ایران کے نام

خسرو پرویز شاہ ایران کے نام سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
من محمد رسول اللہ الی
کسریٰ عظیم فارس سلام

اللہ تعالےٰ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو اللہ تعالےٰ
کا رسول ہے بنام کسریٰ شاہ فارس سلام ہے

علی من اتبع الھدی وامن	اس پر جس نے ہدایت کو قبول کیا اور اللہ تعالےٰ
باللہ ورسولہ واشھد	اور اس کے رسول پر ایمان لایا اور یہ گواہی دی
ان لا الٰہ الا اللہ وانی رسول	کہ اللہ تعالےٰ صرف ایک ہے اور میں اللہ تعالےٰ
اللہ الی الناس کافۃ لینذر	کا رسول ہوں ۔ اللہ نے مجھے تمام لوگوں کی طرف
من کان حیاً اسلم تسلم	پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تاکہ میں ہر زندہ شخص کو خدا
فان ابیت فعلیک اثم	کا خوف دلاؤں ۔ تو اسلام قبول کر سلامت
المجوس ۔	رہے گا ورنہ تمام مجوسیوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔

تکبر دولت اور حکومت کا پھل ہے اور دولت وحکومت کا نشہ انسانوں کی غالب اکثریت کو بدمست کر دیتا ہے

ع گر بدولت برسی مست نگردی مردی

ہاں! تربیت یافتہ صاحبِ ایمان کو اس بلا سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور وہ حقیقت دیکھنے والی آنکھ سے محروم نہیں ہوتا اور اپنے جذبات کو عقل ودل کی راہنمائی میں اعتدال سے منحرف نہیں ہونے دیتا۔

خسرو پرویز ایران کا مجوسی بادشاہ ہے اور صدہا سال سے اس خاندان میں حکومت چلی آرہی ہے اس لیے اس کا دولت کا ذریب کھا جانا کچھ بعید نہ تھا۔ سرورِ دو عالمؐ کا نوازش نامہ جب حضرت عبداللہ بن حذافہؓ سہمی نے پیش کیا تو اس نے پڑھا اور پڑھ کر برافروختہ ہوا اور حضور کے نامۂ مبارک کو چاک کر دیا۔

اس عاقبت نااندیش کو کیا معلوم تھا کہ وہ سرورِ عالمؐ کا نامۂ مبارک چاک نہیں کر رہا بلکہ اپنی حکومت کے قبالہ کو پھاڑ رہا ہے اور سلطنت ایران کے پرزے اڑا رہا ہے۔

حضور کا خط مبارک پہنچا خسرو پرویز کے تکبر اور غرور نے نامہ مبارک کی ہتک کی اور اپنی اور سلطنت ایران کی تباہی کا سبب خود بنا اور یمن میں ایران کی طرف سے مقرر کردہ اپنے گورنر کو لکھا کہ اس نبوت کا دعوےٰ کرنے والے کو میرے دربار میں بھیج دو۔

باذان نے دو شخصوں کو مدینہ طیبہ روانہ کیا ایک کا نام بابویہ تھا اور دوسرے کا نام خرخسرہ یہ دونوں دربارِ نبوی میں حاضر ہوئے اور کہا کہ کسرےٰ نے آپ کو طلب کیا ہے اور وہ سخت برہم ہے اگر آپ نے تعمیل حکم نہ کی

تو وہ عرب پر چڑھائی کر دے گا اور ملک کو برباد کر دے گا۔

حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چلے جاؤ! اور کسریٰ سے جا کر کہو کہ اسلام کی حکومت تیرے دار الحکومت تک پہنچے گی۔ جونہی یہ دونوں قاصدین پہنچے اطلاع ملی کہ خسرو پرویز کو اس کے اپنے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت خسرو پرویز کے ابدی خسران کا موجب بنی!

نجاشی شاہ حبشہ کے نام نامہ مبارک

حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اپنا نامہ مبارک ارسال فرمایا جس کی نقل مبارک ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ من محمد رسول اللہ الی النجاشی ملک الحبشہ سلم انت فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن واشھد ان عیسی ابن مریم روح اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم البتول الطیبہ الحصینہ وانی ادعوک الی اللہ وحدہ لاشریک لہ والموالاۃ علی طاعتہ وان تتبعنی وتوقن بالذی جاءنی فانی رسول اللہ وانی ادعوک وجنودک الی اللہ عزوجل وبلغت ونصحت فاقبلوا نصیحتی والسلام علی من اتبع الھدیٰ ؕ

ترجمہ۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے نجاشی شاہ حبشہ کی طرف

تم سلامت رہو۔ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں جو معبود ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے وہ پاک ہے، وہ سلام ہے، وہ مومن ہے، وہ نگہبان ہے۔

اور میں شہادت دیتا ہوں کہ بیشک عیسیٰ بن مریم علیہما السلام روح اللہ ہے اور اس کا کلمہ ہے جس نے اس کو پاک دامن، تارکۂ دنیا مریم کی طرف القا فرمایا۔

میں تجھے اللہ تعالےٰ کی طرف بلاتا ہوں جو وحدہٗ لاشریک ہے اور اس کی عبادت پر دوستی کرنے کی طرف اور اس بات پر کہ تو میری اتباع کرے اور اس (قرآن کلام الٰہی) کا یقین کرے جو مجھ پر نازل ہوا۔ پس بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں تجھ کو اور تیرے لشکروں کو اللہ تعالےٰ کی طرف بلاتا ہوں

میں نے پہنچا دیا اور نصیحت کر دی۔ تم میری نصیحت کو قبول کرو اور سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔

جب نجاشی کو نامۂ مبارک پہنچا تو اس نے اپنی آنکھوں پر رکھا اور اپنے تخت سے اتر آیا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ اور اسلام لایا اور ہاتھی دانت کا ایک صندوقچہ منگوایا۔ اور اس میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک رکھا اور کہا جب تک اہلِ حبشہ کے پاس یہ نامہ مبارک رہے گا تب تک ان میں بھلائی رہے گی۔

سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجاشی کا جواب۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۞ الی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من النجاشی اصحمۃ السلام علیک یا نبی اللہ من اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الذی لا الہ الا ھو ھدانی للاسلام اما بعد فقد بلغنی کتابک یا رسول اللہ فیما ذکرت من امر عیسی علیہ الصلوٰۃ والسلام فو رب السماء والارض ان عیسی علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یزید علی ما ذکرت وقد عرفنا ما بعث بہ الینا وقد قربنا ابن عمک واصحابہ

فاشھد انک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صادقا مصدوقا وقد

بالغتك و بايعت ابن عمك واسلمت علی یدہ لله رب العالمین۔

ترجمہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجاشی اصحمہؓ[1] کی طرف سے

اے نبی اللہ! آپ پر اللہ تعالےٰ کا سلام ہو اور اس کی رحمتیں اور برکتیں ہوں وہ خدا جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت فرمائی۔

اما بعد یا رسول اللہ! مجھے حضور کا نوازش نامہ ملا جس میں حضورؐ نے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔ مجھے قسم ہے زمین و آسمان کے خدا کی کہ عیسےٰ علیہ السلام جتنا حضورؐ نے ذکر فرمایا اس سے زیادہ نہیں ہیں۔ اور ہم پہلے جان چکے ہیں جو کچھ ہماری طرف بھیجا گیا اور ہم نے حضورؐ کے چچا زاد بھائی (جعفر ابن ابی طالب) اور ان کے ساتھی مسلمانوں کا قرب حاصل کیا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالےٰ کے سچے نبی ہیں۔ بے شک میں حضورؐ کی بیعت میں داخل ہوا۔ اور پہلے میں نے حضورؐ کے چچا زاد بھائی جعفر بن ابی طالب سے بیعت کی اور ان کے ہاتھ پر اسلام لاچکا ہوں۔

رؤسائے عرب کے نام

ہوذہ بن علی یمامہ کا رئیس تھا۔ سرور دو عالمؐ نے اس کو بھی دعوت اسلام دی اور گرامی نامہ سلیط بن عمر بن عبد شمس کے ہاتھ ارسال فرمایا۔ ہوذہ بیچارہ کفر کے بوجھ سے لدا ہوا اسلام کی نعمت کو کیا سمجھے اس نے کہا کہ اگر حکومت میں مجھے حصہ دار بنایا جائے تو میں اسلام لانے کو تیار ہوں۔

سرور دو عالمؐ نے فرمایا کہ "میں زمین کا ایک ٹکڑا بھی نہ دوں گا"

آج کے مسلمان رئیس یمامہ کا تخیل رکھتے ہیں کہ اسلام ان کے لئے دولت کی فراوانی کا ذمہ لے اور انہیں حاکم بنائے تب تو یہ بھی کامیاب، ان کا اسلام بھی صادق ورنہ نقصان ہی نقصان ہے اور اس فرمان الٰہی سے بے خبر کہ مومن کا ایمان اسے ہر قسم کی قربانی پر آمادہ کرتا ہے۔ کچھ ملے یا نہ ملے صاحب ایمان اپنا مال اور اپنی جان ہمیشہ ہتھیلی پر رکھتا ہے۔

---

[1] یہ نجاشی کا نام ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔	بے شک اللہ تعالےٰ نے مومنوں سے ان کے جان و مال خرید لئے ہیں اور بدلے میں جنت عطا فرمائی ہے۔

حارث غسانی شام کی حدود میں رومیوں کے ماتحت حکومت کرتا تھا۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی دعوتِ اسلام دی لیکن اس بدبخت نے بھی دوسرے بدنصیب امرا کی طرح کوئی اثر نہ لیا اور بجائے نور ہدایت سینے میں لینے کے غصے سے برہم ہوا اور اپنی عاقبت برباد کی۔

دنیا اور آخرت

دنیا کی دولت اور ہر کامیابی اگرچہ بظاہر اسباب سے تعلق رکھتی ہے لیکن مقدر کے بغیر نہ کوئی دولت ملتی ہے اور نہ کامیابی بلکہ ہزاروں آدمی اسباب کی موجودگی میں ناکام ہوتے ہیں۔ لیکن ہے کوئی ایسا آدمی جو دوسروں کی ناکامی دیکھ کر اسباب سے دستکش ہو جائے ایک دنیا ہے کہ کامیابی اور دولت کے حصول کے لئے دیوانہ وار مصروف کوشش ہے۔

ادھر آخرت کو لیجئے۔ آخرت کی دولت اور آخرت کی کامیابی کے لئے اسباب بھی موجود اور اس بازی کو جیتنے والوں کے نمونے بھی قائم، لیکن ہائے افسوس کہ صرف غفلت اور سستی سے انسان اپنے ابدی فائدے سے دستکش ہو جاتا ہے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کامیابی حاصل کرنے کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

انوار الہدیٰ فی سیرۃ المصطفےٰ ﷺ

کی پہلی جلد ختم ہوئی